تمام طالبانِ حق کے نام

جو

تلاشِ حق میں سرگرداں ہیں

" راہ ،حق اورزندگی میں ہوں" ۔ (قول المسیح)

"بطلبید که خواہید یافت ۔ زیراکسیکه طلبد می یابد" ۔

(انجیلِ متی ۷/۷)

جلد دوم

فہرستِ مضامین

حصہ چہارم

انجیلِ یوحنا

باب اوّل

انجیل کا پسِ منظر

انجیلِ چہارم کا مطالعہ یہ ظاہر کردیتا ہے کہ اس کا پس منظر وہی ہے جس کا ذکر ہم حصہ اوّل کے شروع میں کرچکے ہیں اورجو دورِ اوّلین سے متعلق ہے۔ اس پسِ منظر کا نقشہ رسولوں کے اعمال کے پہلے ۱۲باب میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اعمال ۶: ۱ میں " یونانی مائل یہودی" کا ذکر ہے جو تعداد میں " بہت" تھے ۔ منجئی عالمین کے مصلوب ہونے کے تین چارسال کے اندران"یونانی مائل یہودیوں" کی تعداد جو مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوگئے تھے اس قدربڑھ گئی تھی کہ وہ کلیسیا کے غالب جزوبن گئے تھے[1]۔" خدا کا کلام پھیلتا گیا۔ اور یروشلیم میں شاگردوں کا شماربہت ہی بڑھ گیا"۔ خداوند کی نجات کا پیغام ہر طبقہ میں پھیل گیا اور" اورکاہنوں کی بڑی گروہ اس دین کے تحت میں ہوگئی "(۶: ۷)۔ یہودی قوم کے سرداروں میں سے بھی ایک بڑی تعداد جوپہلے خفیہ شاگرد تھے اب علانیہ خداوند پر ایمان لے آئے (یوحنا ۱۲: ۴۲)۔ ان یہودی ایمان داروں میں " یونانی مائل" یہود ی بھی تھے جو مشرف بہ مسیحیت ہوگئے تھے۔(۲: ۱۰۔ ۶: ۱ وغیرہ)۔ کلیسیا کے پہلے ڈیکن اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے اورکلیسیا کا پہلا شہیدِ اعظم مقدس استیفنس اسی گروہ کا لیڈرتھا(۷: ۶۰)۔

حضرت کلمتہ اللہ کے زمانہ میں " یونانی مائل یہودیت" کا بہت چرچا تھا۔ اوریہودیوں کی ایک کثیر گروہ ارضِ مقدس کے اندر اورباہر یونانیت اوریونانی فلسفہ کے خیالات میں رنگی ہوئی تھی جس طرح اس بیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستانیوں کی ایک کثیر تعداد مغربیت اورمغربی فلسفہ کے خیالات میں رنگی ہوئی تھی۔

اہلِ یہود کا مشہور فلاسفر فائلو(تاریخ پیدائش سن بیس قبل مسیح) یونانیت پسند یہود کا نمائندہ تھا۔اس کا فلسفہ درحقیقت عبرانی کتُب مقدس ، افلاطون کا فلسفہ اور ستویقئی خیالات کا معجونِ مرکب ہے۔اس کی متعدد تصنیفات میں عبرانی مذہب اور یونانی فلسفہ کو باہم پیوست کیا گیا ہے۔ وہ کتُب عہدِ عتیق کو مستند اورالہامی کتابیں مانتا ہے اورچونکہ وہ یونانی فلسفہ میں ڈوبا

[1] C.H.Dodd, The Interpretation of the Fourth Gospel p.6(Note)

ہوا ہے ، وہ قدرتی طورپر اس فلسفہ کی روشنی میں ان کُتب کی تعبیر کرتا ہے۔

مقدس یوحنا کے خیالات اور تصورات یہودی فلاسفر فائلو کے سے ہیں۔ چنانچہ لوگوس (کلام) کا تصوراس کا شاہد ہے۔ اس نکتہ پرہم اپنی کتاب" نورالہدیٰ" میں مفصل بحث کر آئے ہیں۔ اورناظرین کی توجہ اس رسالہ کی جانب منعطف کرتے ہیں۔

فائلو کی طرح یہ انجیل نویس بھی بعض واقعات کو مجازی طورپر بیان کرتاہے ۔ دونوں مصنف علامت (Symbolism) کا استعمال کرتے ہیں[1]۔ جس میں وہ اشیاء اور تصورات کو اصلی رُوپ میں پیش کرنے کی بجائے اشارات ، کنایات اورنشانات سے کام لیتے ہیں ۔ مثلاً دونوں نورکو خدا کی علامت سمجھتے ہیں اوراس تصور سے خدا اوردنیا کے باہمی تعلقات کو سمجھاتے ہیں (یوحنا ۱: ۹، ۸: ۱۲تا ۱۴ وغیرہ)۔ دونوں خدا کو پانی کی زندگی بخش ندیوں کا سرچشمہ تصورکرتے ہیں (۴: ۱۰تا ۱۴ وغیرہ)۔ دونوں گڈرئیے کی علامت کا استعمال کرتے ہیں (۱۰باب) ۔ لیکن یہ امر ہم کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ یہ سب مجازی علامات دونوں نے عہدِ عتیق سے ہی اخذ کی ہیں۔ دونوں مصنف اس بات کو ہمیشہ کی زندگی سمجھتے ہیں کہ لوگ خدا کو جانیں۔ اس علم میں ایمان اورمحبت کے عناصر موجود ہیں۔

پس انجیل چہارم کا پس منظر وہ تمام تصورات ہیں جو" یونانی مائل یہودیت" (Hellenistic Judaism) میں موجود تھے اورجن کا ذکر فائلو کی کتب میں پایا جاتا ہے۔ لیکن مقدس یوحنا ان تصورات کو اپنے خصوصی طرز کے مطابق استعمال کرتا ہے جو فائلو سے بالکل الگ ہیں۔ مثلاً یہ انجیل نویس بتلاتا ہے کہ کلام مجسم ہوا اوراس نے اس دنیا میں زندگی بسر کی اورپھر دیگر انسانوں کی طرح مرگیا ۔ پر مُردوں میں سے جی اٹھا۔ لیکن فائلو کے مطابق کلام کوئی " شخص" نہیں ہے۔ پر انجیل میں اس کو " شخصیت" حاصل ہے۔ کلام خدا اور انسان دونوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ۔ بیرونی خارجی دنیا کی تاریخ میں اس کو دیگر انسانوں کی طرح جگہ حاصل ہے۔ فائلو کے مطابق کلام ، ایمان اورمحبت کا مرکز نہیں ہے لیکن انجیل چہارم کا مجسم کلام، مجسم محبِ صادق ہے اورمعشوقِ حقیقی بھی ہے۔ اُس پر ایمان رکھنا اوراس سے محبت کرنا ہی حقیقی الہیٰ عرفان ہے جس کا دوسرا

---

[1] Ibid.pp.45ff

نام ابدی زندگی ہے۔ ہم ان اُمور پر اپنے رسالہ "نورالہدیٰ" میں مفصل بحث کرآئے ہیں۔

دورِاوّلین میں کلیسیائی حلقوں میں "یونانی مائل یہودیت" کا اس قدرچرچا تھاکہ ممالکِ مغرب کے علماء گذشتہ صدی کے اواخراوراس صدی کے اوائل میں یہ خیال کرتے تھے کہ انجیلِ چہارم کو سمجھنے کے لئے ہمیں یونانی فلسفہ کی جانب رجوع کرنا چاہیے اورکہ انجیل کے عبرانی اوریہودی عناصر محض ایک پردہ ہیں۔ لیکن موجودہ زمانہ میں یہ خیالات جیساہم نوری الہدیٰ میں بتلاچکے ہیں متروک اورمردود ہیں۔ اس کے دوسبب ہیں:

(۱۔) گذشتہ چالیس سال میں انجیلِ چہارم کے یہودی عناصر اور حصص کا خاص طورپر مطالعہ کیا گیاہے۔ اس انجیل کی یونانی زبان کی تنقیح وتنقید کی گئی ہے ۔ اس کی جانچ پڑتال کا نتیجہ یہ ہے کہ اب تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اگریہ انجیل پہلے پہل ارامی زبان میں نہیں لکھی گئی تھی توکم ازکم اس کی زبان میں سامی عناصر موجود ہیں[1]۔ اس موضوع پر ہم حصہ پنجم میں مفصل بحث کریں گے ۔ اس تحقیق کا نتیجہ صاف ہے کہ انجیل چہارم یونانی فلسفہ کی مرہون منت نہیں بلکہ انجیل میں سامی زبان اور محاورات بکثرت موجود ہیں جس کا بالفاظِ دیگر مطلب یہ ہے کہ اس انجیل کا ماحول یہودی ہے۔

(۲۔) دوسری وجہ یہ ہے کہ ان گذشتہ پچاس سالوں میں یہودیت کا زیادہ گہرا مطالعہ کیا گیا ہے اوراس سوال کی خاص تحقیق کی گئی ہے کہ یہودیت کا عہدِ جدید کی کتُب سے کیا تعلق ہے؟ اس مطالعہ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ انجیل چہارم کے تصورات یونانی معتقدات سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان کا تعلق کتبِ عہدِ عتیق کے ساتھ ہے۔

پس انجیل کا مطالعہ ثابت کردیتا ہے کہ مقدس یوحنا نے یہ انجیل اُن یہودیوں کے لئے لکھی تھی جویونانی مائل تھے۔ مصنف نے یونانی خیالات سے کام لے کر اس گروہ کے ایمان داروں کی استقامت ایمان کے لئے اورغیرمسیحی متلاشیانِ حق کے لئے خداوند کے کلام اورسوانح حیات کی تعبیر کی تاکہ وہ ایمان لائیں کہ" یسوع ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے اورایمان لاکر اس کے نام سے زندگی پائیں"(۲۰: ۳۱)۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل بھی دیگر اناجیل کی طرح ابتدائی کلیسیائی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی تھی ۔ مقدس

[1] Burney, Aramaic Origin of the Fourth Gospel and Black,Aramaic Approach

یوحنا نے اس میں مسیحی ایمان اوراس ایمان کے بانی کی زندگی کی تاویل کی ہے۔ ہم اس نکتہ پر آگے چل کر مفصل بحث کرینگے۔ یہاں یہ بتلادینا کافی ہے کہ اس انجیل کا مطالعہ یہ ظاہر کردیتا ہے کہ یہ انجیل قدیم ترین زمانہ کے پہلے ایمان داروں کے لئے لکھی گئی تھی جن کی جماعت ، یہودی رسوم وتصورات سے آزاد ہوچکی تھی ۔ مصنف تواریخی سیدنا عیسیٰ کی زندگی کے واقعات کی ایسی تاویل کرتا ہے جس سے ان ایمان داروں کا باطنی تجربہ جو اُن کو مسیح میں حاصل تھا منور ہوجاتا ہے۔

(۲)

اس انجیل میں اہلِ یہود کے ساتھ بحث کا طرز اختیار کیا گیا ہے وہ ثابت کرتا ہے[1] کہ جس زمانہ میں یہ انجیل لکھی گئی تھی اُن دنوں میں اہل یہود مسیحی " طریق" پر سخت حملے کرتے تھے اور سیدنا مسیح کے دعوؤں کو بڑے زوروشور سے رد کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس انجیل میں جماعتِ " یہود" منجئی جہان کی سخت مخالف ہے۔ "یہود" کہتے تھے کہ پلاطوس نے سیدنا مسیح کو صلیب دی جو مجرموں کی سزا ہے لہذا سیدنا عیسیٰ ناصری مسیح موعود نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ایک مجرم تھا۔ اس الزام کا جواب ۱۹: ۴ میں ہے۔" میں اس کا کچھ جرُم نہیں پاتا" ۔ ۱۰: ۱۸ میں مصنف بتلاتا ہے کہ سیدنا مسیح کی صلیبی موت آپ کی رضا ورغبت کے مطابق تھی۔ اورکہ یہ موت آپ کی زندگی کا جلال تھی(۱۲: ۲۸)۔ "یہود" اعتراض کرتے تھے کہ آنخداوند نے اپنے آپ کو خدا کے برابر بنایا۔ کیا وہ ابراہام سے بھی بڑا ہے؟ بالخصوص یہود عشائے ربانی کی رسم میں سیدنامسیح کے گوشت اورخون کے کھانے اورپینے پر اعتراض کرتے تھے۔ ان اوردیگر یہودی اعتراضات کا جواب مقدس یوحنا نے اپنے خصوصی طرز کے مطابق انجیل میں دیا ہے۔(۶: ۳۲تا ۵۹ وغیرہ)۔

انجیل چہارم میں بظاہر" یہودی" خداوند کے" طریق" کے سخت مخالف ہیں لیکن جب ہم اس انجیل کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ مخاصمت صرف سطحی ہے[2]۔ انجیل سے ظاہر ہے کہ اہل یہود کا خدا ہی سیدنا مسیح کا " عادل باپ" ہے۔(۱۷: ۲۵)۔ یروشلیم کی ہیکل" میرے باپ کا گھر" ہے۔" نجات یہودیوں میں سے ہے " ۔ اورسامریوں کے مقابلہ میں ان کی عبادت زیادہ پاکیزہ ہے۔ حق تویہ ہے کہ اس انجیل میں مسیحیت

[1] Macgregor, Gospel of St.John

[2] W.R. Inge, The Theology of the Fourth Gospel in Cambridge Biblical Essays pp.262-263

کی دُشمن یہودیت نہیں ہے بلکہ عبادتخانوں کے اربابِ بست وکشاد ہیں۔ اس انجیل میں مقدس پولوس کی تحریرات کی مانند مسیحی کلیسیا ہی حقیقی اسرائیل ہے۔ الفاظ" سچا اسرائیلی جس میں مکر نہیں"(۱: ۴۷)۔ تعریف کے الفاظ ہیں اورثابت کرتے ہیں کہ حقیقی یہودیت مسیحیت کی دشمن نہیں ہے۔ مقد س یوحنا کا اصل نظریہ ۱: ۱۷ میں ہے۔ " شریعت موسیٰ کی معرفت دی گئی لیکن فضل اور سچائی سیدنا مسیح کی معرفت پہنچی ۔ جس طرح دیگر اناجیل میں عہدِ عتیق کی نبوتوں کا اقتباس ہے اُسی طرح اس انجیل میں بھی نبوتیں موجود ہیں۔ اس کا ذکر ہم اگلے باب میں کرینگے ۔ حضرت موسیٰ سیدنا مسیح کا پیش رو ہے اوریسعیاہ اورابراہام نے نبوت کی رویا میں سیدنا مسیح کے جلال کو دیکھا۔ لیکن بایں ہمہ مصنف انجیل نے پُرانی موسوی شریعت پر مقدس پولوس کے خطوط سے بھی زیادہ واضح طورپر خطِ تنسیخ پھیردیا ہے۔ تمام یہودی روایات اوربیانات کو ایک ایک کرکے روحانی مطالب کا لباس پہنا کر اوریوُں اُن کو ہمہ گیر بنا کرکے بے کار اورمنسوخ کردیا ہے۔ چنانچہ اصلی ہیکل مسیح کا بدن ہے۔ اس انجیل میں سبت کے تصورمیں ایسا انقلاب پیدا کردیا ہے کہ اس کی ہیئت ہی بدل گئی ہے حتیٰ کہ خدا کے سبت کے آرام کو بھی" کلام" بتلایا گیا ہے(۵: ۱۷)۔ اوریوں یہودی سبت کے تصورکا قلع قمع کردیاگیا ہے۔ ابراہام کی نسل سے ہونا یعنی جسمانی پیدائش بے معنی بات کردی گئی ہے (۸: ۳۹) کیونکہ اصلی پیدائش صرف روحانی پیدائش ہی ہے(۳: ۳)۔ سچ تو یہ ہے کہ اس انجیل میں یروشلیم کے تمام حقوق ورسوم کے خاتمہ کا اعلان کردیا گیا ہے (۴: ۲۱تا ۲۴)۔

(۳)

سطورِبالا سے ظاہرہوگیا ہوگا کہ مقدس یوحنا کی انجیل کے خیالات بجنسہ وہی ہیں جو مقدس پولوس کی تحریرات میں پائے جاتے ہیں۔ یہ انجیل اورخطوط ایک دوسرے سے اتنے ملتے جلتے ہیں کہ ایک وقت تھا جب نقاد یہ کہتے تھے کہ یہ انجیل نویس مقدس پولوس کا سب سے بڑا شاگرد ہے اوراس کی انجل" ثانوی پولوسی انجیل" کہا جاتا تھا۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ اس انجیل کے مصنف کو پولوس رسول کا شاگرد بتلانا بڑی زبردست غلطی[1] ہے ۔ مقدس پولوس رسول نے اوریروشلیم کی کونسل نے شریعت کے مقام کا فیصلہ کرکے غیریہود اقوام کی کلیسیاؤں کے لئے ہمیشہ کےلئے راہ

---

[1] Dodd, Interpretation of the Fourth Gospel pp.5-6

صاف کردیا تھا اورمسیحیت کے تصورات کی اپنے زمانہ کے خیالات کے مطابق تشریح کرکے اُن کو معنی خیزبنادیا تھا۔ مقدس پولوس کے سے فلسفیانہ خیالات نے اس انجیل کے مصنف پر ضروراثر ڈالا تھا اورا سکی دینیات کی طرح کے تصورات مصنف کے لئے چراغ راہ بنے تھے لیکن ہم کو یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ان دونوں کے فلسفیانہ تصورات اورخیالات میں براہ راست کوئی تعلق نہیں۔ اس انجیل کے خیالات انوکھے، قوتِ تخلیق رکھنے والے اورنرالے ہیں اوران کے ماخذوں کا تعلق مقدس پولوس کے فسلفیانہ تصورات سے نہیں ہے بلکہ وہ اُن سے بے نیازہیں اورخود اپنی انفرادی حیثیت رکھتے ہیں ۔ مقدس رسول کے خطوط کا اورانجیل کا مطالعہ یہ ظاہر کردیتا ہے کہ دونوں کی زبان اوراصطلاحات الگ الگ ہیں۔ مثلاً ایمان ، گناہ ، نجات کا وسیلہ وغیرہ۔ لیکن دونوں کا نظریہ زندگی یکساں ہے۔ دونوں کے نزدیک جلالی مسیح درحقیقت پرستش کے لائق ہے۔ دونوں کے نزدیک ایمان اوراعمال کا باہمی تعلق ایک ہی قسم کا ہے۔ دونوں سیدنا مسیح کو خلقت کا وسیلہ مانتے ہیں(۱: ۳،کلسیوں ۱: ۱۶ تاآخر)۔ دونوں کے نزدیک ایمان دارشریعتِ موسوی کی قیود سے آزاد ہیں(۱۸: ۳۱تاآخر، گلتیوں ۴: ۲۱تاآخر)۔ دونوں کے نزدیک یہود اور غیر یہود مسیح میں ایک ہیں (۴: ۲۱تا ۲۴، افسیوں ۲: ۱۱تاآخر)۔ دونوں کی تصنیفات سے ثابت ہے کہ اُنہوں نے یہودی ربیوں کے قدموں میں تعلیم حاصل کی[1] ہے۔ کیونکہ دونوں ایسی تفسیریں اورتاویلیں کرتے ہیں جو اہلِ یہود کے ربیوں سے ہی مخصوص تھیں۔ لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مقدس یوحنا مقدس پولوس کا گویا شاگرد تھا کیونکہ دونوں اُستادِ زمانہ تھے جن کے خیالات ، تصورات اورفلسفیانہ نکات متوازی ہیں اورایک دوسرے کے مرہونِ منت نہیں ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ مسیحی کلیسیا کے دورِ اوّلین میں مقدس یوحنا اورمقدس پولوس دیگر چند ہستیوں مثلاً عبرانیوں کے خط کے مصنف اوراپلوس وغیرہ سمیت ابتدائی کلیسیا کے " استادوں" کے گروہ کے ممتازافراد تھے۔ ان اُستادوں نے جیسا ہم حصہ اوّل کے باب سوم میں بتلاچکے ہیں مختلف طریقوں سے اپنی اپنی لیاقت کے مطابق (افسیوں ۴: ۱۱۔ ۱۔کرنتھیوں ۱۲: ۲۸۔ اعمال۱۳: ۱ وغیرہ) مسیحی ایمان داروں کے ایمان کو مضبوط اورمستحکم کیا اوراپنے

[1]Dodd , Apostolic Preaching & Its Development ,Lecture I & Interpretation of the Fourth Gospel pp.6-7

اپنے خیالات کے مطابق مسیحی ایمان کی تشریح کرکے اُن ہزارہا لوگوں کو جو کلیسیا کے باہر تھے منجئی عالمین کا حلقہ بگوش کردیا۔

(۴)

جب ہم اس انجیل کے الفاظ اوربیانات رسولوں کی اُس " منادی" کی روشنی میں مطالعہ کرتے ہیں جس کا ذکر ہم حصہ اوّل کے باب سوم میں کر آئے ہیں توہم پرظاہر ہوجاتا ہے کہ جس طرح انجیل مرقس میں " اس منادی" کا نفسِ مضمون صاف طورپر نظر آتا ہے، اسی طرح انجیل چہارم میں بھی" منادی" کے تمام موضوع موجود ہیں[1]۔ چنانچہ اس میں نہ صرف کلیسیا اوراس کے نظام کی ابتدائی منازل، بارہ رسولوں کا بپتسمہ ، اورعشائے ربانی کے رواج کا ذکر پایا جاتا ہے بلکہ رسولوں کی " منادی" کا نفسِ مضمون بھی موجود ہے جو اعمال ۱۰ اور۱۳باب میں پایاجاتا ہے۔ اس کو مصنف نے وسعت دے کر لکھا ہے ۔ چنانچہ سیدنا مسیح کا اس دنیا میں آنا پہلے باب کا موضوع ہے"۔ وقت کے پورا ہونے " کا ذکر ہے (۴: ۲۱تا ۲۳۔ ۵: ۲۵تا ۲۸ وغیرہ)۔ یوحنا بپتسمہ دینے والے کی منادی، سیدنا مسیح کا بپتسمہ سے ممسوع ہونا، سیدنا عیسیٰ کا مسیح موعود ہنا، سیدنا مسیح کا گلی میں اوربعد ازاں یروشلیم میں پرچارکرنا ،آنخداوند کے معجزات اوران کے حقیقی مفہوم ومطالب کو سمجھانا، عدالت کا ذکر، (۱۲: ۳۱)۔ سیدنا مسیح کے آخری خطبات اورمکالمات آپ کا جلال پانا(۱۲باب)، آپ کی صلیبی موت اور ظفریاب قیامت اور صعودآسمانی اورروح القدس کی آمد کا ذکر، آپ کی آمدِ ثانی کے اصل مفہوم کا سمجھانا جس میں اس انجیل نویس نے تناظر(Perspective) کو بدل کر اس موضوع پر نئی روشنی ڈالی ہے وغیرہ وغیرہ، سب کی سب باتیں رسولوں کی " منادی" کا جزوتھیں۔

اس نکتہ سے ایک ہم بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ جب یہ انجیل لکھی گئی تو اُس وقت وہ زمانہ تھا جب اس کا مصنف رسولوں کی منادی کے نفسِ مضمون سے براہِ راست بلاواسطہ خود واقف تھا اورامر اس انجیل کی قدامت اورپایہ اعتبار کا جیتا جاگتا زندہ ثبوت ہے۔ ہم انشاء اللہ آگے چل کر اس مضمون پر اس کی انجیل کی تاریخِ تصنیف کے تحت مزید بحث کریں گے۔

[1] Hoskyns, The Fourth Gospel Vol.1.p.XX11

باب دوم

انجیلِ یوحنا کے ماخذ

مقدس یوحنا کی انجیل کا سرسری مطالعہ بھی یہ صاف طورپر ظاہر کردیتا ہے کہ اس کا مصنف خودایک چشم دید گوہ ہے۔ چنانچہ اس انجیل میں مختلف رسولوں کے خصائل کا اس طورپر نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا مصنف نے ان کی تصویر اُتارکر ہمارے سامنے رکھ دی ہے۔ سچ پوچھو تو صرف اسی انجیل کی بدولت ہم بارہ رسولوں کی خصوصی عادات سے واقف ہیں۔ مثلاً اگریہ انجیل نہ ہوتی تو ہندوستان کے رسول مقدس توما کا ہمیں محض نام ہی معلوم ہوتا۔ مصنف نے اُن لوگوں کا بھی کیرکٹرواضح کردیا ہے جن کوآنخداوند کی صحبت کا فیض حاصل تھا۔ مثلاً مارتھا اورمریم کا بیان (۱۱باب)۔ اورمادرزاد اندھے کا بیان تو(۹باب) اس کو ہماری آنکھوں کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے اورثابت کرتا ہے کہ انجیل نویس ایک چشم دید واقعہ کا بیان کررہا ہے۔ تاریخی تفصیلات (۲: ۲۰۔ ۴: ۶۔ ۴۰، ۵۲، ۱۱: ۳۹۔ ۱۲: ۱ وغیرہ)۔ سیدنا مسیح کی گرفتاری کا واقعہ، صدرِعدالت اورپلاطوس کے سامنے پیشی کے بیانات (باب ۱۳) صاف طورپر ایک چشم دید گواہ کا پتہ دیتے ہیں۔ دو شاگردوں کا قبر کی طرف دوڑ کر جانے کا بیان سیدنا مسیح کا مریم اورشاگردوں کو دکھائی دینے کے بیانات اوران کے ساتھ ہمکلام ہونے کی تفصیلات (باب ۲۰، ۲۱ وغیرہ) سب اس کے شاہد ہیں کہ ان بیانات کو لکھنے والا ایک چشم دید گواہ ہے۔

علاوہ ازیں یہ مصنف سیدنا مسیح اورآپ کے رسولوں کی نسبت ایسی باتیں بتلاتا ہے جو کوئی ایسا شخص نہیں جان سکتا تھا جو اس حلقہ سے باہر ہو۔ مثلاً وہ رسولوں کے ایسے خیالات کا ذکر کرتا ہے جو وہ زبان پر بھی نہیں لائے تھے۔ (۴: ۲۷۔ ۲۰: ۱۲ وغیرہ) وہ بتلاتا ہے کہ رسول آنخداوند کی باتوں کو نہیں سمجھتے تھے (۴: ۳۲۔ ۱۱: ۱۱، ۱۳: ۲۷تا آخر) اورکہ وہ آپ کے اقوال کو مابعد کے واقعات کی روشنی میں سمجھے (۲: ۲۱تا ۲۲۔ ۱۲: ۱۶)۔ یہ مصنف سیدنا مسیح کے ایسے کلمات کا ذکر کرتا ہے جو آپ نے خلوت میں شاگردوں سے فرمائے تھے اوراُن رسولوں کا نام بتلاتا ہے جن سے آپ مخاطب ہوئے اوررسولوں کے اقوال کو بھی لکھتا ہے (۶: ۵، ۸، ۶۷ تا ۷۱۔ ۱۱: ۷تا ۱۶۔ ۱۲: ۲۲ اورابواب ۱۳، ۱۴، ۲۰، ۲۱)۔

دیگر بیانات مثلاً ہیکل کے واقعہ (۲: ۲۲) سے بھی ظاہر ہے کہ مصنف اس واقعہ کا عینی گواہ ہے کہ وہ اپنا اوراپنے ساتھیوں کا آپ بیتی واقعہ بتلا رہا ہے۔آیت ۱۲: ۱۶ واقعہ کی یاددہانی ہے۔ یہ آیت اوردیگرآیات مثلاً ۷: ۳۹ وغیرہ صاف ثابت کرتی ہیں کہ انجیل کا لکھنے والا خود ایک چشم دید گواہ ہے۔۱۸: ۱تا ۲ میں گتسمنی باغ کا ذکر ہے اوریہ بتلایا گیا ہے کہ " یسوع اکثر اپنے شاگردوں کے ساتھ وہاں جایا کرتا تھا "۔یہ الفاظ نہایت وضاحت کے ساتھ اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ لکھنے والا آنخداوند کی مختلف آرام گاہوں سے خود واقف تھا۔ انجیل کے دیباچہ کی ۱۴آیت (۱باب) کے الفاظ واضح طورپر ایک چشم دید گواہ کا پتہ بتلاتے ہیں۔ اور۱۹: ۳۵ میں مصنف سیدنا مسیح کو شاہد بنا کر کہتا ہے کہ" وہ جانتا ہے کہ میں سچ کہتا ہوں" یہاں لفظ " وہ " سے مراد سیدنا مسیح ہے۔ جس طرح پولوس رسول لکھتاہے کہ " خدا جانتا ہے" (۲۔ کرنتھیوں۱۱: ۱۱تا ۳۱) اسی طرح یہ مصنف لکھتا ہے کہ میرا آقا مسیح جانتا ہے کہ جو میں نے لکھا ہے وہ سب سچ اور صحیح ہے۔ انجیل کے آخری باب کلیسیا میں دوسرے ممتاز شخصوں کی مہر تصدیق ہے (آیت ۲۴)۔ اورآیت ۲۰ سے ظاہر ہے کہ آیت ۲۴ کا شاگرد وہی ہے جس سے سیدنا مسیح محبت رکھتا ہے اورجو صلیبی واقعہ کا چشم دید گواہ تھا۔(۱۹: ۳۵، ۲۶)۔

(۲)

انجیل یوحنا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے لئے یہ انجیل لکھی گئی تھی وہ آنخداوند کی زندگی کے ایسے متعدواقعات اورسوانح حیات سے واقف تھے جو ابھی منتشر حالت میں لکھے گئے تھے۔ دیگر انجیل نویسوں نے انہی پاروں سے اپنے ماخذوں کو جمع کیا(لوقا ۱: ۱)یہ پارے تعداد میں بہت تھے(۲۱: ۲۵)۔ اوردیگر چشم دید گواہوں کے زبانی بیانات بھی موجود تھے[1]۔ پس انجیل چہارم کے مصنف نے اس انجیل میں نہ صرف اپنے ذاتی مشاہدات کا بیان کیا ہے بلکہ دیگر چشم دید گواہوں کے تحریری اورزبانی بیانات سے بھی استفادہ حاصل کیا ہے۔ لیکن یہ ماخذ صرف متفرق اورغیر مکمل پارے ہی تھے جن میں سیدنا مسیح کے اقوال اورزندگی کے واقعات درج تھے اورجن کو انجیل نویس نے اپنی انجیل میں درج کرلیا[2]

[1] Hoskyns Fouth Gospel pp.87-88
[2] E.F. Scott The Fourth Gospel (2nd Ed) pp31-32

اوران ماخذوں کا مسالہ اس کے تخلیقی دماغ کی کٹھالی میں باہم آمیزش پاکر ایک ہوگیا ہے[1]۔

اس بات کا ثبوت کہ مصنف نے تحریری ماخذ استعمال کئے ہیں یہ ہے کہ آنخداوند کے بعض اقوال لکھنے کے بعد وہ اُن کو تشریح کرتا ہے۔ مثلاً ۲: ۱۹ کے بعد وہ آیت ۲۱ لکھتا ہے۔ ۷: ۳۷ کے بعد وہ آیت ۳۹ لکھتا ہے جس میں وہ سیدنا مسیح کے اقوال کا مطلب بیان کرتا ہے جو ۱۴: ۱۴، ۲۷:۶، ۳۵ کے مطابق ہے۔ ۱۲: ۳۲ کے بعد وہ آیت ۳۳ تشریح کے طورپر لکھتا ہے اور۱۸: ۳۲ میں اس آیت کی طرف پھر اشارہ کرتا ہے ۔ ۱۷: ۱۲ کی تشریح وہ ۱۸: ۹ میں کرتا ہے[2]۔

جیسا ہم حصہ اوّل میں بتلاچکے ہیں کہ آنخداوند کے سامعین ہزاروں کی تعداد میں ہوتے تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے آپ کی زندگی کے واقعات کو دیکھا تھا اوراپنے کانوں سے آپ کی جانفزا تعلیم کو سنا تھا۔(یوحنا۶: ۲) اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بیانات شمار میں ان گنت تھے ایساکہ " اگروہ جدا جدا لکھے جاتے توجو کتابیں لکھی جاتیں اُن کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی"(۲۱: ۲۵)۔ ان تحریری ماخذوں سے جیساہم بتلاچکے ہیں اناجیل متفقہ کے لکھنے والوں نے استفادہ حاصل کیا اورانجیل چہارم کے مصنف نے بھی ان ماخذوں میں سے ایسوں کو استعمال کیا جواُس کے مطلب کے تھے ۔ لیکن اس نے ان ماخذوں کو چھوڑدیا جواُس کے کام کے نہ تھے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے " یسوع نے اوربہت سے معجزے شاگردوں کے سامنے دکھائے جو اس کتاب میں لکھے نہیں گئے " اورپھر اپنی انجیل کی تالیف کا مقصد ان الفاظ میں بتلاتا ہے " یہ اس لئے لکھے گئے کہ تم ایمان لاؤ کہ یسوع ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے اور ایمان لا کر اُسکے نام سے زندگی پاؤ"(۲۰: ۳۰تا ۳۱۔ ۱۱: ۲۷۔ ۱۵: ۱۱ ۔ ۱یوحنا ۱: ۴ وغیرہ)۔

چونکہ انجیل چہارم کی تالیف سے پہلے انجیل مرقس کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں تھی لہذا اس مصنف کو اپنے ماخذوں کے انتخاب میں آسانی ہوگئی۔ کیونکہ اس انجیل میں اور رسالہ کلمات میں آنخداوند کے کلمات اورسوانح حیات پہلے ہی سے موجود تھے جن سے ایمان دار واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ مقدس یوحنا نے کسی تمثیل کا ذکر نہیں کیا تاہم اس انجیل کو پڑھنے والے جانتے ہیں کہ آپ نے تمثیلوں میں کلام کیا تھا(۱۶: ۲۵)۔اگرچہ اس سے سیدنا مسیح کے اُس کام کا بیان نہیں ہے جو صوبہ گلیل میں کیا گیا تھا تاہم اس کی جانب باربار اشارے کئے جاتے ہیں(۴: ۴۳، ۴۵۔ ۶: ۱تا ۲ ۷:

[1] Charnwood, According to St.John .p.89
[2] Dr.H.H.Wendt , The Gospel according to St.John.(1902)pp.66-72

۱)۔ مصنف یہ فرض کرلیتا ہے کہ اس کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ سیدنا مسیح ناصرت کے تھے(۱: ۴۵تا ۴۶۔ ۱۸: ۵تا ۷ ۔ ۱۹: ۱۹) اور کے آپ نے کفرنحوم میں کام کیا تھا(۱۲: ۱۲) اورآپ کے شاگرد گلیلی تھے (۱: ۴۳تا ۴۴) اورکہ آپ کے بھائی پر ایمان نہیں لائے تھے۔ (۷: ۳تا ۴)۔ جب یہ انجیل نویس صلیبی واقعہ کا ذکرکرتا ہے تو وہ یہ فرض کرلیتا ہے کہ اس کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ کیفا کے سامنے سیدنا مسیح کی پیشی ہوئی تھی۔ (۱۸: ۲۴تا ۲۸)۔ اورکہ جب آپ اپنی صلیب اٹھاکرکلوری کو چلے تھے تو شمعون کرینی نے آپ کی صلیب اٹھائی تھی(۱۹: ۱۷، مرقس ۱۵: ۲۱) ہم انشاء اللہ آگے چل کر اس موضوع پر وضاحت سے بحث کریں گے۔

بہر حال ناظرین پر واضح ہوگیا ہوگا کہ انجیل چہارم کے مصنف نے دیگر انجیل نویسوں کی طرح تحریری ماخذوں میں سے اُن ماخذوں کا استعمال کیا جن سے اس کی مطلب براری ہوتی تھی تاکہ ایمان داروں کے ایمان کی استقامت ہو اورسب منجئی جہان کے قدموں میں آکر ایمان لائیں۔

(۳)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقدس یوحنا کے پاس کون سے ماخذ تھے جن سے اس نے استفادہ حاصل کیا ہے۔ ان میں سے بعض حسب ذیل تھے:

(۱۔)اوّل۔ انجیل مرقس۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ یہ انجیل نویس انجیل مرقس کا استعمال کرتا ہے۔چنانچہ اس نے اس کے بعض غیرمعمولی الفاظ کو بھی نقل کیا ہے مثلاً ۶: ۷(مرقس ۶: ۳۷)۱۲: ۳تا ۵(مرقس ۱۴: ۳تا ۵) ۱۴: ۳۱۔ (مرقس ۱۴: ۴۲) ۱۸: ۱۸ (مرقس ۱۴: ۵۴)۔ ۱۸: ۳۹(مرقس ۱۵: ۹) ۵: ۸تا ۹(مرقس ۲: ۱۱تا ۱۲) وغیرہ۔ علاوہ ازیں بیانات کی تفصیلات اورالفاظ بھی ایک ہی قسم کے ہیں۔

یہاں ہم جملہ معترضہ کے طورپر یہ بتلادینا مناسب خیال کرتے ہیں کہ اگرچہ مقدس یوحنا انجیل مرقس کا استعمال کرتا ہے وہ دیگر اناجیل اوربالخصوص انجیل متی سے ناواقف نظر آتا ہے[1] گو بعض نقادوں کا خیال ہے کہ وہ انجیل سوم سے واقف تھا لیکن سب بالاتفاق یہ کہتے ہیں کہ وہ متی کی انجیل سے واقف نہ تھا۔ یہ نکتہ

[1] Stanton, Gospels as Historical Documents pp.220.Macgregor,The Gospel of St. John, (Moffat's Comentary)pp.X-X1

نہایت اہم اورقابل غور ہے کیونکہ اس تحقیق کی روشنی میں ہم اس انجیل کی تاریخ تصنیف کا علم حاصل کرسکتے ہیں۔ اس موضوع پر ہم انشاء اللہ آگے چل مفصل بحث کریں گے۔

انجیل چہارم کا غائر مطالعہ یہ ظاہر کردیتا ہے کہ اس کے بیانات میں ایسے الفاظ اورجملے موجود ہیں جو انجیلِ مرقس میں ہیں ۔ سطور بالا میں ہم نے چند حوالے پیش کئے ہیں۔ یہ انجیل نویس چند اہم واقعات کا ذکرکرتے وقت انجیل مرقس کے الفاظ کو استعمال کرتا ہے[1]۔ دونوں انجیلوں میں صرف بعض لفظوں یا فقروں کے حصوں اورجملوں میں ہی مشابہت نہیں پائی جاتی بلکہ دونوں میں بعض اوقات فقر کے فقرے یکسا ہیں۔ مثلاً ۶: ۱تا ۲۱ او مرقس ۶: ۳۰تا ۵۲۔ ہیکل کو پاک کرنے کا واقعہ (۲: ۱۳تا ۲۲۔ اورمرقس ۱۱: ۱۵تا ۱۸، ۲۷، ۲۸۔ اوریوحنا ۱۲: ۱۳، مرقس ۱۱: ۹) اگرچہ عورت کا پاؤں کو مسح کرنے کے بیان میں دونوں انجیلوں میں سیاق وسباق کا فرق ہے لیکن دونوں کے الفاظ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اوربعص الفظ یکساں ہیں ۱۲: ۱تا ۸۔ مرقس ۱۴: ۳تا ۲۱)۔ آخری عید فسح کے کھانے کا ذکرپس منظر مرقس کا ہی ہے (۱۳: ۲، ۲۱، ۳۰ ۔ مرقس ۱۴: ۱۰، ۱۷، ۲۱) پطرس کے انکارکی پیشین گوئی میں دونوں کےالفاظ اورفقرے یکساں ہیں (۱۳: ۲، ۲۱، ۳۰، ۳۷، ۳۸، اورمرقس ۱۴: ۱۰، ۱۷، ۲۱، ۲۹، ۳۱)۔ انجیل کے آخری مکالمات کے الفاظ "اُٹھو" یہاں سے چلیں(۱۴: ۳۲) مرقس ہی کے ہیں (۱۴: ۴۲) صلیبی واقعہ کی بعض تفاصیل بھی یکساں ہیں(۱۸: ۳و مرقس ۱۴: ۴۳۔ یوحنا ۱۸: ۱۰، مرقس ۱۴: ۴۷) دونوں انجیلوں میں پطرس کے دوانکاروں کے درمیان وقفہ ہے جس میں سردارکاہن کے سامنے مقدمہ پیش ہوتا ہے(۱۸: ۱۵، ۱۸، ۲۵، ۲۷، مرقس ۱۴: ۵۳، ۵۴، ۶۶ ۲ ۷) انجیل یوحنا میں اگرچہ کیفا کے سامنے پیشی کا ذکر نہیں ہے لیکن یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ یہ پیشی ہوئی تھی۔(۱۸: ۲۴تا ۲۸)۔ دونوں پیشیوں کے الفاظ یکساں ہیں(۱۸: ۲۲تا مرقس ۱۴: ۲۷)۔ پلاطوس کے سامنے پیشی ایک ہی سوال سے شروع ہوتی ہے(۱۸: ۳۳، مرقس ۱۵: ۲)۔ اورتمام مقدمہ کے ایک ہی الفاظ ہیں(۱۸: ۳۹، مرقس ۱۵: ۹، یوحنا ۱۹: ۶، ۱۵، اورمرقس ۱۵: ۱۱تا ۱۴) پلاطوس کا کوڑے لگوانا (۱۹: ۱، مرقس ۱۵: ۱۵) سپاہیوں کا ٹھٹھا کرنا(۱۹: ۲، ۳، ومرقس ۱۵: ۱۶تا ۲۰)۔صلیب پر کتبہ (۱۹: ۱۹، مرقس ۱۵: ۲۵)۔ یوسف کا لاش کو مانگنا (۱۹: ۳۸تا ۴۲ ، مرقس ۱۵: ۴۲تا ۴۵)۔ وغیرہ سب یکساں ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ

---

[1] Hoskyns Fourth Gospels pp,72-76

انجیل مرقس کا نفسِ مضمون یہ ہے کہ سیدنا مسیح بادشاہ ہے اور یہی موضوع پلاطوس اورسیدنا مسیح کی گفتگو کا موضوع ہے۔ علی ہذا القیاس صلیب کا مقام اورصلیبی احوال میں انجیل مرقس کے الفاظ موجود ہیں (۱۹: ۱۷، ۳۰، ومرقس ۱۵: ۲۲تا ۳۷) اوریوحنا کی انجیل میں زبور۲۲: ۱۸ کی جانب خاص اشارہ موجود ہے۔ سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت کے بیان میں بھی اشخاص اورالفاظ ایک ہی قسم کے ہیں (۲۰: ۱، مرقس ۱۶: ۱تا ۴)۔ اس انجیل میں یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ اس کے ناظرین کو اس بات کا علم ہے کہ عورتوں کو حکم دیا گیا تھاکہ وہ شاگردوں کو جاکر خبردیں اورکہ سیدنا مسیح جی اٹھنے کے بعد گلیل میں بھی نظر آئے تھے اوریہ باتیں مرقس کی انجیل میں موجود ہیں (۲۰: ۲، ۱۷، ۱۸ اور۲۱باب ومرقس ۱۶: ۷، ۸، ۱۴: ۲۸)۔

ہم حصہ دوم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ مقدس متی اورمقدس لوقا دونوں اپنی انجیلوں کے ڈھانچہ کو مقدس مرقس کی انجیل کے خاکہ کی بنیاد پر قائم کرتے ہیں۔ جب ہم انجیل چہارم کا بغورمطالعہ کرتے ہیں تو ہم پریہ امر عیاں ہوجاتاہے کہ مقدس یوحنا کا طریقہ کار بھی یہی تھا۔اُس نے بھی اپنی انجیل کے ڈھانچہ کی بنیاد انجیلِ مرقس پرہی رکھی ہے[1]۔ مقدس یوحنا یہ فرض کرلیتا ہے کہ اس کے پڑھنے والوں کو سیدنامسیح کی زندگی ، موت اورقیامت کے واقعات کا علم تھا اورکہ یہ علم اُن کو مرقس کی انجیل سے حاصل ہوا تھا اورکہ وہ سیدنا مسیح کے واقعات اور سوانح حیات سے واقف تھے اور سردار کاہنوں ، فریسیوں اوراُن کے سرداروں ، سیدنا مسیح کے شاگردوں اورآپ کے بھائیوں کی نسبت علم رکھتے تھے اورجانتے تھے کہ سیدنا مسیح کیفا کی عدالت میں پیش ہوئے تھے اورکہ مریم مگدلینی نے قبرمیں آپ کا مبارک لاشہ نہیں پایا تھا اورکہ وہ قیامت کے بعد سیدنا مسیح کے دکھائی دینے سے واقف تھے لیکن یہ مصنف ان واقعات کا ذکرکرنے یا ان کی طرف اشارہ کرنے پرہی قناعت نہیں کرتا بلکہ جیسا ہم آگے چل کر دیکھینگے وہ اُن واقعات کی تاویل بھی اپنی انجیل میں کرتا ہے۔

انجیلِ یوحنا اورانجیل مرقس کا غائر مطالعہ ہم پر عیاں کردیتاہے کہ مقدس یوحنا کے بیانات کا انحصار مرقس کی انجیل پرہے۔ بظاہر ان دونوں انجیلوں میں فرق نظرآتا ہے کیونکہ انجیل یوحنا کا بیشتر حصہ مکالمات پر مشتمل ہے اوربادی النظر میں ان

---

[1] Ibid pp.70-82

مکالمات کا دیگر اناجیل کے کلمات سے کوئی تعلق دکھائی نہیں دیتا بالخصوص اُن سے جو انجیل مرقس میں مندرج ہیں لیکن اگر دونوں انجیلوں کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو یہ تعلق ظاہر ہوجاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ان مکالمات کے الفاظ انجیلِ مرقس میں نہیں پائے جاتے تاہم یہ مکالمات زیادہ تر اُن اقوال کے گرد گھومتے ہیں جو انجیل مرقس میں موجود ہیں۔ انجیل یوحنا کے پڑھنے والے اُن اقوال سے بخوبی واقف تھے۔ وہ انجیل کے مصنف کے دل ودماغ میں ایسا گھر کرگئے ہوئے ہیں کہ وہ بیرونی دائرہ کی حد سے گذرکر مکالمات کے مرکز بن گئے ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے نہ صرف مکالموں پر ہی قبضہ کرلیا ہوا ہے بلکہ اس نکتہ نگاہ کو بھی اپنے قابو میں رکھا ہے جس سے وہ آنخداوند کودیکھتا ہے اوراپنے پڑھنے والوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ مثال کے طورپر مرقس کے قول کو لو" جو کوئی اپنی جان بچانا چاہے وہ اسے کھوئے گا اورجو کوئی میری اورانجیل کی خاطر اپنی جان کھوئے گا وہ اسے بچائیگا" (۸: ۳۵)۔ یہ قول اس مکالمہ کا مرکزی نکتہ ہے جو انجیل یوحنا کے ۱۲باب میں ہے(آیات ۲۰تا ۳۰) اس مقام میں یہ قول دیگر اقوال میں سے ایک قول نہیں رہتا بلکہ ایک الہیٰ قانون کی صورت اختیارکرلیتا ہے اورایک ایسا عالمگیر اُصول بن جاتا ہے جو سب پر حاوی ہوجاتا ہے(۱۲: ۲۵)۔ اسی الہیٰ قانون کوآنخداوند نے برضادرغبتِ خود اختیار فرمایا اوریوں انجیل مرقس کی یہ آیت آنخداوند کی زندگی او رموت کے واقعات کو سمجھنے کے لئے ایک بنیادی اصول بن جاتی ہے۔ منجئی جہان نے جو قول گتسمنی باغ میں فرمایا تھا(مرقس ۱۴: ۳۴تا ۳۶)۔ وہ آپ کی موت کے اصل مفہوم کو روشن کرتا ہے جس کی جانب آپ اپنی تمام عمر چل رہے تھے(یوحنا ۱۲: ۲۷، ۱۸: ۱۱) اوراس قول اورمکالمہ دونوں کی روشنی میں منجئی عالمین کی زندگی اورموت کا اصل مفہوم عالم وعالمیان پر روشن ہوجاتا ہے۔

مرقس کی انجیل میں ایک اور قول پایا جاتاہے جوآپ کے مخالفین کا ہے۔" میں اس مقدس کو جوہاتھ سے بنا ہے ڈھادوں گا اور تین دن میں دوسرا بناؤں گا جو ہاتھ سے نہ بنا ہو"(۱۴: ۵۸)۔ اہلِ یہود نے اس بات کو لفظی ، ظاہری اور صوری معنوں میں سمجھا لیکن انجیل نویس اورشاگرد اورانجیل کے پڑھنے والے اس کے لطیف اوراصل مفہوم کوآپ کی قیامت کے واقعہ کی روشنی میں سمجھے (۲: ۱۸تا ۲۲) یہود کے نزدیک یہ ایک الزام تھا جو سیدنا مسیح پر انہوں نے لگایا تھا لیکن اب یہ قول انجیل یوحنا کا اصل موضوع بن جاتا ہے

کہ یہودی رسوم ختم ہوجائیں گی اورباپ کی پرستش روح اور راستی سے کی جائے گی۔

انجیل یوحنا کے پانچ ابواب میں جہاں سیدنا مسیح نے اپنے شاگردوں کوخاص تعلیم دی ہے اوراُس دعا میں جو آپ نے ایمانداروں کے حق میں کی ، تین اُمورکا باربار ذکر کیا گیا ہے یعنی فرمانبرداری ، دعا اور ایذاؤں کا ہونا۔ اوریہی تین باتیں مرقس میں سیدنا مسیح کے کلمات میں پائی جاتی ہیں۔ بعلزبول والی تقریر کے بعد سیدنا مسیح فرماتے ہیں کہ جو کوئی خدا کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اورمیری بہن اورمیری ماں ہے، (۳: ۳۵)۔ لیکن انجیلِ یوحنا میں خدا کے تابع فرمان رہنا ایک مرکزی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اورسیدنا مسیح اس قول کے کہنے والے ہی نظر آتے ہیں بلکہ آپ خود فرمانبرداری کا مجمسہ بن جاتے ہیں۔ اوردنیا کو ایک بے مثل نمونہ دیتے ہیں ۔ ایسا کہ سیدنا مسیح کی فرمانبرداری کرنا خدا باپ کے تابع فرمان ہونے کے برابر ہے۔ اورآپ سے رُوتابی کرنا خدا سے بغاوت کرنے کے مترادف ہے۔ انجیلِ چہارم سیدنا مسیح کے الفاظ(۱۵: ۱تا ۱۵)۔ مرقس کے قول کی صدائے بازگشت نہیں بلکہ انجیل نویس یہ بتلانا چاہتا ہے کہ یہ تابعداری کوئی آسان رواہ نہیں ہے بلکہ ایذارسانی اورموت کا دشوارگذارراستہ ہے(۱۵: ۱۳)۔ بالفاظ دیگر حقیقی فرمانبرداری کا دوسرنام محبت ہے اورمحبت کا اصل نام دکھ اورمصیبت کو جھیلنا اور ایذاؤں کا پانا ہے اوراس فرمانبرداری کا انجام موت ہے۔ پس مرقس کا مندرجہ بالا قول سیدنا مسیح کے دیگر اقوال میں سے ایک قول نہیں رہتا بلکہ سیدنا مسیح کی زندگی اورموت کو سمجھنے کی ایک کلید ہوجاتا ہے اوراسی اُصول سے نہ صرف سیدنا مسیح کے سامعین کی بلکہ کلُ عالم وعالمیان کی عدالت کی جاتی ہے۔

پس موت اورزندگی کے توام موضوع دکھ، مصیبت اورایذا کے موضوع کو اپنے اندرشامل کرلیتے ہیں ۔مرقس ۱۳باب میں ایذا کا قول ہے (۱۳: ۱۳)۔ انجیلِ یوحنا میں اس قول کا موضوع آخری فسح کے مکالمہ کا تانا بانا ہے جس میں دنیا میں سیدنا مسیح کی اورآپ کے شاگردوں کی مخالفت ہے اوردنیا کا سردارروح القدس کا مخالف ہے اوردنیا اورحق میں تخالف کاذکر پایا جاتاہے۔ اب یہ قول ایک ہمہ گیر سیاق وسباق میں نظر آنے لگ جاتاہے(۱۵: ۲۰تا ۳۰، ۱۷: ۱۴تا ۱۸، ۱۶: ۱۳)۔ اوردکھ اور مصیبت اور ایذاوہی سارے کے سارے موضوع میں موجود ہے جوکسی ایک قول میں نہیں بلکہ دیگراقوال

سے جدا کرنا ایک ناممکن امر ہے۔ انجیل چہارم میں یہ بات ثابت کردی گئی ہے کہ حق اورباطل کی جنگ کا لازمی نتیجہ ایذا اورموت ہے(۱: ۱۰تا ۱۱) اوریہی وجہ ہے کہ اس کو سیدنا مسیح کی حقیقی شاگردی کا معیارمقررکیا گیا ہے۔

انجیلِ یوحنا میں پانچ ہزارکو کھانا کھلانا کا واقعہ انجیلِ مرقس سے اخذ کیا گیا ہے اورطرزبیان سے ظاہر ہے کہ مصنف نے مرقس کی انجیل کے دو معجزوں یعنی پانچ ہزار اور چار ہزار کو کھلانے کے بیانوں (۶: ۳۰تا ۴۴، ۸: ۱تا ۱۰) سے استفادہ حاصل کیا ہے (۶: ۱تا ۱۵)۔ مرقس میں یہ دونوں معجزات ایک دوسرے سے اور سیدنا مسیح کی زندگی کے دیگر واقعات سے جُدا کئے جاسکتے ہیں لیکن انجیل یوحنا میں یہ بات نہیں ہوسکتی کیونکہ اس انجیل میں لگے روزہی کھانے اورپینے کی اصل معانی اورمطالب کوسمجھایا گیا ہے ، جس کا تعلق انسانی زندگی اورموت سے ہے۔ انجیل نویس بتلاتا ہے کہ انسان کی بھوک کی واحد غذا سیدنا مسیح ہے جس پر ایمان لاکر ہر انسان ابدی زندگی حاصل کرسکتا ہے ۔ پس یہ مکالمہ سیدنا مسیح کی موت کی طرف اورآپ کے گوشت اورخون کے کھانے اورپینے کی طرف ہماری توجہ مبذول کرتا ہے جس کا پسِ منظر عشائے ربانی کی رسم کا تررہے اورمصنف ہم کو ۱۳تا ۱۷باب کے مکالمات میں سے لے کر سیدنا مسیح کی صلیبی موت کا نظارہ دکھلاتا ہے جس کی روشنی میں پانچ ہزار کو کھلانے کا واقعہ معنی خیز ہوجاتا ہے اورجس کے بغیر انجیلِ چہارم کے معجزے کا بیان نہ صرف اُدھورا رہ جاتا ہے بلکہ سمجھ میں ہی نہیں آسکتا(۶: ۵۲تا ۷۰)۔

ہم نے کسی قدرطوالت سے کام لیا ہے تاکہ ناظرین پر یہ امر روشن ہوجائے کہ انجیلِ چہارم کا ایک اہم ماخذ انجیل مرقس ہے اورجس طرح مقدس متی اورمقدس لوقا اس انجیل کو معتبر اوراہم سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، مقدس یوحنا بھی اس کو ویسی ہی اہمیت دے کراس کے پلان پر اپنی انجیل کا ڈھانچہ قائم کرتا ہے۔

دوم ۔ رسالہ کلمات۔ جس طرح مقدس مرقس مقدس متی اورمقدس لوقا رسالہ کلمات کا استعمال کرتے ہیں اسی طرح مقدس یوحنا بھی اس قدیم ترین رسالہ کو اپنی انجیل کا ایک ماخذ بنا کر استعمال کرتا ہے[1]۔ مثلاً کفرنحوم میں بادشاہ کے بیٹے کے شفا پانے (۴: ۴۶تا ۵۴) کا تعلق صوبہ دار کے خادم کے شفا پانے کے واقعہ سے ظاہر ہے (متی ۸: ۵تا ۱۳، لوقا ۷: ۱تا ۱۰) بالخصوص انجیلِ چہارم کی

---

[1] Ibid.pp.81-85:121-122

آیت ۴۷ کے الفاظ لوقا ۷: ۲ کے ہیں اورآیت ۵۲ کے الفاظ متی ۸: ۱۳ کے ہیں۔ آنخداوند کے یہ اقوال نہ صرف انجیل مرقس میں ہیں بلکہ رسالہ کلمات میں بھی تھے جہاں سے تینوں انجیل نویسوں نے ان کو نقل کیا تھا۔ دیکھو(یوحنا ۱۲: ۲۵، مرقس ۸: ۳۵، متی ۱۶: ۲۵، لوقا ۹: ۲۴، متی ۱۰: ۳۹، لوقا ۱۷: ۳۳، (یوحنا ۱۳: ۱۶، ۱۵: ۲۰، متی ۱۰: ۲۴ ۔ یوحنا ۱۳: ۲۰، مرقس ۹: ۳۷، متی ۱۰: ۴۰، نیزدیکھو لوقا ۱۰: ۱۶۔ متی ۲۵: ۲۰۔ یوحنا ۱۳: ۳۸۔ مرقس ۱۴: ۳۰۔ متی ۲۶: ۳۴۔ لوقا ۲۲: ۳۴) یوحنا ۱۴: ۳۱۔ مرقس ۱۴: ۴۲، متی ۲۶: ۴۶، یوحنا ۱۲: ۲۵۔ ۱۳: ۱۶تا ۲۰۔ ۱۵: ۲۰ اور۱۴: ۳۱۔ پطرس کا انکاریوحنا ۱۸: ۲۵تا ۲۶ مرقس ۱۴: ۶۹تا ۲۷ متی ۲۶: ۷۱تا ۷۵ ولوقا ۲۲: ۵۸تا ۶۲)۔

جس طرح مرقس کی انجیل کے اقوال انجیل یوحنا کے مکالمات کا مرکز ہیں۔ اسی طرح رسالہ کلمات کے اقوال بھی مکالمات کا پسِ منظر ہیں اوران مکالمات کی روشنی میں ان کے مطالب ومعانی صاف طورپر روشن ہوجاتے ہیں مثلاً یوحنا ۲: ۲۳ اور متی ۱۶: ۱۹، ۱۸: ۱۸ کا مقابلہ کرو۔ بعض الفاظ یوحنا اوررسالہ کلمات میں یکساں ہیں مثلاً یوحنا ۱: ۲۰ولوقا ۳: ۱۵۔ انجیل چہارم میں روئے سخن پطرس کی جانب ہے (۱: ۴۲، متی ۱۶: ۱۸)۔ اسی رسالہ کلمات سے آنخداوند کی حرکات وسکنات مثلاً آنکھوں کی جنبش کو لیا گیا ہے (۶: ۵، لوقا ۶: ۲۰) انجیل یوحنا کی ۱۲: ۳۱ رسالہ کلمات (لوقا ۱۰: ۱۸) سے ماخوذ ہے۔ بھیڑوں اوربکریوں کی تمثیل (جواس رسالہ میں تھی متی ۲۵باب) وہ بنیاد ہے جس پرتمام مکالمات قائم ہیں جن کا تعلق عدالت کے ساتھ ہے (۵: ۲۵تا ۲۹۔ ۸: ۵۲۔ ۱۰: ۳، ۴، ۲۶، ۲۷)۔ اورلعذرکا زندہ کرنا ان کا منتہائے کمال ہے۔ رسالہ کلمات اورانجیلِ یوحنا دونوں میں عدالت کا موضوع فریسیوں کی جماعت سے متعلق ہے (متی ۱۵: ۱۴، ویوحنا ۹: ۳۹تا ۴۱)۔ اورانجیل کا معجزہ رسالہ کلمات کے قول کا ثبوت ہے۔ رسالہ کا قول جومتی ۱۰: ۴۰ ولوقا ۱۰: ۱۶ میں مندرج ہے جس کو مرقس نے بھی نقل کیا ہے (۹: ۳۰) صاف طورپر یوحنا ۱۳: ۲۰ سے متعلق ہے،جس کا باربار ذکر کیا گیا ہے (۵: ۲۳، الخ ۱۲: ۴۴ وغیرہ)۔ اور۱۷: ۲۳ میں یہ موضوع انجیل یوحنا میں اپنے اوج کمال پرپہنچتا ہے۔

رسالہ کلمات کا ایک قول جو اناجیل میں الگ تھلگ نظر آتا ہے خاص طورپر قابلِ ذکر ہے" میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا ہے اورکوئی بیٹے کونہیں جانتا سوائے باپ کے اورکوئی باپ کونہیں جانتا سوائے بیٹے کے اوراُس کے جس پر بیٹا اُسے ظاہر

کرنا چاہیے"(متی ۱۱: ۲۷، لوقا ۱۰: ۲۲) " باپ" اور" بیٹے" کی اصطلاح انجیل مرقس میں بھی موجود ہے (۱۳: ۳۲) اوریہ قول جو اُن اناجیل میں غیر متعلق سا نظر آتا ہے درحقیت انجیلِ چہارم کا تانا بانا ہے اور اس انجیل کا اصل موضوع ہے (۳: ۳۵، ۷: ۲۹۔ ۱۰: ۱۴تا ۱۵۔ ۱۷: ۲تا ۳ وغیرہ) رسالہ کلمات میں تو یہ قول الگ تھلگ پڑا ہے لیکن اس قول کو انجیل کی خوشخبری کے بنیادی موضوع سے جُدا کرنا ایک ناممکن امر ہے ۔ اورنہ یہ قول سیاق وسباق انجیل چہارم سے جُدا کیا جاسکتا ہے ۔ خدا کے مکاشفہ کا بیٹے کے ذریعہ ظاہر ہونا، اورکلمتہ اللہ کے سامعین کا زیرِعدالت ہونا"۔ آپ پر ایمان لانے والوں کا خدا کی طرف سے نورِایمان پانا، اورخدا سے توفیق حاصل کرکے ایمان داروں کا بیٹے کو جاننا"۔ باپ اوربیٹے کے باہمی تعلق کا وجود"۔ اوربیٹے اورایمان داروں کے باہمی تعلق کا وجود"۔ بیٹے کو جاننا باپ کو جاننے کے مترادف ہونا"، اورباپ کے علم کا ابدی زندگی ہونا، وغیرہ یہ باتیں کسی ایک مقام یا مکالمہ میں ہی نہیں پائی جاتیں بلکہ تمام کی تمام انجیل میں میں جاری اور ساری ہیں۔ بالخصوص جو مکالمات ابواب ۱۳تا ۱۶ میں مندرج ہیں، اُن کا مطالعہ باربار رسالہ کلمات کے اس قول کی یاد دلاتا ہے (۱۳: ۳تا ۱۸، ۱۴: ۶، ۷، ۹۔ الخ ، ۲۰ تا ۲۴۔ ۱۵: ۱۵۔ ۱۶: ۱۵، ۲۷، ۲۸)۔ حق تو یہ ہے کہ انجیل کا ہر مکالمہ اس امر پر زوردیتا ہے کہ بیٹا باپ کا کامل اوراکمل مظہر ہے اوردونوں کا باہمی تعلق بے مثال، لاثانی اوربے نظیر ہے۔

پس جس طرح انجیلِ یوحنا مرقس کے الفاظ اوربیانات کا اصل مفہوم بیان کرکے اُن کو واضح اورروشن کردیتی ہے اُسی طرح یہ انجیل رسالہ کلمات کے پریشان اوربکھرے ہوئے اقوال میں جان ڈال دیتی ہے اوراُنکے مطالب ومعانی کو نجات کے موضوع سے متعلق کرکے اُن کو باہمدگر منسلک کردیتی ہے۔ انجیل کامصنف ان الگ الگ اقوال کو جو اس کو رسالہ کلمات سے اور دیگر ماخذوں سے دستیاب ہوئے تھے اس طورپر استعمال کرتا ہے کہ وہ اقوال یہ ظاہر کرنے کا وسیلہ بن جاتے ہیں کہ اُن سب کا سرچشمہ اورمنبع ایک ہی ہے اورکہ اُن کا رخ ایک ہی منزلِ مقصود کی جانب ہے۔ انجیل کا مصنف ان تواریخی اقوال وبیانات میں خدا کا جلال دیکھتا ہے، جس کی روشنی میں وہ منورہوجاتے ہیں۔ یہی وہ سچائی اورحقیقت ہے جو تمام رسولوں نے دیکھی اور سمجھی اوراسی کی وہ سب منادی کرتے ہیں۔(۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۱۱)۔

اب ناظرین پرظاہر ہوگیا ہوگا کہ مقدس مرقس کی انجیل میں اور رسالہ کلمات کے اُن اقوال میں جو اناجیل میں درج ہیں وہی خیالات اورتصورات موجود ہیں جو مقدس یوحنا اورمقدس پولوس کی تحریرات میں پائے جاتے ہیں اوراب علماء مغرب اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں[1]۔

سوم۔ مقدس یوحنا کا خاص ماخذ۔ سطوربالا میں ہم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انجیل دوم اورانجیل چہارم کا باہمی تعلق گہرا ہے اور انجیل چہارم کا خاکہ وہی ہے جو مرقس کا ہے اوراس کے تاریخی بیانات کا اسی خاکہ پر انحصار ہے[2]۔ اس کے علاوہ مقدس یوحنا کے پاس بہت سا خصوصی مسالہ تھا جو تحریری شکل میں تھا۔ اس تحریری ماخذ کا پتہ ہم کو انجیل کے مکالمات سے اوراُن کے موقعہ اورمحل کے مطالعہ سے ملتا ہے۔ یہ مطالعہ ہم پر ظاہر کردیتا ہے کہ ان کا نفسِ مضمون اسی قسم کا ہے جو اناجیلِ متفقہ میں سیدنا مسیح کی منادی کا ہے۔

انجیل یوحنا میں یہ مکالمات حسبِ ذیل مقامات میں درج ہیں:

(۱۔) ۳: ۱تا ۲۱، ۳۱تا ۳۶۔

(۲۔) ۶: ۲۷۔ الخ ۵: ۱۷تا ۴۷، ۷: ۱۵تا ۲۴۔

(۳۔) ۸: ۱۲تا ۲۰، ۲۱تا ۵۹

(۴۔) ۹: ۳۳تا ۴۱، ۱۰: ۱۹تا ۲۹، ۳۰تا ۳۹۔

(۵۔) ۱۲: ۲۳تا ۵۰۔

(۶۔) ۱۳: ۱۲تا ۳۲، ۱۵باب و۱۶باب ۱۳: ۲۳تا ۳۸، ۱۴باب۔

(۷۔) ۱۷باب۔

ان مقامات کا مطالعہ کرنے سے ہم پر یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ ان مکالمات کے تصورات اناجیل متفقہ میں پائے جاتے ہیں ان کے اشارات عہدِ عتیق میں بھی ہیں مثلاً پانی کا بپتسمہ اورروح القدس کا بپتسمہ نہ صرف انجیل یوحنا میں موجود ہے (۱: ۳۳)۔ بلکہ دیگر اناجیل میں بھی پایا جاتا ہے (متی ۳: ۱۱تا ۱۲۔ لوقا ۳: ۱۶۔ اعمال ۱: ۵ وغیرہ)۔ پس ہم بغیرکسی پس وپیش کے بلاتامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مکالمات فے الواقعہ آنخداوندکی زبانِ معجزبیان سے نکلے تھے۔ یہ بات بھی اس امر کا ایک مزید ثبوت ہے کہ انجیل نویس کے سامنے ایک تحریری ماخذ تھا[3] ۔ اس تحریری ماخذ کے علاوہ اس کے اپنے

[1] Ibid.p30
[2] H.H.Wendt, The Gospel According to St.John (1902) p.50

[3] Ibid.p.51.54&57

ذاتی مشاہدات اور دیگر چشمدید گواہوں کے زبانی اور تحریری بیانات بھی تھے۔(۲۱: ۲۵)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس خصوصی ماخذ میں سے انجیل نویس نے کون سے مقامات کو نقل کیا ہے اوران مقامات کی انجیل چہارم کے دیگر مقامات سے کس طرح تمیز کی جاسکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ماخذ آنخداوند کے مکالمات پر مشتمل تھا۔ پس یہ ماخذ بعینہ اسی قسم کا ہے جس قسم کا رسالہ کلمات تھا۔ اس ماخذ میں واقعات کا ذکر نہیں تھا۔ لیکن مکالمات کا " شانِ نزول" موجود تھا، یعنی ان مکالمات کے موقعہ اورمحل کا ذکر تھا۔ مثلاً ۲: ۱۹ کا موقعہ اورمحل ۲: ۱۳تا آخر میں موجود ہے۔ اس ماخذ میں نیکدیمس کے مکالمہ کا ذکر تھا(۳: ۱تا آخر)۔ سامری عورت کے ساتھ مکالمہ کا موقعہ اورمحل دیا ہوا تھا (۴: ۴تاآخر)۔ بیت حسدا کے تالاب پر سبت کے روزشفا دینے کا موقعہ اورمحل موجود تھا(۵: ۱تا آخر)۔ جنم کے اندھے سے مُلاقات(۹: ۱تاآخر)۔ لعزر کی موت کے بعد سیدنا مسیح کا بیت عنیاہ میں آنا(۱۱: ۱تاآخر) ۔ یونانیوں کا سیدنا مسیح کے دیدار کےلئے آنا (۱۲: ۲۰تا ۳۲)۔ سیدنا مسیح کا شاگردوں کے پاؤں دھونے کا موقعہ اورمحل (۱۳: ۱تاآخر) کا ذکر تھا۔ لیکن انجیل نویس کا مقصد محض یہ نہ تھا کہ ان واقعات کو بیان کرنے پر ہی قناعت کرے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یہ نہیں بتلاتا کہ ان واقعات کے نتائج کیا ہوئے مثلاً وہ یہ نہیں بتلاتا کہ نیکدیمس کے ساتھ ملاقات کا انجام کیا ہوا یاکہ یونانیوں کی آمد کا نتیجہ کیا ہوا۔ مقدس لوقا کا بھی یہی طریقہ کار تھا۔ وہ بھی جب رسالہ کلمات کا استعمال کرتا ہے تو وہ صرف موقعہ اورمحل کا ہی ذکر کرتا ہے لیکن اُن کے انجام کا ذکر نہیں کرتا[1] (لوقا ۹: ۵۷تا ۶۲ اور۱۲: ۱۳تا ۳۴ وغیرہ)۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انجیل نویس کے اس خصوصی ماخذ میں یہ مکالمات تاریخی ترتیب سے وقت کے مطابق یکے بعد دیگرے سلسلہ وار لکھے گئے تھے ۔ جو مکالمہ پہلے وقوع میں آیا وہ پہلے لکھا تھا پھر اس کے بعد دوسرا اورتیسرا ۔ لیکن انجیل نویس نے ان مکالمات کو اُن کو تاریخی ترتیب سے جُدا کرکے اپنے مقصد کے تحت آنخداوند کی سہ سالہ خدمت پر تقسیم کرکے ان مکالمات کو مختلف مقامات میں لکھا ہے۔ مثلاً ایسا معلوم ہوتاہ کہ نہ صرف ۷: ۱۵تا ۲۴۔ بلکہ ۶: ۲۷تا آخر کی بحث کا تعلق ۵: ۱ تا آخر کے ساتھ ہے اورسیدنا مسیح کے کلمات ۷: ۲۸، ۲۹، ۳۳، ۳۴، اور۷: ۳۷، ۳۸ کا تعلق اُسی مقام کے

---

[1] Ibid.pp.166-167

ساتھ ہے جس کا تعلق ۸: ۱۲تا آخر سے ہے۔ جو بحث ۱۰: ۲۴تا ۲۸ میں ہے۔ اُس کا تعلق ۹: ۴، ۵، ۵، ۳۹تا ۴۱ اور ۱۰: ۱تا ۱۸ سے ہے۔

اس ماخذ کے مطابق آنخداوند تین دفعہ یروشلیم کو گئے۔ ایک دفعہ آپ نے بیت حسدا کے تالاب پر شفا بخشی (۵: ۱تا آخر)۔ اس موقعہ کی بحث کا ذکر ۵: ۱۷تا آخر اور ۷: ۱۵تا ۲۴ اور ۶: ۲۷تا آخر میں پایا جاتا ہے ۔ دوسری دفعہ آپ عیدِ خیام کے موقعہ پر گئے جس کا ذکر ۷: ۲۵تا باب ۱۰ کے آخر تک کے مکالمات میں موجود ہے۔ تیسری دفعہ کے مکالمات کا تعلق سیدنا مسیح کے آخری ایام کے ساتھ ہے۔

علاوہ ازیں جیسا ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں ۔ اس ماخذ میں سامری عورت کے ساتھ ملاقات کرنے کا بھی ذکر تھا (۴باب) یہ ملاقات آپ کے یروشلیم کو جانے یا وہاں سے مراجعت فرمانے کے وقت ہوئی تھی۔

مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ اس ماخذ میں کسی اوربات کا ذکر نہ تھا۔ اس ماخذ کو لکھنے والے کا مقصد یہ بتلانا تھا کہ سیدنا مسیح نے باربار یہودیت کے اکابر سے یہودیت کے حصین قلعہ، یروشلیم میں گفتگو کرکے اُن کو اپنی مسیحائی اورنجات کی نسبت بتلا کر اُن پر اتمام حجت کردی تھی۔ اورکہ وہ کس طرح آپ کے جانی دشمن ہوگئے اور تب آپ نے صلیبی موت سے پہلے اپنے خاص برگزیدہ رسولوں پر دل کھول کر سب باتیں روشن کردیں اوراپنی ذات کی نسبت اُن پر کھلے لفظوں میں سب باتیں واضح کردیں[1]۔

انشاء اللہ آگے چل کر ہم باب ہفتم میں یہ ثابت کردیں گے کہ یہ ماخذ خود مقدس یوحنا نے لکھا تھا۔ اس ماخذ میں تواریخی ترتیب موجود ہے۔ کیونکہ جب کبھی حضرت ابن اللہ یروشلیم تشریف لے جاتے اورمقدس یوحنا کو آپ کی مصاحب نصیب لیتے تھے۔

چہارم ۔ صلیبی بیان کا ماخذ۔ ہم اس کتاب کے حصہ اوّل ودوم میں بتلاچکے ہیں کہ جس طرح مختلف مقامات کی کلیسیاؤں نے آنخداوند کے مبارک اقوال کو مختلف پاروں میں جمع کررکھا تھا اسی طرح صلیبی واقعہ کے مختلف بیانات بھی مختلف کلیسیاؤں میں محفوظ تھے۔ چنانچہ ہم نے بتلادیا تھا کہ مقدس لوقا کا صلیبی واقعہ کا بیان ، مقدس مرقس کی انجیل کے بیان سے جداگانہ ہے اگرچہ اس نے مرقس کے بیان سے کہیں کہیں استفادہ حاصل کیا ہے

[1] Ibid.pp.166-170

اورکہ وہ بیان ایک الگ ماخذ پر مبنی ہے۔ اسی طرح مقدس یوحنا کے صلیبی واقعہ کے بیان سے ظاہر ہے کہ اس کا ماخذ بھی الگ ہے۔اس ماخذ میں یوحنا ۱۳: ۲تا ۱۱۔ ۱۹: ۲۵تا ۲۷، ۳۱تا ۳۷ کے بیانات اور ۱۸: ۲۸ کا اہم بیان موجود تھے جو اس ماخذ کے حصے تھے[1]۔

پنجم۔ رسالہ اثبات ۔ ہم حصہ اوّل میں بتلاچکے ہیں کہ دورِ اوّلین کے اُستادوں نے اقتضائے وقت کودیکھ کر کلیسیا کے ایمان کی استقامت اوریہود کو صلیبی نجات کی بشارت دینے کی خاطر رسالہ اثبات مرتب کیا تھا جس کو پہلی تین انجیلوں کے مصنفوں نے استعمال کیا ہے۔ تاکہ دنیا پر یہ امر روشن ہوجائے کہ آنخداوند کی موت اورزندگی اُن وعدوں کی تکمیل ہے جو اسرائیل کے زندہ خدا نے اپنی برگزیدہ قوم سے کئے تھے اورہرکس وناکس پرظاہرہوجائے کہ اب خداوند کی انجیل نے موسوی شرع کی جگہ لے لی ہے۔ انجیل چہارم کے مصنف نے بھی اس رسالہ سے استفادہ حاصل کیا ہے[2]۔ چنانچہ وہ اپنے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ وہ کلام جو موسوی زمانہ میں پتھر کی الواح پر لکھا گیا تھا اب یسوع ناصری کے خون اورگوشت میں لکھا گیا ہے اورکہ شریعت تو موسیٰ کی معرفت دی گئی تھی لیکن اب فضل اور سچائی یسوع ناصری کے ذریعہ ظہور میں آئی ہے۔ پس چاروں کے چاروں انجیل نویس اس رسالہ اثبات کے ذریعہ سیدنا مسیح کی زندگی اورموت کو عہدِ عتیق کے سیاق وسباق میں نہایت مضبوطی سے قائم کردیتے ہیں اورہر انجیل نویس یہ بات ثابت کردیتا ہے کہ خدا کے اس فصل کا جو مسیح یسوع کے ذریعہ ظاہر ہوا کوئی دوسرا سیاق وسباق ہے ہی نہیں اورنہ ہوسکتا ہے۔(۱۔کرنتھیوں ۳: ۱۱)۔ ہم بتلاچکے ہیں کہ مقدس متی اورمقدس لوقا یہ ثابت کرتے ہیں کہ آنخداوند کی صلیبی موت صرف عہدِ عتیق کی روشنی میں ہی سمجھ میں آسکتی ہے اوریہی خصوصیت مقدس مرقس کی انجیل کی ہے ، جو عہدِ عتیق کے حوالوں، اشاروں اورکنایوں سے معمور ہے اور جس کے معجزات اس بات کا نشان دیتے ہیں کہ مسیح موعود، یہودیت اورقوم اسرائیل کے درمیان آگیا ہے۔ انجیل یوحنا کا مصنف اس رسالہ اثبات کو استعمال کرکے دیگر اناجیل کے ساتھ اس بات پر اتفاق کرتا ہے کہ آنخداوند کی زندگی اورموت ایک ایسا الہیٰ فضل تھا، جو اہل یہود کی تاریخ میں اُن کے خدا نے خود اپنی قدرت کاملہ سے ظاہر کیا تطا۔ اورکہ یہ الہیٰ فعل صرف تب ہی آسکتا ہے ۔ جب انبیائے سابقین کے الفاظ کے سیاق وسباق کو نگاہ میں رکھاجائے۔

---

[1] Vincent Taylor Formation of Gospel Tradtion (1933) pp.50-55
[2] Hoskyns & Davey,Riddie of N.T.pp.88,97,101,109,143,175,177

پس تمام اناجیل متفقہ طورپر اس فعل کا یہ نتیجہ بتلاتی ہیں کہ ایمان دارگناہ اوربدی کی قید سےآزاد ہوکر اوراس سے نجات حاصل کرکے خدا کی مرضی کو پورا کرسکتے ہیں۔ رسالہ اثبات کی طفیل چاروں اناجیل کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدنا مسیح کی زندگی اورموت عہدِ عتیق کے تاروپود اورتانے بانے سے بنی ہے۔ اوریہ وحدت ثابت کرتی ہے کہ اناجیل تواریخی بنیاد پر قائم ہیں اورایک انجیل کو دوسری کے خلاف سمجھنا ایک زبردست اورناممکن امر ہے۔

انجیلِ چہارم کے مکالمات میں آنخداوند عہدِ عتیق کو اُسی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو دیگر اناجیل میں ہے اوریہ رسالہ اثبات کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ یوحنا ۴: ۲۲، ۱۰: ۳۵ میں آنخداوند ان کتُب کی سند کو تسلیم کرتے ہیں اور۶: ۴۵، ۷: ۲۲، ۱۰: ۳۴تاآخر میں بتلاتے ہیں کہ ان کتب میں آپ کی جانب اشارات بھی موجود ہیں۔ لیکن آپ ان کتُب کو فریسیوں کی سی نگاہ سے نہیں دیکھتے (۴: ۲۱تا ۲۴) اوریہی خصوصیت مرقس کی انجیل کی ہے(۲: ۲۵تا ۲۸۔ ۶: ۱۵تا ۲۳)۔ جس طرح مرقس میں منجئی عالمین کی صلیبی موت کو بنی آدم کی نجات سے متعلق کہا گیا ہے (مرقس ۱۰: ۴۵۔ ۱۴: ۲۴ وغیرہ)۔ اُسی طرح مقدس یوحنا دونوں میں باہمی تعلق کا ذکر کرتا ہے (۱۰: ۱ تا ۱۸، ۱۴: ۱۲تا ۱۷، ۱۶: ۷۔ ۱۷: ۱۹ وغیرہ)۔ اورجس طرح مرقس میں یسعیاہ ۵۳باب کو سیدنا مسیح کی صلیبی موت کی نبوت تسلیم کیا گیا ہے(مرقس ۱۰: ۴۵، ۱۴: ۲۴ وغیرہ) اسی طرح مقدس یوحنا اس نُکتہ کو رسالہ اثبات سے لیتا ہے (۱: ۲۹تا ۳۶)۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ یہی تعلیم مقدس پولوس دیتے ہیں (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۳)۔

(۴۔)

مقدس یوحنا کی انجیل دورِاوّلین کے " استادوں" اورمسیحی ربیوں کے گروہ کے نکتہ نگاہ کو نہایت وضاحت سے ظاہر کردیتی ہے کیونکہ مصنف خود ان میں سے ایک تھا۔ اس انجیل سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اُستاد مصنف کی طرح تورات سے بخوبی واقف تھے بلکہ یہ امر بھی واضح ہوجاتا ہے کہ وہ اس کو بے تعلقی کی نگاہ سے غیر جانبدار ہوکر دیکھتے تھے(۸: ۱۷)۔ گویا کہ وہ خود اس نظام سے الگ تھے، جن باتوں کی یہودی ربی تورات سے منسوب کرتے تھے۔ مثلاً سچائی ، فضل ، ابدی زندگی وغیرہ اس انجیل کا مصنف انہی باتوں کو آنخداوند کی ذات سے متعلق کرتا ہے(۱: ۱۷، ۵: ۳۹، ۶: ۶۳) تورات کا مجسم کلام کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے۔ (۴: ۱۲تا ۱۴۔ ۲: ۶تا ۱۰) تورات کے الفاظ زندگی ، زندگی کا پانی او رپاکیزگی کا سرچشمہ

تصور کئے جاتے تھے۔ موسیٰ کے من کا حقیقی روٹی کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے (۶: ۳۲) مے کو تورات کا ظاہری نشان سمجھا جاتا تھا۔ یہ انجیل نویس تورات کو ادنیٰ مے اور سیدنا مسیح کو اعلیٰ مے تصور کرتا ہے۔(۲: ۱۰) کیونکہ مجسم کلمہ ہی حقیقی انگور ہے(۱۵: ۱) عبرانیوں کے خط کے مصنف کی طرح (جو اس گروہ میں سے تھا)، یہ انجیل نویس بھی یہودی رسوم وغیرہ کو اصلی اور آسمانی حقائق کا پرتو اورسایہ خیال کرتا ہے۔ تورات کو یہودی ربی تیل اوردنیا کا نور تصور کرتے تھے لیکن یہ انجیل نویس بتلاتا ہے کہ صرف کلمہ ہی حقیقی نور ہے ۔ ربیوں کا عقیدہ تھا کہ تورات دنیا کی پیدائش سے پہلے موجود تھی ۔ لیکن انجیل نویس بتلاتا ہے کہ عالم کے وجود میں آنے سے پہلے کلام تھا۔ علیٰ ہذا القیاس جو جوباتیں اس انجیل کے دیباچہ میں کلام کی جانب منسوب کی گئی ہیں اُن سب کو یہودی ربی تورات کی جانب منسوب کیا کرتے تھے مثلاً یہ کہ تورات خدا کی گود میں تھی۔ خدا تورات سے خوش تھا۔ تورات خدا کی بیٹی تھی۔ تورات کے ذریعہ خلقت پیدا ہوئی ۔ تورات زندگی ہے۔ تورات نور ہے۔ تورات سے انسان خدا کے بیٹے بن جاتے ہیں۔ انجیل نویس کا مقصد یہ ہے کہ سیدنا مسیح میں درحقیقت وہ سب کچھ بطرزِ احسن موجود ہے جس کا تورات کی نسبت محض بے دلیل دعویٰ ہی کیا جاتا ہے اورکہ منجئی جہان وہ سب کچھ عطا کرتا ہے جو یہودی ربی دعویٰ کرتے ہیں کہ تورات دیتی ہے لیکن درحقیقت دے نہیں سکتی۔ صرف کلمتہ اللہ ہی خدا کا حقیقی علم اورمکاشفہ عطا کرتا ہے[1]۔

اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ مقدس یوحنا نے اس انجیل میں نہ صرف اُن باتوں اورمکالموں کو بیان کیا ہے جو اُس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھے اوراپنے کانوں سے سنے تھے(۱۔یوحنا۱:۱)۔بلکہ دورِاوّلین کے رسالوں اوراُس زمانہ سے بھی پہلے کے رسالوں کو اپنا ماخذ بنایا ہے جس سے انجیل کی قدامت اوراس کا پایہ اعتبار ثابت ہوتا ہے ۔ مصنف نے رسالہ کلماتِ خداوندی کو استعمال کیا جو حضرت کلمتہ اللہ کی حین حیات میں ہی لکھا گیا تھا۔ اُس نے قدیم ترین انجیل کو اپنا ماخذ بنایا اورجو سیدنا مسیح کی صلیبی موت کے صرف دس سال بعد لکھی گئی تھی اورجس میں اُس سے بھی زیادہ قدیم زمانہ کے ماخذ استعمال کئے گئے تھے۔ اُس نے دورِاوّلین کے رسالہ اثباتِ مسیح موعود کو استعمال کیا اوران کے علاوہ اس نے اپنے روزنامچہ کو اپنی نگاہ میں رکھا۔ انشاء اللہ ہم باب ہفتم میں

---

[1] C.H.Dodd,Interpretation of the Fourth Gospel pp.80-86

بتائینگے کہ جب حضرت کلمتہ اللہ یروشلیم جاتے تو مقدس یوحنا اُن ایام کے واقعات اورمکالمات کوایک روزنامچہ کی صورت میں قلمبند کرلیتے تھے۔

باب سوم

انجیل چہارم اورانا جیل متفقہ

ہم نے گذشتہ باب میں ثابت کیا ہے کہ مقدس یوحنا نے مرقس کی انجیل کو بطورایک ماخذ کے استعمال کیا ہے اوربالعموم اُس کی انجیل کا ڈھانچہ انجیل مرقس کے خاکہ پر قائم ہے۔ وہ اُسی انجیل کا اتباع کرتا ہے اوراس کے واقعات میں تفاصیل کا ایزاد کرکے اُس کے بیانات کو مکمل کرتا ہے[1]۔ انجیل کا مطالعہ صاف ثابت کردیتا ہے کہ مقدس یوحنا انجیلِ اوّل سے واقف نہ تھا اورتقریباً تمام علماء اس نتیجہ پر متفق ہیں۔

چنانچہ سٹریٹر کہتا ہے کہ " جو ثبوت اس بات کے لئے پیش کئے جاتے ہیں کہ مقدس یوحنا متی کی انجیل سے واقف تھا وہ نہایت ناکافی ہیں"۔ حق تو یہ ہے کہ یہ دونوں انجیلیں ایک دوسرے سے کلیتہً مختلف ہیں اوران دونوں کے الفاظ اورتعلیم میں عظیم فرق ہے[2]۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ مقدس یوحنا انجیل سوم سے واقف تھا

[1] A.C.Headlam, The Fourth Gospel as History, See Exp.Times Nov.1948
[2] Journal of Theaological Studies April 1953

اوراُس نے اس انجیل کا استعمال بھی کیا ہے[1]۔ لیکن ہاسکنس کی تحقیق درست ہے جو کہتا ہے[2]" یہ بات اغلب نہیں ہے کہ انجیل یوحنا کے مصنف کے سامنے لکھتے وقت پہلی تین انجیلیں موجود تھیں لیکن وہ اُن زبانی اورتحریری بیانات سے واقف تھا جو اُن اناجیل کے ماخذ ہیں اوراُن میں درج ہیں اوروہ یہ بات فرض کرلیتا ہے کہ اُس کے پڑھنے والے بھی ان بیانوں سے واقف ہیں اورکہ وہ باتیں نہ صرف اُن کے دماغوں میں ہیں بلکہ اُن کے دلوں میں بھی بستی ہیں پس وہ اُن بیانات میں سے بعض کو اپنے مکالمات اوربیانات کا مرکز بناتا ہے جن کے گرد اُس کے خیالات گھومتے ہیں اوروہ باربار اُن بیانات کے الفاظ وغیرہ کی جانب اشارہ کرتاہے، جنہوں نے بعد میں ان انجیلیوں میں جگہ حاصل کرلی۔مصنف اس بات کو فرض کرلیتا ہے کہ اُس کے پڑھنے والے ان اشاروں کو سمجھ جائینگے کیونکہ وہ بیانات قدیم تھے جن کا ایمان داروں کو علم تھا۔ یہ بیانات ابھی منتشر پاروں اورٹکڑوں میں اورزبانی بیانات میں ہی محفوظ تھے"۔ یہ نتائج نہایت اہم ہیں کیونکہ ان کا تعلق انجیل چہارم کی تاریخِ تصنیف کے ساتھ ہے۔ ہم انشاء اللہ آگے چل کراس پر بحث کریں گے۔

(۲)

جب اہم اناجیلِ متفقہ اورانجیل چہارم کو سطحی طورپر پڑھتے ہیں تو ہم کو اُن میں فوراً دکھائی دیتا ہے اورایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم گویا ایک اور قسم کی فضامیں سانس لیتے ہیں۔ چنانچہ پہلی تین انجیلوں میں اورانجیل چہارم میں ذیل کے فرق نمایاں ہیں:

(۱۔) انجیل مرقس میں صرف سیدنا مسیح کے اُس کام کاذکر ہے جوآپ نے صوبہ گلیل میں کیا۔ باقی دونوں انجیلیوں کا بھی یہی حال ہے۔ اسی واسطے ان کو" اناجیل متفقہ" کا نام دیا گیا ہے۔ انجیل مرقس میں آنخداوند کے اُس کام اورخدمت کا (آخری ہفتہ کے سوائے) کوئی ذکرنہیں پایا جاتا جوآپ نے یروشلیم میں کا۔ اگرصرف یہی انجیل ہوتی تو ہم کو یہ کبھی پتہ نہ لگ سکتا کہ اپنی زندگی کے آخری ہفتہ سے پہلے آنخداوند نے کبھی یروشلیم کی طرف رخ بھی کیا تھا۔باقی دونوں انجیل نویسوں کے ماخذوں سے جو وہ اپنی انجیلیوں میں استعمال کرتے ہیں یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کئی مرتبہ یروشلیم گئے تھے اوریہ بات درست بھی نظرآتی ہے کہ آپ یہودی رسم کے مطابق

---

[1] J.M.Creed, The Gospel according to St. Luke (1930) pp.318-321 Filson Origin of the Gospels p.189

[2] Hoskyns Fourth Gospel p.87

بڑی عیدوں پر ضرور یروشلیم گئے ہوں گے۔ یہ بات بھی اغلب نہیں کہ آپ نے گلیل کے دُور افتادہ لوگوں کو تو اپنی نجات کا مژدہ دیا ہو لیکن یہودیت کے مرکز اور قوم کے قائدین او رعلماء کے سامنے اپنے مسیحائی کے دعویٰ کا اعلان نہ کیا ہو۔ انجیل چہارم کے مطابق ہر تہوار اورعید کے موقعہ پر سیدنا مسیح اہلِ یہود کو یروشلیم میں اپنے پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں اور باوجود اس کے کہ آپ کے دعاوی کو رد کیا جاتا ہے آپ اپنے مصمم ارادہ سے نہیں ٹلتے، حتیٰ کہ آپ اس کوشش میں اپنی جان بھی دے دیتے ہیں ۔ علاوہ بریں تاریخی طورپر یہ بات تسلیم کرنے کے قابل بھی ہے۔ باقی اناجیل صرف ایک یاترا کا حال بتلاتے ہیں، جو آپ کے آخری ایام سے متعلق ہے۔ لیکن مقدس یوحنا بتلاتا ہے کہ آپ کی خدمت کے دوران میں فسح کی تین عیدیں یروشلیم میں واقع ہوئیں۔ پہلی دفعہ جب آپ نے اپنی خدمت شروع کی۔ دوسری بارخدمت کے دوران میں اورتیسری بارخدمت کے آخر میں آپ یروشلیم اتمام حجت کی خاطر گئے۔ ان کے علاوہ ایک اورعید کا ذکر ہے جس کا نام بتلایا نہیں گیا (۵: ۱) جب آپ یروشلیم میں گئے تھے (۷: ۲، ۱۰) میں عیدِ خیام کا ذکر ہے اور ۱۰: ۲۲ میں عیدِ تجدید کا ذکر ہے اوردونوں دفعہ آپ یروشلیم گئے تھے تاکہ تمام اہلِ یہود کو آپ کا جانفزا پیغام مل جائے۔

پس انجیلِ چہارم میں اس خدمت اورکام کا ذکر کیا گیا ہے جو آنخداوند نے یروشلیم میں کیا۔ اس انجیل کے مقامات یہودیہ کے صوبہ میں ہیں۔ اس انجیل نویس کو عہدِ عتیق کے انبیاء کی کتابوں کے وہ مقامات نظر آتے ہیں جن میں صیون میں خدا کے پیغام کا ذکر ہے (عاموس ۱: ۲، یوایل ۳: ۱۶ مقابلہ کرویرمیاہ ۲: ۳۰، یسعیاہ ۲: ۳، میکاہ ۴: ۲، یسعیاہ ۴۹: ۲۰ مقابلہ کرورومیوں ۱۱: ۱۶، یسعیاہ ۳۳: ۵، ۵۱: ۳، ملاکی ۳: ۱ وغیرہ) ۔ انبیائے سلف کی کُتُب کے یہ مقامات نہ صرف اُن جگہوں کا جو اس انجیل میں مذکورہیں، پس منظر ہیں بلکہ ان مقامات کے الفاظ تک اس انجیل میں باربارآتے ہیں[1]۔ مثلاً "کلام"، "آواز"، "عدالت"، "ڈھونڈو"۔ تسلی دینے والا"۔ وغیرہ۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ اگرچہ اناجیل متفقہ میں ارضِ مقدس کنعان کے جنوبی حصہ کا بہت کم ذکر ہے تاہم اس نے آنخداوند کی زندگی میں ایک نہایت حسرتناک پارٹ ادا کیا ہے۔ وہاں آپ کی یوحنا بپتسمہ دینے والے سے ملاقات ہوئی ۔ وہیں آپ نے بدی کی طاقتوں

[1] Ibid.pp.63-64

کے سردار ابلیس سے جنگ کی۔ وہاں آپ نے کاہنوں، فقیہوں اور فریسیوں کودیکھا جو علم کے ذریعہ سے آراستہ تھے لیکن جن کے اعمال نامے سیاہ تھے۔ یروشلیم کے شہر نے آپ کے اس خیال کو کہ قومِ یہود آپ کے پیغام کو قبول کرلے گی، غلط ثابت کردیا اورآپ کو یرمیاہ نبی کی طرح شریعت اورہیکل کی نسبت اپنا زاویہ نگاہ بدلنا پڑا۔ اورآپ کو یہ احساس ہواکہ مسیح موعود کے لئے ضرور ہے کہ سب کچھ جو موجودہ دورمیں ہے ، ختم کرکے ایک نیا دورشروع کردے۔ جس سے پہلے آپ کی جوانا مرگ لازمی بات ہوگی اورپھر آپ جلال کے ساتھ اس نئے دورکی بناء ڈالینگے[1]۔

(۲۔) پہلی تین اناجیل کے حساب کے مطابق آپ نے اس دنیا میں فقط ایک سال کا کام کیا جس کے آخر میں آپ عیدِ فسح کے لئے یروشلیم گئے لیکن انجیل چہارم کے حساب کے مطابق آنخداوند کی خدمت کا زمانہ کم ازکم دو اورتین سال کے درمیان کا زمانہ ہے ۔ کیونکہ اس میں یروشلیم کو عیدِ فسح کے موقعہ پر جانے کا تین بار ذکرآیا ہے(۲: ۱۳،۶: ۴، ۱۳:۱)۔

(۳۔) پہلی تین انجیلیوں میں آنخداوند اپنی مسیحائی کا اعلان نہیں کرتے بلکہ آپ کے شاگردآپ کی صحبت سے فیضیاب ہوکرخود اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آپ اہلِ یہود کے مسیح موعود ہیں(متی ۱۶: ۱۳، ۱۷، مرقس ۸: ۲۷تا ۲۹، لوقا ۹: ۱۸تا ۲۰) لیکن انجیل یوحنا میں یہ اعلان ابتدا ہی میں کیا جاتا ہے(۴: ۲۶۔ ۹: ۳۵تا ۳۷۔ ۱: ۴۵ وغیرہ)۔

(۴۔) اناجیلِ متفقہ میں حضرت کلمتہ اللہ کی منادی اور تقریروں کا طرزِانجیل چہارم سے جداگانہ ہے۔ آپ ان اناجیل میں تمثیلوں کے ذریعہ تعلیم دیتے ہیں۔ (مرقس ۴: ۳۴)۔ لیکن انجیل چہارم میں تمثیلوں سے کام نہیں لیا گیا بلکہ آپ کی تعلیم کا پیرایہ مجازی ہے۔ دیگر اناجیل میں مختصر، سادہ، دلکش اورجاذب توجہ فقرے موجود ہیں اوروہ ایسے ہیں کہ اگر انسان ان کو ایک دفعہ سن لے تو وہ ان تازیست نہیں بھول سکتا۔ بقول جسٹن شہیدان اناجیل میں آپ کا کلام" مختصر اورپُرمغز جملوں ، پر مشتمل ہے[2] ۔ لیکن انجیل چہارم میں آپ کے خطبات اورمکالمات طولا نی قسم کے ہیں جن کا تعلق آپ کی ذاتِ بابرکات سے ہے اورجو یہ ثابت کرتے ہیں کہ

[1] Ibid. p.20

[2] Justin. Apology.1:14

آپ خدا کے مظہر ہیں۔ اس نکتہ کو مثالیہ اورمجازیہ پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس انجیل میں جابجا آپ کے دعوے پائے جاتے ہیں جن میں بتلایا گیا ہے کہ " زندگی کی روٹی میں ہوں"۔ " دنیا کا نورمیں ہوں"۔ بھیڑوں کا دروازہ میں"۔ اچھا چرواہا ہوں"، راہ، حق اورزندگی میں ہوں" وغیرہ لیکن اناجیلِ متفقہ میں اس قسم کے اقوال نہیں ملتے ان میں حضرت کلمتہ اللہ اپنی روحانی تعلیم کو ایک صاحبِ اختیارمعلم کے طورپردیتے ہیں۔

(۵۔) اناجیلِ متفقہ میں ہر جگہ" خدا کی بادشاہت" کا موضوع پایا جاتا ہے لیکن انجیلِ چہارم میں یہ موضوع نہیں ملتا۔ بلکہ لفظ" خوشخبری" یا " انجیل" اس میں کہیں وارد بھی نہیں ہوا۔ بادشاہت کے موضوع کا ذکر صرف ضمنی طورپر دو مقامات میں آیا ہے(۳: ۳تا ۵، ۱۸: ۳۶)۔ اس انجیل میں اس موضوع کی جگہ آنخداوند کے دعوؤں (میں ہوں) اور" ابن اللہ" کے تصورنے لے لی ہے۔ اس انجیل میں توبہ کا موضوع بھی نہیں پایا جاتا ، جس پر دوسری انجیلوں میں زوردیا گیا ہے۔ بلکہ اس میں الفاظ" توبہ" یا" توبہ کرنا" واردنہیں ہوئے۔ اس انجیل میں " جسم اورروح" ، " موت اور زندگی" ،" نوراورتاریکی" ،" خداوند اور دنیا" ، " ایمان داروں اوربے ایمانوں" کے تصورات موجود ہیں۔ اس میں سیدنا مسیح کا " محصول لینے والوں اورگنہگاروں" کے ساتھ صحبت رکھنے کا ذکرنہیں ہے۔ دولت اورغریبی کا موضوع بھی نہیں پایا جاتا اورنہ سیدنا مسیح کا بچوں کو پیارکرنے کا ذکر ہے۔ اس انجیل میں بدروحوں کو نکالنے اورکوڑھیوں کو شفا بخشنے کی قسم کے معجزات کاذکرنہیں ملتا۔ اس میں جن معجزات کا ذکر ہے وہ اُس طرح بیان نہیں کئے گئے جس طرح دیگر انجیل نویسوں نے بیان کئے ہیں بلکہ وہ آیاتِ اللہ ہیں جو حق کا نشان دیتی ہیں اورانجیل کے اصل موضوع سے متعلق ہیں۔

(٦۔) چاروں انجیلوں کے مطابق آنخداوند کو جمعہ کے روز مصلوب کیا گیا۔ لیکن پہلی تین اناجیل کے مطابق آپ کو ۱۵ نیسان کے روز مصلوب کیا گیا جو عید کے سات دنوں کا پہلا روزہ تھا یعنی فسح کے اگلے دن (مرقس ۱۴: ۱۲۔ ۱۵: ۱ وغیرہ)۔ لیکن مقد س یوحنا کے بیان کے مطابق یہ دن ۱۴نیسان کا تھا جس روزبعد ازدوپہر فسح کا برہ ذبح کیا جاتا تھا تاکہ اسی شام غروبِ آفتاب کے بعد کھایا جائے۔(۱۳: ۱تا ۲۹۔ ۱۸: ۲۸۔ ۱۹: ۱۴، ۳۱، ۴۲) پس ان اناجیل کے مطابق سیدنا مسیح نے اپنے شاگردوں کے ساتھ فسح سے پہلی شام کھایا تھا اورجب اس کے ۲۴ گھنٹے بعد یہودی عید فسح کا کھانا کھارہے تھے تب سیدنا

مسیح قربان ہوچکے تھے۔ اس امر میں یوحنا کی انجیل کی تاریخ دُرست معلوم ہوتی ہے ۔ کیونکہ سیدنا مسیح کی گرفتاری کا واقعہ، صدرعدالت کے سامنے پیشی ، خوشبودار اشیاء کی خریدوفروخت اورسیدنا مسیح کے مصلوب ہونے کا واقعہ، عیدِ فسح کی مقدس ترین ساعتوں میں ناممکن باتیں ہیں[1]۔

لیکن اگر ہم آرچ ڈیکن بکلے کے نظریہ کو تسلیم کرلیں جس کا ذکر ہم حصہ دوم کے باب اوّل میں کرآئے ہیں کہ مقدس مرقس کے بیان میں دو مختلف ماخذ ہیں اورکہ اگراُن کو جدا کیا جائے تو مرقس ۱۴: ۱۷ کے الفاظ " جب شام ہوئی " سے مراد اُس دن کی شام ہے جس کا ذکر پہلی آیت میں ہے، جہاں لکھا ہے کہ" دودن کے بعد عیدِ فطیر ہونے والی تھی"۔ یوں یہ تاریخ بعینہ وہی ہوجاتی ہے جو مقدس یوحنا کی ہے ۔ مقدس لوقا (۲۲: ۱۵) کے الفاظ سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ آنخداوند کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی تھی۔ اس طرح مقدس یوحنا اورمقدس مرقس کے بیانات میں تناقض یا تضاد مٹ جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ غور ہے کہ مقدس یوحنا کے مطابق آخری فسح کا کھانا اورصلیبی واقعہ اورسیدنا مسیح کا دفن کیا جانا ، ۱۴نیسان کے روزعمل میں آئے جس کو " فسح کی تیاری کا دن" کہا جاتا تھا۔ مقدس مرقس کے مطابق یہ واقعات ۱۵ نیسان کو ہوئے جو عیدِ فسح کا دن تھا اورجس کو" بے خمیری روٹی کا پہلا دن" کہا جاتا تھا۔ لیکن یہ بات غورطلب ہے کہ دونوں بیانات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ دن سبت سے پہلے تھا۔ مرقس ۱۴: ۱تا ۲ سے ظاہر ہے کہ یہ ماخذ یوحنا کی انجیل کی تاریخ سے اتفاق کرتا ہے۔ مقدس لوقا کا ماخذ (۲۲: ۱۴تا ۳۸)۔ بھی اس سے اتفاق کرتا ہے چنانچہ آیت ۱۵ میں آنخداوند فرماتے ہیں " مجھے بڑی آرزو تھی کہ دکھ سہنے سے پہلے یہ فسح تمہارے ساتھ کھاؤں لیکن (اب) اسے نہ کھاسکونگا"۔ یہ الفاظ مقدس یوحنا کے بیان کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنخداوند ۱۴نیسان کے روزمصلوب ہوئے تھے جب شام کے فسح کے کھانے کے لئے برے ذبح کئے جاتے تھے۔اُسی شام ۱۵تاریخ کا شروع ہونا تھا،کیونکہ اہلِ یہود دن کو سورج کے طلوع سے نہیں بلکہ غروب سے شمارکرتے تھے۔(پیدائش ۱: ۵تا ۸ وغیرہ)۔ پس آنخداوند کا آخری کھانا فسح کا کھانا نہ تھا بلکہ فسح کے کھانے سے ایک شام پہلے کا کھانا

---

[1]Macgregor, St.John pp.X11.X111

تھا۔ یعنی وہ ۱۴نیسان کی شام کا کھانا تھا۔ وہ " فسح کی تیاری کا دن تھا"۔ (یوحنا ۱۹: ۱۴)۔ جب فسح کی تقدیس کی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں لوقا ۲۲: ۳۸ سے بھی ظاہر ہے کہ سیدنا مسیح کا آخری کھانا فسح کے کھانے سے پہلے کا تھا کیونکہ تہواروں کے روز اہلِ یہود کو تلوار لگانا منع تھا۔

اناجیلِ اربعہ کا غائر مطالعہ ظاہر کردیتا ہے کہ مذکورہ بالا تمام اختلافات سطحی ہیں۔ جب ہم اس حقیقت کو مدِ نظر رکھتے ہیں کہ مقدس یوحنا کے سامنے صرف مقدس مرقس کی انجیل تھی جس میں صرف اُس کام اور خدمت کا ذکر کیا گیا تھا، جو حضرت کلمتہ اللہ نے گلیل کے صُوبہ میں سر انجام دی تھی اورکہ مقدس یوحنا نے اپنی انجیل میں قریب قریب صرف اُسی خدمت اورکام کا ذکر کیا ہے جو آپ نے یہودیت کے گڑھ اورمقدس شہر یروشلیم میں کیا تھا تو ہم پر یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ انجیل چہارم انجیل دوم کے بیانات کی تکمیل کرتی ہے اوریوں دونوں انجیلیں مل کر آنخداوند کے تمام ضروری اوراہم سوانح حیات کا تذکرہ کرتی ہیں ۔ مثلاً ایک مقام میں ظاہر ہے کہ مقدس یوحنا مقدس مرقس کی کمی کو پورا کرتا ہے۔ چنانچہ مرقس کی انجیل میں ہے " پھر یوحنا (بپتسمہ دینے والے) کے پکڑوائے جانے کے بعد یسوع (عیسیٰ) نے گلیل میں آکر خدا کی خوشخبری کی منادی کی "(۱: ۱۴)۔ اسی کو مقدس متی نے بھی نقل کیا ہے (۴: ۱۲تا ۱۷)۔ مقدس یوحنا بتلاتے ہیں کہ سیدنا مسیح نے اس واقعہ سے بہت پہلے یہودیہ میں منادی کرنی شروع کردی تھی۔ آنخداوند کی زندگی کے واقعات غیر مکمل تھے۔ اس انجیل کی کمی کو بعد کے زمانہ میں مقدس متی اورمقدس لوقا نے دیگر ماخذوں کے ذریعہ اپنے اپنے مقصد اورنکتہ نگاہ سے پورا کیا لیکن اس پر بھی ان اناجیل میں اتنے کم واقعات درج ہیں کہ وہ صرف چالیس مختلف دنوں کے ہی ہیں اوران کے مطابق آنخداوند کی خدمت فقط قریباً چارسودنوں پر ہی مشتمل ہوتی ہے۔انجیلِ دوم میں یروشلیم کے اُن واقعات کا ذکر نہیں تھا جو انجیل چہارم کے مصنف کو معلوم تھے۔ پس انجیل چہارم کے بیانات انجیل دوم کے نقیض نہیں ہیں بلکہ اُن کو مکمل کرنے والے ہیں۔

اس حقیقت کی روشنی میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ مقدس مرقس نے کیوں ان واقعات کا ذکر نہیں کیا جو یروشلیم میں وقوع پذیر ہوئے اورکیوں مقدس یوحنا نے اُن واقعات کا ذکر نہیں کیا جو صوبہ گلیل میں رونما ہوئے تھے۔ جیسا ہم حصہ دوم کے باب چہارم میں

بلاچکے ہیں۔ کسی انجیل نویس کا مقصد یہ نہ تھاکہ آنخداوند کی مکمل سوانح عمری لکھے۔ پس ہر انجیل نویس نے صرف چند واقعات کا ہی ذکر کیا ہے جن کا اُنہوں نے بے شمار تحریری ماخذوں اوربیانوں میں سے اپنے مطلب کے مطابق انتخاب کیا (لوقا ۱: ۱تا ۳۔ یوحنا ۲۰: ۳۰، اعمال ۱۰: ۴۰،ویوحنا ۲۱: ۳۵)اورباقی مسالہ کو نظر اندازکردیا۔

پس یہ اختلاف قدرتی ہیں مثلاً یہ ایک قدرتی بات ہے کہ آنخداوند گلیل کے دورُافتادہ صوبہ کے دہقانوں کو تمثیلوں میں تعلیم دیں اورمختصر اورپُرمغز،دلکش اورسادہ فقروں میں اُن پر خدا کی ازلی محبت منکشف کریں لیکن جب آپ یروشلیم میں یہودی ، ربیوں اوریہودیت کے اُستادوں اوردینیات کے ماہروں سے بات کریں توآپ سیدھے سادے، جاذب توجہ مختصر جملوں کی بجائے طویل مکالموں اوردینیات کی اصطلاحوں سے کام لیں۔ اس موضوع پرہم انشا ء اللہ اگلے حصہ میں مفصل بحث کرکے بتلائیں گے کہ جب حضرت کلمتہ اللہ اہل یہود کے ربیوں سے بحث کرتے ہیں تواُنہی کی سی اصطلاحات اورمناظرانہ طریقے استعمال کرتے ہیں۔ گلیل کی طرح یروشلیم میں بھی سیدنا مسیح ہجموں سے گھرے رہتے ہیں ، لیکن یہ ہجوم بھی گلیل کے سے ہجوم نہیں بلکہ وہ غوروخوض کرنے والے ہجوم ہیں جو اس قسم کے سوالات پوچھتے ہیں کہ کیا" یہی تومسیح موعود" نہیں ، " کیا مسیح جب آئے گا تو اُن سے زیادہ معجزے دکھائے گا" (۷: ۳۱)۔ پس قدرتی طورپر آنخداوند کا طریقہ خطاب اور طرزِ تعلیم مختلف ہے۔ کیونکہ جیسا مقدس مرقس بتلاتا ہے ، سیدنا مسیح کا یہ دستور تھاکہ آپ سامعین ، کی سمجھ کے مطابق اُن سے کلام "کیا کرتے تھے (۴: ۳۳)۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کو یروشلیم اورجنوبی کنعان میں بھی صوبہ گلیل کی ذہنیت کے انسان ملتے تھے توآپ اُن کو بھی تمثیلوں میں اپنا پیغام دیتے تھے (۱۰: ۶، ۱۶: ۲۵)۔ جس طرح گلیل کے دہقانوں کوآپ تمثیلوں میں تعلیم دیتے تھے (مرقس ۴: ۳۳تا ۳۴) ۔ بلکہ ان متفقہ اناجیل کی تمثیلوں میں بھی فرق ہے۔ مرقس اورمتی کی تمثیلیں ایک سی نہیں ہیں۔ اور ان اناجیل کی تمثیلیں لوقا کی سی نہیں۔ لیکن ہم یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ چونکہ مسرف بیٹے کی تمثیل متی اورمرقس کی انجیلوں میں نہیں ہے لہذا وہ سیدنا مسیح کے منہ نے فرمائی ہے! یہ انجیل نویس تمثیلوں کو استعمال نہ کرنے کا سبب بھی بتلادیتا ہے(۱۴: ۲۵)۔ پس ظاہر ہے کہ انجیل چہارم اوراناجیلِ متفقہ کے بیانات ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ مقدس یوحنا چند واقعات کا

انتخاب کرکے اپنے خصوصی نکتہ نظر سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یسوع ناصری مسیح موعود ابنِ خدا ہے جو ازل سے خدا کے ساتھ ہے اوراس کلمہ ہے۔ پس یہ اختلافات قدرتی ہیں اورانجیل نویس کے مختلف مقاصد کی وجہ سے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے نقیض نہیں ہیں۔

(۳)

یہ امر قابلِ غور ہے کہ انجیل چہارم کے ان حصوں میں جو بیانات پر مشتمل ہیں وہ سیدنا مسیح کی وہی تصویر نظر آتی ہے جو اناجیل متفقہ میں ہے۔ یہ اناجیل کی صحت وپایہ اعتبارکی زبردست دلیل ہے۔اناجیل اربعہ کا ان باتوں پر اتفاق ہے کہ سیدنامسیح ایک استاد ہیں جن سے معجزات صادرہوتے تھے۔ آپ ایک آقا ہیں جن کے گرد حوارئین کا حلقہ اورآدمیوں کا جھمگٹا لگا رہتا ہے۔ اوریہ حوارئین آپ کی باتوں کواچھی طرح سمجھتے نہیں۔ انجیل چہارم میں بھی حضرت کلمتہ اللہ کی خدمت سے پہلے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی آمد کا ذکرہے اورپہلا معجزہ گلیل میں ہوتا ہے۔ گواس معجزے کا ذکراناجیل متفقہ میں نہیں ہے۔ پھر بحث ومباحثہ کا زمانہ دکھلایا گیا ہے،جس سے آنخداوند میں اوراہلِ یہود کے اُستادوں میں اختلافات کی خلیج وسیع ہوتی جاتی ہے۔ مقدس پطرس کا اقرار(۶: ۶۹) قیصریہ فلپی کے اقرار کی جگہ لے لیتا ہے جو نقطہ انقلاب ہے۔ ان دونوں مقامات سے سیدنا مسیح کی زندگی میں ایک نیا دورشروع ہوجاتا ہے اس کے بعد انجیل مرقس کی ترتیب کے ڈھانچہ میں مقدس یوحنا تفاصیل سے کام لے کراپنے خاص مسالہ کا استعمال کرتا ہے[1]۔

چاروں انجیلوں کے بیانات سے ظاہر ہے کہ چاروں کی چاروں انجیلوں میں اندھے کو بینائی دینا، ہیکل کی صفائی ، سردار کے بیٹے کو شفا دینا، پانچ ہزارکو کھانا کھلانا، جھیل پرچلنا۔آپ کے پاؤں کا مسح ہونا ، یروشلیم میں داخلہ، مصلوب ہونے کی کیفیت کا بیان اور سیدنا مسیح کی فتحیاب قیامت کے تذکرے موجود ہیں لیکن مقدس یوحنا نے نہ صرف ان بیانات کو اپنے طرزخاص میں لکھا ہے بلکہ ان واقعات کی خاص اندازے سے تاویل بھی کی ہے جس کا ہم آئندہ باب میں ذکرکرینگے۔

علاوہ ازیں جیسا ہم گذشتہ باب میں ذکر کرچکے انجیل چہارم میں اُن واقعات کی جانب اشارے موجود ہیں جو انجیل مرقس میں ہیں اورانجیل مرقس سے دیگرانجیل نویسوں نے نقل کئے ہیں(۷: ۱تا

---

[1] E.F.Soctt, The Fourth Gospel(1908) pp.33-34

۷، ۴: ۴ تاآخر وغیرہ)۔ مثلاً ۱۲: ۲۷، ۲۸ میں گتسمنی باغ میں اذیت کا اشارہ موجود ہے۔ ۶: ۳۰تا ۳۵ میں آنخداوند کی پہلی آزمائش اور۷: ۴ میں دوسری آزمائش اور۶: ۱۵ میں تیسری آزمائش کی جانب اشارے ہیں ۔ لیکن ان واقعات کا ذکرنہیں کیا گیا۔ جرمن عالم ذاہن نے اس نکتہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ مثلاً مقدس یوحنا لکھتا ہے کہ " یوحنا اُس وقت تک قید میں نہ ڈالا گیا تھا" (۳: ۲۳) لیکن وہ اس کے قید ہونے کے واقعہ کا کہیں ذکرنہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے کہ" یہودیوں نے یروشلیم سے کاہن اورلا وی یوحنا کے پاس بھیجے "(۱: ۱۶) لیکن وہ اس مقام میں یہ نہیں بتلاتاکہ یوحنا بپتسمہ دینے والا کہاں تھا اوراس مقام میں کیا کرتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ انجیل چہارم کا مصنف اس قسم کی باتیں تب ہی لکھ سکتا تھا اگراس کی انجیل کے پڑھنے والے ان باتوں سے پہلے ہی واقف تھے۔ موجودہ زمانہ کے انجیل خوانوں کوان باتوں سے عجوبہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ پہلے ہی دیگر اناجیل کو پڑھ کر ان واقعات سے واقف ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ناواقف شخص پہلے پہل انجیل چہارم کوپڑھے تو اسکے لئے یہ مقامات اچنبھا ہوں گے۔ ایک اورمقام میں مقدس یوحنا بتلاتا ہے کہ" وہ کفر نحوم کو گئے"۲: ۱۲" ان باتوں کے بعد یسوع گلیل کی جھیل یعنی طبریاس کی جھیل کے پارگیا(۶: ۱) لیکن جو شخص ارضِ مقدس کے جغرافیہ سے ناواقف ہو وہ اُن مقامات کے بارے میں نہیں سمجھ سکتا ۔ سامریہ اورسامریوں کا ذکر(۴: ۴) انجیل میں موجود ہے اوریہ ذکر انجیل اوّل وسوم میں بھی ضمنی طورپر ہی پایا جاتا ہے لیکن مصنف اُن لوگوں کےلئے لکھ رہا ہے جو انجیلی تاریخ سے واقف تھے۔ پس جس طرح یوسی بئیس کہتا ہے اس انجیل کی تصنیف سے پہلے متعدد انجیلی تذکرے لکھے جاچکے تھے جو مختلف مقامات میں موجود تھے اورانجیل مرقس لکھی جاچکی تھی۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ دیگراناجیل میں ایسے واقعات کی جانب اشارے موجود ہیں جو انجیل چہارم میں بالتفصیل لکھے ہیں مثلاً سبت کے روز شفا بخشنے پر دشمنوں کا آپ کو ہلاک کرنے کا منصوبہ باندھنا(مرقس ۳: ۶) ، یوحنا ۵: ۱۸، ۷: ۱۹) معجزے کا طلب کرنا (مرقس ۸: ۱۱تاآخر ویوحنا ۶: ۳۰تا ۳۳، ۲: ۱۹تا ۱۹ نیز دیکھو مرقس ۳: ۲۰، ۳۱، ۳۵ اوریوحنا ۸: ۳تا ۵) انجیل سوم میں مریم اورمارتھا کا ذکر(۱۰: ۳۸) ثابت کرتا ہے کہ آنخداوند یروشلیم گئے تھے جس کا ذکر مقدس یوحنا کرتا ہے(۱۱باب)۔ اگر سیدنا مسیح صرف اپنی زندگی کے آخری ہفتہ میں ہی یروشلیم گئے تھے تو اس خاندان سے

آپ کی واقفیت کیسے ہوئی اورایک ہی ملاقات میں محبت کا رشتہ کس طرح استوار ہوگیا؟(متی ۲۳: ۳۷اور لوقا ۱۳: ۲۲، ۳۰، ۳۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنخداوند کی نہ صرف یہ تمنا تھی کہ یروشلیم کے رؤسا اورہادیانِ دین آپ پر ایمان لائیں بلکہ یہ بھی ظاہر ہے کہ باربار کی کوشش کے باوجود یہ تمنا پوری نہ ہوئی ۔لوقا۲۲: ۲۶تا آخری تصدیق یوحنا ۱۳: ۱، ۱۷، ۳۸، ۱۹: ۹تا ۱۱۔ میں بالتفصیل موجود ہے۔ سیدنا مسیح کے صعودِ آسمانی کے بعد رسولوں کا صدر مقام یروشلیم تھا اوریہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ اگر سیدنا مسیح کئی بار یروشلیم گئے ہوں۔ یہ باتیں ثابت کرتی ہیں کہ اناجیل اربعہ میں نہ صرف باہم تضاد وتناقض نہیں ہے بلکہ وہ ایک دوسرے کی تکمیل وتصدیق کرتی ہیں۔

اس نکتہ نظر سے اناجیل اربعہ عہدِ عتیق کی کُتب ۱، ۲ تواریخ کی مانند ہیں جو ۱، ۲ سلاطین کے بعض واقعات کا ذکر نہیں کرتیں اوربعض ایسے واقعات کا ذکر کرتی ہیں جو سلاطین میں موجود نہیں۔ فرق یہ ہے کہ جہاں عہدِ عتیق کی کتب میں تواریخ کی کُتب رُوکھی پھیکی اوربے مزہ ہیں وہاں انجیل چہارم شروع سے آخر تک ایک نہایت پرُکیف کتاب ہے[1]۔

اناجیلِ اربعہ میں نہ صرف واقعات کی یکسانیت پائی جاتی ہے بلکہ چاروں کی چاروں اناجیل میں سیدنا مسیح کی تعلیم میں بھی یکسانیت موجود ہے۔ یہ امر خاص طورپر نوٹ کرنے کے قابل ہے کیونکہ بالعموم یہ کہا جاتا ہے کہ انجیل چہارم میں ایسی تعلیم پائی جاتی ہے جو اناجیلِ متفقہ میں نہیں ہے۔ لیکن اناجیلِ اربعہ کا مطالعہ اس خیا کی خامی کو ثابت کردیتا ہے ۔ یہاں تک کہ جس طرح کے چھوٹے، سادہ مختصر اورپرُمغز اقوال پہلی تین انجیلوں میں ملتے ہیں اُسی طرح کے اقوال انجیلِ چہارم میں بھی جا بجاپائے جاتے ہیں ۔ چنانچہ ڈرمنڈ نے ان کو اپنی کتاب میں ایک جگہ جمع کرکے یہ حقیقت ثابت کردی ہے[2]۔ مثلاً ۸: ۵۸ میں سیدنا مسیح اناجیل متفقہ کے سے الفاظ استعمال کرتے ہیں ۔ آپ نے ستر شاگردوں کو جو فرمایا تھا(لوقا ۱۰: ۱۸) ان کا مقابلہ یوحنا ۱۲: ۳۱تا ۳۲ یا ۱۴: ۳۰ سے کریں۔ آپ نے مقدس پطرس کو جن الفاظ میں آگاہی فرمائی تھی اُن کا مقابلہ کریں(لوقا ۲۲: ۳۱تا ۳۴، یوحنا ۱۲: ۳۶تا ۳۸) انجیلِ یوحنا

---

[1] E.A.Abbot The Fourfold Gospel(See1.Introduction (1913) pp.58-59
[2] J.Drummond, The Character & Authorship of the Fourth Gospel(1903) p.16

میں الفاظ" میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں" وارد ہوئے ہیں (۶: ۳۲، ۴۷، ۵۳ وغیرہ) جو اناجیل متفقہ میں آنخداوند کی مبارک زبان پر پائے جاتے ہیں۔

ہم اُوپر بتلاچکے ہیں کہ اس انجیل کا مصنف فرض کرلیتا ہے کہ اُس پڑھنے والے حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیمات سے واقف ہیں جن کو بعد کے زمانہ میں دیگر انجیل نویسوں نے مختلف ماخذوں سے جمع کیا (۱: ۳۲تا آخر، ۳: ۲۴، ۶: ۷ وغیرہ)۔ جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے علماء اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ انجیل چہارم میں وہی خیالات موجود ہیں جو اناجیلِ متفقہ میں ہیں۔ اوراس کے مقامات میں وہی تعلیم دی گئی ہے جو اُن انجیلوں میں موجود ہے، جس سے ثابت کرتا ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کی اُس تعلیم کا جو اس انجیل میں درج ہے ۔ صحت اورپایہ اعتبار نہایت بلند ہے[1]۔ اور اگر مقدس یوحنا اُن مقامات کو احاطہ تحریر میں نہ لاتے تو حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم کے بعض اہم حصے ضائع ہوجاتے[2]۔ مثال کے طورپر یوحنا ۱۲باب کی آیات ۲۰تا ۳۵ کے مقام کی روشنی اورتاویل کے بغیر متی ۱۰: ۳۲تا ۳۹ اورلوقا ۱۴: ۲۵تا ۳۳ وغیرہ جیسے بلند پایہ مقامات کی تعلیم اُدھوری رہ جاتی۔

حضرت کلمتہ اللہ کے آخری مکالمات (باب ۱۳: ۱۷) میں وہی تعلیم پائی جاتی ہے جو دوسری انجیلوں میں موجود ہے۔ آپ کے آخری احکام اورتسلی کے کلمات اُسی قسم کے ہیں جو اُن میں پائے جاتے ہیں ۔ مثلاً محبت کا حکم، خدمت کا حکم (یوحنا۱۳: ۱۲، ۱۷، ۳۴۔ ۱۵: ۱۷۔ متی ۵: ۳۸تا ۴۸۔ مرقس۹: ۳۳تا ۳۷۔ ۱۰: ۴۲تا ۴۵) حضرت کلمتہ اللہ اپنے نمونہ سے محبت کے اُصول کو واضح کرتے ہیں(مرقس ۹: ۲۵۔ یوحنا ۱۳: ۱تا ۱۷)۔ پھر یوحنا ۱۵: ۱۳ اورمرقس ۱۰: ۴۵ میں اُن لوگوں کی نجات کا ذکر پایا جاتا ہے جو محبت سے خدمت کرتے ہیں۔ محبت کا حکم ایک نیا اُصول ہے (متی ۵: ۴۳، یوحنا ۱۳: ۳۴)۔ اورصرف اُس خدمت کو ہی قابلِ ستائش بتلایا گیا ہےجس کا سر چشمہ محبت ہے(یوحنا ۱۳: ۲۰، مرقس ۹: ۳۷)۔ وہ دُعا جو ایمان کے ساتھ کی جاتی ہے سنی جاتی ہے (متی ۷: ۷تا ۱۱۔ ۱۸: ۹، مرقس ۹: ۲۲۔ ۱۱: ۲۲۔ لوقا ۱۷: ۵، ۱۸: ۲تا ۸)۔ آسمانی مقاموں کا ذکر اُن انجیلوں میں بھی ہے (یوحنا ۱۴: ۲۔ لوقا ۱۰: ۲۰، متی ۲۵: ۳۴)۔ انجیل چہارم کے مکالمات میں اناجیلِ متفقہ کی صدائے بازگشت

[1] Manson, Mission & Message of Jesus p.670
[2] Burkitt, Two Lectures on the Gospels.p.71

موجود ہے۔ مثلاً نیکدیمس کو نئی پیدائش کی تعلیم نہایت وضاحت اور تفصیل سے دی گئی ہے (۳باب)۔ یہی تعلیم اختصار کے ساتھ دیگر اناجیل میں بھی موجود ہے مثلاً " اگر تم نہ پھرواوربچوں کی مانند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہوگے"(متی ۱۸: ۳۔ مرقس ۱۰: ۱۵۔ لوقا ۱۸: ۱۷ وغیرہ)۔ پس چاروں انجیلوں میں نئی پیدائش پر زور موجود ہے۔ ایذارسانیوں کا بیان بھی ایک ہی قسم کا ہے(مرقس ۱۳: ۹تا ۱۳، یوحنا ۱۴: ۱تا ۴۔ متی ۱۰: ۳۲، یوحنا ۱۵: ۱۸تا ۲۰) ایمان داروں کو روح القدس عطا ہونے کا وعدہ بھی دیگر اناجیل میں پایا جاتا ہے(یوحنا ۱۵: ۲۶ - ۱۶: ۸تا ۱۱۔ مرقس ۱۳: ۱۱۔ لوقا ۶: ۳۱)۔

(۵)

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ انجیل چہارم میں آنخداوند اپنی ذات کی نسبت ایسی تعلیم دیتے ہیں جو دیگر اناجیل میں نہیں پائی جاتی لیکن خیال حقیقت سے کوسوں دُور ہے[1]۔ مثال کے طورپر متی ۱۱: ۲۵تا ۲۸اور لوقا ۱۰: ۲۱تا ۲۲کے مقامات جو رسالہ کلمات سے لئے گئے ہیں بعینہ اُسی قسم کے ہیں جو انجیل چہارم میں ہیں۔ آنخداوند کو دیگر اناجیل میں بھی اپنی ابنیت کا احساس ہے(مرقس ۱: ۱۱)۔ انجیل مرقس میں (۱۱: ۲۷تا ۱۲: ۱۳)۔ آنخداوند انگورستان کے مالک کا بیٹا ہونے کا دعویٰ اہلِ یہود کے رؤسا کے سامنے علانیہ کرتے ہیں باپ اوربیٹے کے باہمی تعلقات کی جو جھلک انجیل چہارم میں پائی جاتی ہے وہی اناجیلِ متفقہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ باوجود عالی مرتبت ذات کے بیٹا تمام باتوں میں باپ کا دستِ نگر ہے(۵: ۱۹۔ ۸: ۱۶۔ ۷: ۲۸۔ ۷: ۱۶۔ ۵: ۲۲۔ ۶: ۳۷۔ ۳: ۳۴ وغیرہ)۔ اوریہی دیگر اناجیل کی تعلیم ہے جس سے ظاہر ہے کہ انجیل چہارم میں جو دعویٰ موجود ہیں اُن کی بناء تواریخ کی چٹان پر ہے اوران کا پایہ اعتبارنہایت بلند ہے۔ سیدنا مسیح کے دعوے " دنیا کا نورمیں ہوں"۔ " راہ، حق اور زندگی میں ہوں"۔ جس نے مجھے دیکھا اُس نے باپ کو دیکھا" وغیرہ اناجیل متفقہ کا مقطر ہیں۔ فرقص صرف یہ ہے کہ انجیلِ چہارم میں اُن کا ذکر مفصل طورپر کیا گیا ہے لیکن دیگر اناجیل میں وہ مجمل طورپر پائے جاتے ہیں۔ چونکہ یروشلیم میں یہود کے ربی اورعالم رہتے تھے لہذا اُن کے سامنے سیدنا مسیح کا ان دعوؤں کو مفصل طورپر ذکر کرنا اوریہودی ربیوں سے اُن کے متعلق بحث کرنا کوئی خلافِ توقع بات نہیں ہے۔ آپ کو یہ احساس تھاکہ آپ دیگر

[1] H.H.Wendt, The Gospel According to St. John.

یہودی ربیوں کی طرح ایک ربی نہیں ہیں(۳: ۲)۔ بلکہ ابدی زندگی بخشنے والے اورنجات دینے والے ہیں(۳: ۱۶۔ ۵: ۲۱۔ ۶: ۳۵تا ۴۰ وغیرہ)۔ اوریہ حقیقت آپ دعوؤں کے ذریعہ ہی اُن پر ظاہر کرسکتے تھے(۱۲: ۵۰۔ ۱۷: ۲ وغیرہ)۔ آپ کی تعلیم الفاظ رُوح اورزندگی تھے(۶: ۶۳) اوریہی زوایہ نگاہ اناجیل میں پایا جاتا ہے (مرقس ۴: ۱۳ وغیرہ) دیگر اناجیل میں بھی آپ کی صلیبی موت بنی نوع انسان کی نجات کا باعث ہے (مرقس ۱۰: ۴۵۔ ۱۴: ۲۴ وغیرہ)۔ جس طرح ابنِ آدم کا خطاب دیگر اناجیل میں اُن مقامات سے مخصوص ہے جن کا تعلق سیدنا مسیح کی صلیبی موت اورآپ کے عدالت کرنے کے ساتھ ہے، اسی طرح انجیل چہارم میں بھی یہ خطاب بالکل ایسے ہی مقامات میں استعمال کیا گیا ہے اورحضرت ابن اللہ کا گنہگاروں کو آرامِ جان اور قلبی اطمینان عطا کرنے کا وعدہ بھی چاروں انجیلوں میں پایا جاتا ہے(یوحنا ۱۴: ۲۷۔ متی ۱۱: ۲۸)۔

(۶)

ہمیں واثق یقین ہے کہ اس باب کے مطالعہ نے ناظرین پر ظاہر کردیا ہوگا کہ انجیلِ چہارم اوردیگر اناجیل کے بیانات، تصورات اوردینیات میں تناقض وتضاد نہیں ہے۔ انجیلِ چہارم کے خطبات اور اقوال، اناجیل متفقہ سے مختلف قسم کے ہیں لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ انجیل نویس کے اپنے دماغ کی اختراع ہیں۔ یہ بات انجیل نویس کے اصل مقصد کے سراسر منافی ہے(۲۰: ۳۱)۔ مرحوم یہودی عالم ڈاکٹر ابراہام کہتا ہے" عام طورپر میرا یہ خیال ہے کہ یوحنا کی انجیل میں یسوع کی تعلیم کا ایک خاص پہلو اپنی اصلی حالت میں موجود ہے جو اناجیل متفقہ میں نہیں پایا جاتا"[1]۔

پس انجیلِ چہارم اوردیگر اناجیل میں اختلاف ضرور ہے لیکن اختلاف کا ہونا ایک بات ہے اور تضاد بالکل علیحدہٰ امر ہے۔ علمِ منطق میں تضاد وتناقض کی جو شرائط ہیں وہ یہاں سرے سے مفقود ہیں۔ تناقض کےلئے دونوں قسم کے بیانوں کا آٹھ اُمور میں واحد ہونا شرط ہے۔ چنانچہ شرح تہذیب میں ہے۔

درتناقض ہشت وحدت شرطواں وحدتِ موضوع ومحمول ومکاں
وحدتِ شرط واضافت جزوکل قوت وفعل است درآخرزماں

اب ان شرائط کو ملحوظِ نظر رکھ کرکوئی سلیم العقل انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ مقدس یوحنا کی انجیل کے بیانات، تصورات اور دینیات وغیرہ میں اوردیگر اناجیل کے بیانات، تصورات اوردینیات

---

[1] Israel Abraham, Studies in Pharisaism & the Gospels (1917) (1st Series)12

میں تناقض وتضاد ہے۔ ایک میں ارضِ مقدس کے جنوب یعنی یروشلیم اوراُس کے مضافات کے واقعات کا بیان ہے، دوسروں میں ارضِ مقدس کے شمال کے واقعات کابیان ہے۔ جنوبی کنعان کے سامعین اہلِ علم وفضل تھے۔ شمالی کنعان کے لوگ تہذیب سے دُورافتادہ دہقان تھے۔ پس دونوں قسم کے سامعین کو حضرت کلمتہ اللہ نے قدرتی طورپر ایک ہی تعلیم مختلف طریقوں سے دی ۔ انجیل چہارم کے ماحول ایک قسم کے ہیں اوردیگر اناجیل کے گردوپیش کے حالات کلیتہً مختلف قسم کے ہیں ۔ پس بیانات میں اختلاف کا ہونا اورموضوع کا مختلف ہونا قدرتی امر ہے۔ جب ہم اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہیں کہ ان اختلافات کے باوجود (جیسا ہم بتلاچکے ہیں) چاروں کی چاروں انجیلیں آنخداوند کی ایک ہی تصویر پیش کرتی ہیں اورایک انجیل وضاحت کے ساتھ وہاموربالتفصیل صراحتاً اُن باتوں کا بیان کرتی ہیں جن کا انجیل چہارم میں کنایتہً ذکر ہوا ہے۔ اورانجیل چہارم کا مصنف دیگر اناجیل کے بیانات کو(جوانجیل مرقس پر مبنی ہیں) اپنے بیانوں میں فرض کرلیتا ہے توہم پر یہ عیاں ہوجاتا ہے کہ اناجیل اربعہ ایک دوسرے کے بیانات اورتعلیمات کی صحت اورپایہ اعتبار کے بلند ہونے کی گواہ ہیں۔ اس کی بجائے کہ اختلافات نقص کا باعث ہوتے ، یہی اختلافات الٹا ثابت کرتے ہیں کہ اُن کے مصنف صادق اورثقہ گواہ ہیں جن کی شہادت سچی اور تواریخی حقیقت پر مبنی ہے۔

باب چہارم

انجیلِ چہارم کی خصوصیات

فصل اوّل

کلمتہ اللہ کے سوانحِ حیات اورتعلیم کی تاویل

ہر انسان کی زندگی کے مختلف پہلو ہوتے ہیں اوراُس کی زندگی کو لکھنے والے اپنے اپنے نکتہ خیال سے اس کی زندگی کے واقعات کو ترتیب دے کر تحریر کرتے ہیں۔اس ترتیب کا تعلق صرف کسی ایک خاص پہلو ہی سے ہوتا ہے۔ انجیل نویسوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

ہم حصہ دوم میں بتلاچکے ہیں کہ انجیل نویسوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ حضرت کلمتہ اللہ کی مکمل سوانح عمُری لکھیں۔ وہ انجیل نویس تھے اورہر انجیل" انجیل یعنی خوشخبری کی خبردینے کے لئے لکھی گئی تھی۔ اناجیل اربعہ یہ دعویٰ نہیں کرتیں کہ اُن میں سیدنا مسیح کا مکمل زندگی نامہ ہے(لوقا ۱: ۱تا ۴، یوحنا ۲: ۲۰، ۲۱: ۵)۔ بلکہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ اُن میں اُن کے آقا کی مکمل تواریخی تصویر موجود ہے۔ ہر انجیل نویس اپنے خاص مقصد کے مطابق سیدنا مسیح کے سوانحِ حیات میں سے بعض کا ذکر کرتا ہے اوردیگر واقعات کو نظر اندازکردیتا ہے ، تاکہ تمام انسان کویہ علم ہوجائے کہ سیدنا مسیح کون اورکیا تھے اورایمان داراپنی زندگی اس طرح بس کریں کہ وہ آپ کے شاگرد کہلائے جانے کی لائق ثابت ہوں(مرقس ۱:۱۔ متی ۱: ۱۔ لوقا ۱: ۴۔ یوحنا ۲۰: ۳۰تا ۳۱)۔پس ہر انجیل نجات کی خوشی کی خبر ہے جس میں منجئی عالمین کا پیغام تمام وکمال موجود ہےگوآپ کا مکمل زندگی نامہ موجودنہیں ہے۔

گواناجیل سیدنا مسیح کی زندگی کی تاریخ نہیں ہیں لیکن وہ آپ کی زندگی کے تاریخی واقعات کا ذکرکرتی ہیں اورہر انجیل (جیسا ہم بتلاچکے ہیں)۔ایک خاص نکتہ نظر سے لکھی گئی ہے، جس کے مطابق کلمتہ اللہ کے سوانح حیات کی تاویل کی گئی ہے۔ اورجس سے ان واقعات کے اصلی مطالب ومعانی کا ہم کو علم ہوجاتاہے۔ یہ علم ایسا کامل ہے کہ اگر موجودہ زمانہ کا کوئی اخباری نمائندہ آپ کے تمام کلمات ، خطبات اورمکالمات کا گراموفون ریکارڈلے لیتا اورمتحرک تصاویر کے ذریعہ آپ کے سوانحِ حیات کو جمع کرلیتا پھر بھی اُن کے اصل مطالب ومعانی میں کوئی اضافہ نہ ہوتا اورہم

موجوده زمانه میں بھی سیدنامسیح کے کلمات اورسوانح حیات کی تاویل ان انجیل نویسوں سے بہتر طورپر نہ کرسکتے[1]۔

حضرت کلمتہ اللہ کی زندگی کےواقعات اورآپ کا کلام اناجیل اربعہ میں موجود ہے۔ اگرہم ان کو مکمل طورپر دیکھنا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ ہم چاروں انجیلوں کے واقعات کی تواریخی صحت کو تسلیم کریں۔ ہم اس موضوع پر اگلے باب میں بحث کرینگے لیکن بظاہر ہے کہ اگرآپ کی زندگی اورتعلیم سب کی سب پہلی تین انجیلوں میں مکمل طورپر جمع ہوتی توانجیل چہارم کولکھنے کی نوبت ہی نہ آتی۔ اوراگرانجیل چہارم کے مصنف کی تاویل کا کام پہلی تین انجیلوں سے نکل آتا تو اس کو اپنی انجیل لکھنے کی ضرورت ہے لاحق نہ ہوتی۔ یہ ہم کو بتلاتاہے کہ اس کو سیدنا مسیح کے سوانحِ حیات اورکلماتِ طیبات کو تمام وکمال جمع کرنے کا کوئی خاص شوق نہیں ہے(۲۰: ۳۰)بلکہ اُس کو یہ خیال اپنی انجیل لکھنے پر مجبور کرتاہے اُن واقعات اورمکالمات کے اصلی مطالب ومعانی ہرکس وناکس پر ظاہر ہوجائیں(۲۰: ۳۱)۔ پس اُس کو کسی خاص واقعہ کے لکھنے سے مطلب نہیں، بلکہ اس واقعہ کے اصلی معنی سے مطلب ہے۔جن لوگوں میں یہ مصنف رہتا ہے وہ عالم تھے۔ پس ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ اُن ربیوں اورعالموں کے لئے حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم اور سوانحِ حیات کی ایسی تاویل کرے جس سے وہ " ایمان لائیں کہ یسوع ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے اورایمان لاکر اُس کے نام سے زندگی پائیں"(۲۰: ۳۱)۔

پس مقدس یوحنا سیدنا مسیح کی زندگی کے محض بیرونی واقعات کو ہی نہیں بتلاتابلکہ اس زندگی کے واقعات کے باطنی اور روحانی معارف ومعانی بتلاتاہے (۶: ۶۳)۔ یہی وجہ ہے کہ سکندریہ کاکلیمنٹ اس انجیل کو" روحانی انجیل" کا نام دیتا ہے[2]اس نے تواریخی واقعات کی صحیح تاویل کرکے اُن واقعات کی ہڈیوں میں روح اورزندگی کا دم پھونک دیا ہے۔

(۲)

حق تو یہ ہے کہ ہر انسان کی زندگی کا ہر واقعہ کوئی نہ کوئی معنی رکھتاہے اورانسانی زندگی بے معنی واقعات کے سلسلہ کا نام نہیں۔ہم کسی انسان کی زندگی کے کسی تواریخی واقعہ کا حقیقی اور صحیح علم حاصل نہیں کرسکتے اورنہ کسی حقیقت کی تہ تک پہنچ

[1] A.E.Brooke The Historical Value of the Fourth Gospel in Cambridge Biblical Essays pp. 291 ff

[2] Eusebius, Hist Eccles VI.14

سکتے ہیں تاوقتیکہ ہم اس واقعہ کی صحیح تاویل نہ کریں۔ اسی طرح کسی ملک کی دنیاوی تاریخ محض واقعات کے مسلسل تاریخی بیان پر ہی مشتمل نہیں ہوتی، بلکہ ہر مورخ تاریخی و واقعات کی تاویل اپنے قیاسات کے ذریعہ کرتا ہے اورقیاسات کی صحت قیاس کرنے والے مورخ کے ذہن رسا پر منحصر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مورخ کےلئے لازم ہے کہ اُس کو علم التواریخ کے قوانین سے واقفیت تامہ حاصل ہو۔ کسی محقق کے لئے خالی الذہن ہونا ممکن نہیں کیونکہ اس کو اپنے خاص نظریہ کے زاویہ نگاہ سے واقعات کو دیکھنا ہوتا ہے۔ کوئی مستند مورخ صرف یہ بتلانے پر ہی اکتفا نہیں کرتا کہ فلاں ملک میں پہلے یہ واقعہ ہوا اوراس کے بعد فلا ں فلاں واقعہ سالوں کی ترتیب کے مطابق ہوا۔ بلکہ ہر مورخ ان واقعات کے سلسلہ کو کسی خاص نکتہ نظر سے دیکھتا ہے اوران واقعات کی اس مقصد کے تحت بیان کرکے تاویل کرتا ہے۔ چنانچہ مرحوم مولانا ابوالکلام آزاد نے میسورمیں انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کے خطبہ صدارت میں فرمایا[1] ۔ " ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کے روزبند وق کا پہلا فائر کیا گیا۔۔۔ انگریز مورخین نے اس جنگ کی تاریخ کو صرف انگریزی حکومت کے نکتہ

[1] The Daily Tribune Ambala Jan.26th 1955

نگاہ سے لکھا ہے۔ اُن کتابوں میں یہی بتلایا گیا ہے کہ یہ جنگ دراصل ہندوستانی افواج کی بغاوت تھی جس کو برطانوی حکومت نے کچل کر حفظِ عامہ اورقانون کے دور کو دوبارہ بحال کیا۔ ان متعدد مصنفوں میں سے کسی نے بھی کسی اورنکتہ نگاہ سے اس واقعہ کی تاویل نہیں کی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان مصنفوں نے اُن مظالم کا تفصیلی ذکر کیا ہے ۔ جو ہندوستانیوں نے یورپین مردوں، عورتوں اوربچوں پرکئے تھے لیکن اُن میں سے کسی ایک نے بھی اُن مظالم کو ذکر نہیں کیا جو برطانوی لوگوں نے ہندوستانیوں پر ڈھائے تھے"۔

ہمارے فخرِ قوم پنڈت جواہرلال نہرو نے انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کی جوبلی کے موقعہ پر دہلی میں فرمایا[2] ۔ مورخین کو چاہیے کہ وہ تورایخی کتب کو صرف خواص کے لئے ہی نہیں بلکہ عوام الناس کے لئے بھی لکھیں تاکہ عوام بھی ملک کی تاریخ سے دانش مندانہ طورپر شعور سے واقف ہوسکیں۔ بالعموم تواریخی کتابیں رُوکھی پھیکی، مرُدہ ہڈیوں کے ڈھانچے ہوتی ہیں۔ جن کا تعلق اُن کی زندگی کے دیگر شعبوں کے ساتھ ہو۔ کیونکہ تواریخ درحقیقت انسانی ذہن اورانسانی روح کے کسی خاص منزل پر پہنچنے اورمنزل بمنزل

[2] The Statesman, Delhi Dec.25, 1948

ترقی کرنے کا نام ہے اوروہ زندگی کے ان مسائل کے ساتھ وابستہ ہے
جن کا تعلق افراد کے ساتھ یا سماج کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا یہ
مطلب نہیں کہ مورخ کسی ایسے نکتہ نظر پر زوردیں ، جس کو صرف اُن
کے اپنے ذہن نےہی اختراع کیا ہو، اور جس کا تعلق اصل حقیقت
کے ساتھ نہ رہو۔ مورخوں پر لازم ہے کہ وہ سچائی اورحقیقت کو
مدنظررکھ کرواقعات کو بالکل ٹھیک طورپر صحیح نکتہ نظر سے پیش
کریں۔ واجب ہے کہ واقعات کی خشک ہڈیوں میں روح پھونکی
جائے۔تاریخی واقعات کوسمجھنے کا یا تواریخی کُتُب کو لکھنے کا
صرف ایک ہی گر ہے کہ مورخ اپنے ذہن کے سامنے لگا تارایک چلتی
پھرتی زندہ سماج کی تصویر کوقائم رکھے۔ اس مقصدکو حاصل کرنے
کے لئے بیرونی واقعات کی تفاصل کا بہم پہنچنا اشد ضروری ہے۔ پس
کمیشن کوان تفاصیل کو بہم پہنچانا ہوگا اورپھر ایک دُرست طورپر
پیش کرنا ہوگا تاکہ ان میں زندگی نمودارہوجائے۔ اس کے ساتھ ہی
مورخ کےلئے لازم ہے کہ وہ تفصیلات میں گم نہ ہوجائے تاکہ وہ
اصل مقصد کو ہاتھ سے نہ کھو بیٹھے۔ مورخ کو چاہیے کہ وہ عہدِ
ماضی کی روشنی میں دورِحاضرہ کے واقعات کی تاویل کرے اوراس
کی مدد سے زمانہ مستقبل میں بھی جھانکے"۔

ہم نے پنڈت جی کی تقریر کا ذرا طویل خلاصہ دیا ہے کیونکہ
اناجیلِ اربعہ اوربالخصوص انجیلِ چہارم پر اس کا ایک ایک لفظ
صادق آتا ہے ۔ اناجیل کے مصنفوں نے صرف خشک واقعات کو
جمع کرکے پڑھنے والوں کے لئے نہیں لکھا بلکہ ان واقعات کو انسانی
زندگی سے متعلق کرکے افراد اورسماج کے مسائل کا حل بتلایا ہے۔
انہوں نے ان واقعات کی کوئی من گھڑت تاویل نہیں کی، اورنہ وہ
تفصیلات میں گم ہوگئے ہیں بلکہ اپنے اپنے اصل مقصد کو مدِ نظررکھ
کر انہوں نے زمانہ ماضی کے واقعات کی آنخداوند کی زندگی کی
روشنی میں ایسی تاویل کی ہے جس سے بنی نوع انسان کا مستقبل
روشن ہوگیا ہے ۔ چنانچہ انجیلِ چہارم کا مصنف صرف اسی بات
پر ہی اکتفا نہیں کرتا کہ " جوباتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں اُن کو
ترتیب واربیان " کرے۔ وہ اُن واقعات کی تاویل بھی کرتا ہے اورتاویل
کرتے وقت وہ واقعات کو اپنے دماغ سے نہیں گھڑتا اورنہ وہ واقعات
کی آڑمیں کسی مناسبت کی بناء پرکسی واقعہ کو محض ایک آلہ بنا کر
کسی دوُسرے پنہانی مطلب کو ظاہر کرتا ہے وہ ذہن کو نشان کے
طورپر اس واقعہ کی جانب منتقل نہیں کرتا ہے۔ وہ اس قسم کی محض

اشارتی تاویلوں میں سے ہر جگه پرہیز کرتا ہے کیونکه وہ کسی خیالی ہستی کا ذکر نہیں کرتا ہے بلکه اپنے آقا اورمولا کی زندگی اورموت کے حقیقی واقعات کا ذکر کرتا ہے ۔ وہ بالکل وہی بات کرتا ہے جو کسی اچھے مورخ کو کرنا چاہیے ۔ وہ آنخداوند کے کلمات ، واقعات ،آپ کی زندگی اورموت کے اُس مفہوم کو واضح کرتا ہے جوان واقعات میں موجود ہے یعنی یسوع ناصری کی زندگی میں الوہیت کا ظہور اوراُس کی موت میں دنیا کی نجات مضمر ہے۔یہی تاویل اورباقی اناجیل مقدس پولوس !! اورعہدِ جدید کی کتُب کے دیگر مصنفوں میں پائی جاتی ہے ۔ سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات ، آپ کی تعلیمات اورموت وقیامت کا تعلق تمام زمانوں کے ساتھ ہے اورعہدِ ماضی، دورِحاضرہ اورزمانه مستقبل پر حاوی ہے[1]۔

پس انجیلِ چہارم کا مصنف اپنے آقا یسوع ناصری کی زندگی کے واقعات کا ذکر محض اس مقصد کے لئے نہیں کرتا که وہ اُن کو گن کر بتلائے بلکه اس کا اصلی مقصد یه ہے که وہ اُن واقعات کے حقیقی مفہوم اورمطالب کو اپنے ناظرین پر ظاہر کرے۔ پس یه انجیل محض گذشته واقعات کی یاددہانی کے لئے نہیں لکھی گئی تھی ،کیونکه جس زمانه میں یه کتاب لکھی گئی تھی ایسے لوگ موجود تھے جو خود اُن واقعات کے چشم دید گواہ تھے۔ لیکن گو اُن کے کانوں نے حضرت کلمته الله کے کلمات کو سنا تھا تاہم وہ خود آنخداوند کی ذاتِ بابرکات سے ناواقف تھے۔گو اُن کی آنکھوں نے آنخداوند کے معجزات کو دیکھا تھا لیکن وہ اُن کلمات کے صحیح مفہوم اوراُن معجزات کے پہنانی مطالب کو نہیں جانتے تھے۔ پس یه انجیل نویس اپنے ناظرین کے لئے اُن بیانات کا "جو کلیسیاؤں میں مروج تھے اصل مفہوم بتلاتا ہے اوریوں وہ ان بیانات کے مضامین کی اصلیت اور صداقت پر اپنی مہر تصدیق بھی ثبت کرتا ہے ۔ بعض اوقات (جیسا ہم بتلاچکے ہیں) وہ اس مساله کو جو اب دوسری انجیلوں میں پایا جاتا ہے ، اپنے مقصد کے تحت استعمال کرتا ہے اورکسی ایك واقعه کا خاص مفہوم یا آپ کے کسی خاص کلمه کے اندرونی مطلب کو لے کر ناظرین کو بتلاتا ہے که اس کا اطلاق تمام زمانوں پر ہے۔ لیکن انجیل کے کسی مقام میں بھی وہ کسی واقعه کو اختراع نہیں کرتا[2]۔ مثال کے طورپر سبت کے روز شفا بخشنے کے معجزے کو لیں (یوحنا ۵: ۱ تا ۱۸)۔ اناجیل متفقه سے ظاہر ہے که آنخداوند نے

---

[1] Hoskyns The Fourth Gospel (pp.XXX1-1V).

[2] Ibid.XXXIV-XXXV1.

سبت کے روز بہتوں کو شفا بخشی لیکن انجیل چہارم میں اس طرز عمل کا اصلی سبب بتلا کر ان تاریخی واقعات کی صحیح تاویل کی گئی ہے (۵: ۱۷تا ۴۷)۔ یہ تاویل سیدنا مسیح نے اپنی زبان سے فرمائی تھی کیونکہ یہ انجیل نویس کے اپنے دماغ کی اس بناء پر اختراع نہیں ہوسکتی کہ وہ یہودی تھا اور تاویل پیدائش ۲: ۲تا ۳ کے خلاف تھ (آیت ۱۷)۔ علیٰ ہذا القیاس یوحنا ۱: ۳۳تا ۳۶، ۲: ۱۹۔ ۴: ۲۳ وغیرہ کا اختراع کرنا کسی یہودی کے خواب وخیال میں بھی نہ آسکتا تھا۔ عہدِ عتیق کی کتُب میں اپنے انبیائے سابقین اورتواریخ کی کتُب کا مصنف بھی سلاطین کو کتُب کے واقعات کا پنہانی اوراندرونی مطلب بیان کرتا ہے۔

پس ہمیں یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ انجیل چہارم کی بناوٹ میں حضرت کلمتہ اللہ کے کلمات اورسوانح حیات اوراُن کی تاویل گویا تانا بانا ہیں، جن کو ایک دوسرے سے جُدا نہیں کیا جاسکتا۔ پس کوئی شخص دونوں عناصر کو جُدا کرکے یہ نہیں کہہ سکتا کہ انجیل کے فلاں فلاں مقام میں صرف تاریخی واقعہ ہی درج ہے اور فلاں فلاں مقام میں صرف تاویل ہی پائی جاتی ہے ۔ اگرہم کسی ایک مقام میں بھی دونوں عناصر کو جبریہ طورپر جُدا کریں گے توہم اُس پر ظلم کرینگے کیونکہ واقعہ اپنی تاویل کے بغیر ناکارہ ہے۔ رینان نے اس طرح کی کوشش کی ہے لیکن وہ رائگاں ثابت ہوئی[1]۔ چنانچہ ڈاکٹر ڈی ۔ ایف ۔ سٹراس تک کہتا ہے کہ انجیل چہارم ایک ایسی تصنیف ہے جو آنخداوند کے "کرتہ کی طرح ہے جو" بن سلااورسراسر بنا ہوا" تھا۔ جس پر قرعہ پڑسکتا ہے لیکن الگ الگ جدا نہیں کیا جاسکتا[2]۔ کیونکہ اس انجیل کا مرکزی نکتہ ہی یہ ہے کہ اس میں اُسی خداوند کے کلمات اورواقعات مندرج ہیں، جس کا ہر ایمان دار کو تجربہ حاصل ہے۔ اس کا تمام زورہی اس بات پر ہے کہ سیدنا مسیح کے سوانحِ حیات پُرازمعنی ہیں اوران مطالب کی روشنی میں ہی کوئی خاص تاریخی واقعہ پُرازمعنی ہوسکتا ہے اوریہ مطلب ومانی تاریخ سے پرے اوراوروریے کے ہیں جو آپ کی زندگی کے واقعا اورصلیبی موت اورظفرمند قیامت کو روشن کردیتے ہیں۔ انہی مطالب ومعانی کو واضح کرنے کی خاطر یہ انجیل لکھی گئی ہے۔

یہاں ہم ایک اوربات واضح کردینا چاہتے ہیں ۔ اس انجیل کا مصنف جو تاویل کرتا ہے وہ اس کی اپنی من گھڑت تاویل نہیں ہے۔ اورنہ وہ اس کے ذہن رسا کی اختراع ہے بلکہ اس نے اس تاویل کو

---

[1] Renan, Life of Jesus 13th ed.appendix.
[2] Quoted by Wendt p.54

خود سیدنا مسیح سے حاصل کیا تھا۔بالفاظ دیگر چونکہ اُس نے اس تاویل کو حضرت کلمتہ اللہ کے مکتب میں سیکھا تھا یہ تاویل بھی خودایک تاریخی واقعہ ہے جو چاروں اناجیل کو بطرزِاحسن سمجھنے کی کلید ہے[1]۔

(۴)

مقدس یوحنا نے آنخداوند کے واقعات وتعلیمات کی تاویل کرکے کوئی انوکھی بات نہیں کی تھی کیونکہ دیگر اناجیل میں بھی سیدنا مسیح کے سوانح حیات وغیرہ کو محض مسلسل اورترتیب واربیان کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا۔ ان اناجیلِ میں بھی تاویل سے کام لیا گیا ہے۔

ہم اس حقیقت کو ہر انجیل کی خصوصیات کےعنوان کےتحت واضح کرچکے ہیں۔ اگر ناظرین حصہ دوم میں ان ابواب کا مطالعہ کریں تو ان پر یہ روشن ہوجائیگا کہ ہر انجیل نویس آنخداوند کے سوانح حیات کو اس طرح مرتب کرکے پیش کرتا ہے جس سے اس کا خصوصی نکتہ نگاہ واضح ہوجاتا ہے ۔ انجیل نویس محض خارجی واقعات کا ذکر کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے۔ اگراُن کو محض واقعات کو ہی لکھنا ہوتا تو وہ مثال کے طورپر سیدنا مسیح کے بپتسمہ پانے کے بیان میں یہ نہ لکھتے کہ"آسمان سے "آوازآئی " کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں"۔اُن کے مصنفوں کا بھی یہ مقصد تھا کہ وہ بتلائیں کہ آنخداوند درحقیقت ابن اللہ تھے۔ اگرچہ اہل یہود اس حقیقت کے منکر تھے ۔ علیٰ ہذا القیاس جب وہ آنخداوند کی صورت کے تبدیل ہونے کا واقعہ لکھتے ہیں تو وہ محض واقعہ نگاری پرہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اُسی بیان میں ساتھ ہی تاویل کرکے باپ اوربیٹے کے باہمی تعلقات کا ذکرکرتے ہیں جو عینی مشاہدہ اوربیرونی تجربہ سے پرے اورورے ہے لیکن سیدنا مسیح کی زندگی کے خفیف سے خفیف واقعہ میں بھی پایا جاتاہے۔ چنانچہ مقدس پطرس کہتاہے" اُس نے خدا باپ سے اُس وقت عزت اورجلال پایا جب اس افضل جلال میں سے اسے یہ آوازآئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں اورجب ہم اُس کے ساتھ مقدس پہاڑ پر تھے تو آسمان سے یہی آواز آتی سنی تھی" (۲پطرس ۱: ۱۷تا ۱۸)۔ پہلے تینوں انجیل نویس اس حقیقت کو سب کے ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ سیدنا مسیح ابن اللہ تھے کیونکہ خدا نے خود یہ اعلان فرمایا تھا۔

---

[1] Scott Holland in Hoskyns Fourth Gospel p..39-40

جو واقعات اناجیلِ اربعہ میں محفوظ ہیں اُن کی صداقت کا " سچ پوچھو تو محض اس حقیقت پر ہی انحصار نہیں کہ وہ کسی رسول نے بتلائے ہیں، جواُن کا چشم دید گواہ تھا بلکہ اُن کی صحت اس امر پربھی موقوف ہے کہ ان کو بیان کرنے والے رسول نے ان واقعات کو صحیح طورپر سمجھا تھا یا نہیں اورکہ ان واقعات کی تاویل جو اُس نے کی ہے صحیح ہے یا باطل ہے۔ حق تو یہ ہے کہ رسولوں نے سیدنا مسیح کے کلمات اور زندگی کے واقعات کی صحیح تاویل کی اورآپ کی موت اورظفریاب قیامت کے اصل مفہوم کو پالیا۔

پس اس امر میں پہلی تین انجیلوں اورانجیل چہارم میں کوئی تفاوت نہیں پائی جاتی (مرقس ۱: ۱۴تا ۱۵۔ ۲: ۲۳تا ۲۸۔ ۳: ۲۰تا ۳۰۔ ۹: ۲تا ۸۔ ۴: ۱تا ۱۲ وغیرہ)۔ جب مقدس مرقس بتلاتا ہے کہ خدا نے اعلان فرمایا کہ " تو میرا پیارا بیٹا ہے تجھ سے میں خوش ہوں"(۱: ۱۱، ۹: ۷)۔ تو اسی حقیقت کو مقدس یوحنا یوں ادا کرتا ہے " کلام مجسم ہوا اورہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال"(۱: ۱۴)۔ تمام رسولوں نے ابن اللہ کا جلال دیکھا اوراُن سب کی ایک ہی تاویل ہے (یوحنا ۱۷: ۱۰) اورسب کو ایک ہی " پہچان" حاصل ہے (طیطس ۱: ۱تا ۲۔ ۲پطرس ۳: ۱۵تا ۱۷ وغیرہ)۔

اسی حقیقت کو سکاٹ ہالینڈ جیسے نقاد نے لے کر یہ ثابت کیا ہے کہ اناجیلِ متفقہ کو سمجھنے کے لئے انجیل چہارم کا وجود لازمی ہے کیونکہ اسی انجیل میں ہی اُن واقعات کو جو اُن انجیلوں میں درج ہیں، صحیح تاویل موجود ہے۔ اورانجیل چہارم بھی (جیسا ہم اوپر بتلاچکے ہیں) اُن انجیلوں کے بغیر فہم میں نہیں آتی، کیونکہ اس تفسیر اُن اناجیل کے سیاق وسباق میں ہی ہوسکتی ہے اوراناجیلِ متفقہ کے مسائل کو حل کرنے کے لئے انجیل چہام بڑے کام کی چیز ہے۔ کلیسیا نے چاروں انجیلوں کویکجا جمع کرکے اوران چاروں کو مستند قراردے کر ثابت کردیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے جدا اورالگ نہیں ہیں بلکہ چاروں کی چاروں انجیلیں ایک دوسرے کی تاویل کرنے میں ممدو معاون ہیں اورایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔ پس اس پہلو سے بھی وہ نہ صرف ایک دوسرے کے بیانات کی مصدق ہیں بلکہ ایک دوسرے کی تاویل کو بھی صحیح قراردےکر چاروں کے پایہ صحت اوراعتبار کے بلند ہونے پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں۔

پس ثابت ہوگیا کہ انجیل چہارم کا مصنف ایک تواریخی شخص کی زندگی کو پیش کرتا ہے ۔ لیکن وہ ایسا نہ کرسکتا اگراس انجیل کے مندرجہ الفاظ آنخداوند کے اپنے الفاظ نہ ہوتے ۔ وہ کسی موجودہ تواریخی ناول نویس کی طرح نہیں ہے جو اپنی قوتِ متخیلہ کے ذریعہ قدیم زمانہ کی کسی ہستی کو پیش کرکے اُس کے منہ میں تقریریں ڈالتا ہے۔ نہ وہ یونان کے فلاسفر افلاطون کی طرح ہے جو اپنی تصنیفات میں اپنے اُستاد سقراط کے منہ میں اپنی تقریریں ڈالتا ہے ۔ افلاطون نے نہ تو سقراط کو الوہیت کا درجہ دیا تھا۔ اورنہ اس نے کبھی لوگوں کو یہ دعوت دی تھی کہ وہ اُس کے نام پر ایمان لائیں اورنہ وہ اس امر پر اصرار کرتا تھا کہ وہ ایک حقیقی تواریخی شخص تھا جو مجسم ہوکر ہمارے درمیان رہا۔

انجیل چہارم کے مصنف کا روحانی ماحول ہی دوسری قسم کا ہے اوراس کا مسیحی روحانی تجربہ اس کا ممدومعاون ہے۔ بعض علماء مثال دے کر کہتے ہیں[1] ۔ کہ انجیل چہارم ایسی ہے جیسے اہل یہود میں کتاب" تارگم" (یاتراجم) ہے۔ جب یہودی ربی عبرانی نوشتوں کا ارامی میں ترجمہ کرتے تھے تو یہ ترجمہ لفظی نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ نوشتوں کے اصل مفہوم کو اپنی زبان اورالفاظ میں ادا کرتے تھے اوران کی تشریح میں تاویل کے عنصر کو دخل ہوتا تھا۔ ہم اُن کے طرز سے کچھ کچھ انجیل چہارم کے مصنف کے طریقہ کو سمجھ سکتے ہیں ۔ وہ آنخداوند کے مبارک اقوال کی صحیح تاویل روحِ حق کی زیرہدایت کرتا ہے (۱۴: ۲۶- ۱۶: ۱۳)۔ اوریہ تاویل آنخداوند کے اقوال کی نہایت صحت کے ساتھ ایسی جلالی تشریح کرتی ہے کہ آپ کے کلمات اورکلماتِ طیبات اورسوانح حیات منورہوکربنی نوع انسان کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ اگرمقدس یوحنا کی انجیل کے کلمات اورمکالمات آنخداوند کے منہ سے نہیں نکلتے تو اُن کا بولنے والا آنخداوند سے بھی زیادہ عظیم ہستی تھا۔[2]

---

[1] E.A.Abbot, The Son of Man (1910) p. 411. H.A.Kennedy Philo’s Contribution to Religion (1919) pp.50ff W.F. Howard, The Fourth Gospel in Recent Criticism & Inetrpretation (1931) pp.226-229

[2] W.Robertson Nicoll, Life & Letters by T.H.Darlow p. 342

فصل دوم

انجیلِ چہارم کی تعلیمات اوراصطلاحات

جس زمانہ میں انجیل چہارم لکھی گئی تھی اُس زمانہ میں اہلِ یہود کے ربی اوراُستاد سیدنا مسیح کی مسیحائی کے دعوے کو قبول نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یسوع ناصری مسیح موعود نہیں ہوسکتا۔ مسیح موعود کے لئے لازم ہے کہ وہ ابنِ داؤد ہو۔ کسی کو یہ علم نہیں ہوگا کہ مسیحِ موعود کہاں سے آئیگا۔ وہ معجزے اورنشانات دکھلائیگا اوربادشاہی کریگا اورہمیشہ زندہ رہیگا(۱۲: ۳۴)۔ لیکن یسوع ناصری بادشاہ نہیں تھا وہ صلیب پر مرگیا تھا لیکن یسعیاہ نبی کے مطابق اس بادشاہت کو ہمیشہ زندہ رہنا تھا(۵: ۷) لہذا وہ مسیح موعودنہیں ہوسکتا۔

انجیل چہارم کا مصنف اس قسم کے اعتراضات کو مدِ نظر رکھ کر حضرت کلمتہ اللہ کے پیغام، کام اورآپ کی ذات پربحث کرتا ہے اورکہتا ہے کہ سیدنا مسیح بادشاہ تھا لیکن اس کی بادشاہت اس دنیا کی نہیں تھی۔ اس کی ابتدا کو کوئی نہیں جانتا تھا کیونکہ وہ دوسری دنیا سے آیا ہے ۔ اُس کی صلیبی موت اس کا آخرنہیں تھا بلکہ یہ موت اس بات کی مہرُ تصدیق تھی کہ وہ جہان کا زندہ منجئی ہے۔ پس گوانجیل نویس حضرت کلمتہ اللہ کو مسیح موعود کا خطاب دیتا ہے لیکن وہ اہل یہود کے مسیحائی تصورکو متروک قراردیتا ہے اوراُن کے ربیوں کو بتلاتاہے کہ جو خیالات وہ مسیحِ موعود کی نسبت اورجو تصورات وہ اُس کی ذات کی نسبت رکھتے ہیں وہ خود قابلِ اصلاح ہیں۔ یہودی ربی کہتے تھے کہ اس دنیا میں خدا کے نام کا مکاشفہ نہیں ہے لیکن وہ آنے والے زمانہ میں ظاہر ہوگا۔انجیل نویس اُن کوبتلاتا ہے کہ کلمتہ اللہ کی آمد کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ خدا کے نام کو ظاہر کرے اوریہ اُس نے کامل احسن طورپر کردیا(۱۷: ۶، ۲۶)۔ اس مقام میں ہم کو یہ یادرکھنا چاہیے کہ کُتُب عہدِ عتیق کے مطابق خدا کے" نام" سے خدا کی ذات وصفات اورہستی مرُاد ہے(یسعیاہ۵۲: ۶۔ یرمیاہ۱۶: ۲۱ وغیرہ)[1]۔

اناجیلِ اربعہ میں سے صرف انجیلِ چہارم ہی لفظ" مسیح" کو بطور ایک اصطلاح کے استعمال کرتی ہے۔ مقدس پولوس کے خطوط میں یہ اصطلاح ہر جگہ پائی جاتی ہے ۔ چنانچہ الفاظ" مسیح میں" بکثرت پائے جاتے ہیں(رومیوں ۶: ۱۱تا ۲۳۔ ۸: ۱، ۲، ۳۹۔ ۱: ۹۔ افسیوں ۱: ۱، ۳، ۴، ۶، ۷، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ وغیرہ)۔ اورالفاظ" مسیح

[1] C.H.Dodd, The Interpretation of the Fourth Gospel pp.93-96

تم میں" بھی بکثرت ملتے (رومیوں ۸: ۱۰۔ گلتیوں ۲: ۲۰۔ ۳: ۱۷۔ کلسیوں ۱: ۲۷ وغیرہ)۔ اسی طرح مقدس یوحنا کی انجیل میں بھی یہی الفاظ ملتے ہیں (۶: ۵۶۔ ۱۴: ۲۰۔ ۱۵باب ۔ ۱یوحنا ۲: ۵، ۶: ۲۴۔ ۳: ۶ وغیرہ)۔ علیٰ ہذا القیاس الفاظ" خدا ہم ہیں " اس انجیل میں پائے جاتے ہیں (۴: ۱۳، ۱۵، ۱۶، مقابلہ کرو۔۱تھسلنکیوں۱: ۱) اس تعلیم کا مطلب یہ ہے ۔ سیدنا مسیح خود اپنے لوگوں کا گھر، پناہ گاہ اورزندہ ماحول ہے اورایمان داروں کی زندگیوں کا اندرونی محرک ہے۔ یہ تعلیم مقدس پولوس اوریوحنا دونوں کی تحریرات میں پائی جاتی ہے[1] یہ دونوں مقدسین کلیسیا کے دورِاوّلین کے استاد تھے پس ظاہر ہے کہ یہ تعلیم دراصل کلمتہ اللہ کی ہی سکھلائی ہوئی ہے جس کے مکتب میں رسولوں نے اس کو حاصل کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو تعلیم انجیلِ چہارم اوریوحنا کے خطوط میں موجود ہے وہ سیدنا مسیح کے اپنے منہ نے فرمائی تھی۔ اسی تعلیم کی مقدس پولوس اور دیگر ابتدائی استادوں اورمبلغوں نے اشاعت کی۔ پس یہ استاد، مبلغ اورمقدس پولوس کے خطوط اس تعلیم کی صداقت کے گواہ ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ سب کی تعلیم ایک ہی سرچشمہ سے حاصل کی ہوئی ہے (۱۔کرنتھیوں۱۵: ۳)۔ جس کا بنیادی پتھر یہ ہے کہ نجات سیدنا مسیح پر ایمان لانے سے ملتی ہے۔ پس جس طرح اناجیلِ اربعہ کو ایک دوسرے سے اوردیگر کتُب سے مقابلہ کرکے ہم جان سکتے ہیں کہ ان کی تعلیم تاریخی چٹان پر مبنی ہے ، اسی طرح انجیل چہارم اورپولوس رسول کے خطوط کا مقابلہ کرکے ہم یہ معلوم کرسکتے ہیں کہ یہ تعلیم وہی تعلیم ہے جو حضرت کلمتہ اللہ نے دی تھی ۔ اورجس کی سب رسول منادی کرتے تھے۔ (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۱۱)۔

اب ہم اس تعلیم کے چند پہلوؤں پر نظرکرینگے۔ بالخصوص اُن اصلاحات پر جو انجیل چہارم میں پائی جاتی ہیں، مجمل بحث کرینگے:

(۱۔) ابن اللہ ۔ انجیل نویس کی اصطلاح میں حضرت کلمتہ اللہ " خدا کا اکلوتا بیٹا" ہے(۱: ۱۴، ۳: ۱۶)۔ اس اصطلاح سے مقدس یوحنا کی مراد یہ ہے کہ آنخداوند کا جو رشتہ اورتعلق خدا باپ کے ساتھ تھا وہ لاثانی اوربے نظیر تھا۔ اہلِ یہود کی کتُب میں لفظ" بیٹا" استعارہ کے طورپر بالعموم استعمال ہوتا ہے مثلاً یسعیاہ نبی صبح کے ستارے کو" صبح کا بیٹا " کہتا ہے (۱۴: ۱۲)۔ امثال کی کتاب میں مظلوم لوگ" دکھ کے بیٹے " کہلاتے ہیں (۳۱: ۵)۔ یہودی محاورہ کے

[1] Rev.J.A.Beet, The Writings of John Exp.Times July. 1912 pp.449 ff

مطابق کسی کا " بیٹا" وہ ہوتا ہے [1] جس میں اُس کی ذات وصفات پائی جائیں۔ مثلاً " نور کا بیٹا" وہ ہے جو منور ہوچکا ہو اور دوسروں کو روشنی دینے کے قابل ہو" صلح کا بیٹا " وہ ہے جس کے دل میں شانتی ہو اور جہاں بھی وہ جائے اپنے ساتھ صلح اور امن کی فضا لے جائے۔ حضرت کلمتہ اللہ نے خود یہ استعارہ استعمال فرمایا ہے مثلاً براتی " دولہا خانہ کے بیٹے" ہیں (مرقس ۲: ۱۹)۔ زبدی کے بیٹوں کو آپ نے " گرج کے بیٹے" کا نام دیا (مرقس ۳: ۱۷)۔ " بادشاہت کے بیٹے" (متی ۸: ۱۲) جہنم کا بیٹا " (متی ۲۳: ۱۵)۔ " ہلاکت کا بیٹا" (یوحنا ۱۷: ۱۲)۔ " سلامتی کا بیٹا " (لوقا ۱۰: ۶)۔ اس جہان کے بیٹے" (لوقا ۱۶: ۸۔ ۲۰: ۳۴)۔ " نور کے بیٹے" (لوقا ۱۶: ۸)۔ " قیامت کے بیٹے" (لوقا ۲۱: ۳۶)۔ " نور کے بیٹے " (یوحنا ۱۲: ۳۶)۔ وغیرہ استعارے چاروں کی چاروں انجیلوں میں پائے جاتے ہیں ۔ مقدس پولوس بھی یہی یہودی محاورہ اصطلاحاً استعمال کرتا ہے مثلاً " نور کے بیٹے" دن کے بیٹے" (۱۔ تھسلنیکیوں ۵: ۵)۔ " نافرمانی کے بیٹے" (کلسیوں ۳: ۶)۔

حضرت کلمتہ اللہ کی اصطلاح میں ابنیت سے مراد" کسی کی ذات میں شریک ہونا ہے"۔ چونکہ آپ کی شراکت اور رفاقت خدا باپ کے ساتھ لاثانی قسم کی تھی پس قدرتی طورپر آپ نے اپنی ذات پاک کے لئے لفظ" ابن " اور" بیٹا" استعمال فرمایا۔ یہ لفظ صاف ثابت کرتا ہے کہ جو رفاقت ، قربت اور شراکت حضرت کلمتہ اللہ خدا باپ کے ساتھ رکھتے تھے ۔ وہ ایک ایسی حقیقت تھی جو سب کو مسلم تھی اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ اس حقیقت کا انکار کرے۔ پس اگر ہم اس اصطلاح (ابنیت) کے حقیقی مفہوم کو کماحقہ سمجھنا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ ہم اس کا مفہوم اس طورپر سمجھیں جس طرح سیدنا مسیح اس کو سمجھتے تھے۔ اور اس لفظ کی تاویل اس طور سے کریں جو سیدنا مسیح کے مفہوم کے مطابق ہو۔ چونکہ آپ کو یہ زبردست احساس تھا کہ خدا آپ کا خاص معنوں میں باپ ہے۔ پس وہ بھی خاص معنوں میں اپنے آپ کو بیٹا تصور فرماتے (یوحنا ۵: ۱۸۔ ۷: ۲۹۔ ۸: ۵۵۔ ۸: ۳۵۔ متی ۱۱: ۲۷ وغیرہ)۔ ابنیت کا یہ احساس اور علم آپ کے نزدیک حق الیقین کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ یہ علم اور احساس آپ کو بلاواسطہ حاصل تھا۔ یہ علم وجدانی جو عقلی دلائل اور منطقیانہ استدلال سے بالا اور بے نیاز تھا اور اس بلاواسطہ علم کی بنیاد یہ تھی کہ آپ کو رضائے الہیٰ کو کامل اور اکمل طورپر پورا کرنے کا ذاتی تجربہ حاصل تھا۔

---

[1] Manson Mission & Message of Jesus pp.681-682

انجیل نویس کے نزدیک یہ اصطلاح کوئی فلسفیانہ اصطلاح نہیں ہے۔ اس کے برعکس وہ اس اصطلاح کے استعمال سے ہرکس وناکس پریہ حقیقت واضح کردینا چاہتا ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کو خدا باپ کا علم وشعور بلاواسطہ حاصل تھا، جو بے نظیر اوربے عدیل تھا اوریہی وجہ تھی کہ آپ کی زندگی اورآپ کے کام بے مثال تھے جو خدا کی ذات میں شریک ہونے کی وجہ سے شعوری اور بے شعوری کی حالت میں آپ سے صادرہوتے تھے(یوحنا ۶: ۶۳- ۶: ۶۸-۱: ۳۲- ۱۰: ۳۸- مرقس ۵: ۳۰ وغیرہ)۔ان معانی اورمطالب کو ادا کرنے کے لئے انجیل نویس اپنی خاص اصطلاح "اکلوتا بیٹا" استعمال کرتاہے۔ جس طرح باپ وحدہ لاشریک ہے اسی طرح بیٹا " ابن وحید لاشریک ہے۔

ہم اس موضوع پر اپنے رسالہ کلمتہ اللہ کی تعلیم کے باب چہارم میں اوررسالہ " ابوتِ الٰہی کا مفہوم" وغیرہ میں مفصل بحث کرچکے ہیں۔لہذا یہاں اس بحث کو طول دے کر ناظرین کےوقت کو ضائع کرنا مناسب خیال نہیں کرتے۔

(۲۔) کلام یا لوگوس : کے تصورکا استعمال مقدس پولوس (کلسیوں ۱: ۱۵تا ۱۷- ۱کرنتھیوں ۸: ۶ وغیرہ)۔ اورمقدس یوحنا (۱: ۱تا ۱۴ وغیرہ)۔دونوں کرتے ہیں۔ ہم نے اس اصطلاح پر بھی اپنی کتاب نورالہدیٰ کی دوسری جلد میں باب چہارم کی فصل دوم میں مفصل بحث کی ہے۔ ناظرین کی توجہ اس بحث کی طرف مبذول کرنے پرہی اکتفا کرتے ہیں۔

(۳۔) ابن اللہ کا دنیا کی پیدائش سے پیشتروجود: انجیل چہارم میں آنخداوند اپنی ذات کی نسبت فرماتے ہیں" پیشتراس سے کہ ابراہام پیدا ہوا میں ہوں"(۸: ۵۸)۔ جو دعا آپ نے اپنی زندگی کی آخری رات خدا سے کی ،اس میں آپ نے کہا" اے باپ۔ تو اس جلال سے جو میں دنیا کی پیدائش سے پیشترتیرے ساتھ رکھتا تھا مجھے اپنے ساتھ جلالی بنا"(۱۷: ۵)۔ ان آیات میں حضرت کلمتہ اللہ اپنی کسی پہلی جوُن کا ذکرنہیں فرماتے بلکہ ایک ایسی زندگی کا ذکرکرتے ہیں جو مکان زمان کی قیود سے بلند وبالا ہے اوران قیود کے وجود میں آنے سے پیشتر موجود تھی۔ چنانچہ آپ ۸: ۵۸ میں نہیں فرماتے کہ" پیشتراس سے کہ ابراہام پیدا ہوا میں تھا"۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں " میں ہوں" اور" یہ میں ہوں" بجنسہ اسی قسم کا ہے ، جس قسم کے دعوے اس انجیل میں سیدنا مسیح کی زبانِ صداقت بیان سے نکلے ہیں۔ مثلاً " زندگی کی روٹی میں ہوں"۔ دنیاکا نورمیں ہوں"، " راہ ، حق

اورزندگی میں ہوں"۔ وغیرہ۔ ان دوآیات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ زندگی کس قسم کی تھی۔یہاں زندگی کی طوالت کا بتلانا مقصود نہیں بلکہ زندگی کی صفت کا بیان مقصود ہے[1]۔ یعنی جس طرح حضرت کلمتہ اللہ کی زندگی" حق ،" روٹی " ،" پانی" ، راہ، دروازہ ، قیامت وغیرہ تھی بعینہ اسی طرح آنخداوند کی زندگی ازل سے تھی اورخدا کی ازلی ذات میں سے تھی۔ یہاں " میں ہوں" کا مطلب اُس ذات سے ہے جس نے حضرت موسیٰ سے خطاب کرکے فرمایا تھا" میں ہوں جو ہوں"(خروج ۳: ۱۴)۔ اس زندگی کا تعلق زمانہ کے ساتھ نہیں تھا بلکہ ازل کے ساتھ تھا۔ اگرہم اس کو کسی اورمعنوں میں سمجھنا چاہتے ہیں تو ہم نہ صرف انجیل نویس پر ظلم کرینگے بلکہ سیدنا مسیح کے اصل مفہوم کو بھی نہیں سمجھ سکیں گے۔ جس طرح آنخداوند لفظی معنوں میں " روٹی ، پانی ، دروازہ وغیرہ نہیں ہیں اسی طرح آپ نے لفظی معنوں میں اس دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے پیدا ہوکر کوئی ایسی زندگی (جوُن) بسر نہیں کی تھی جو زمانہ میں تھی۔ بلکہ آپ کی یہ زندگی ازلی اورابدی زندگی تھی۔ ابدی زندگی کا یہ مطلب نہیں کہ وہ طوالت میں بے حد لمبی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ زندگی زمان ومکان کی قیود سے آزاد اوراُن سے پرے اوران سے بالا ہے۔ آنخداوند دینوی پیدائش سے پہلے اس ازلی وابدی زندگی کو خدا کے ساتھ رکھتے تھے۔ آپ اس قسم کی زندگی کا ذکر اپنے رسولوں سے اکثر اوقات کیا کرتے تھے(متی ۱۱: ۲۷تا ۲۸۔ یوحنا ۸: ۵۸)۔ یہودجو آپ کے سامعین تھے آپ کے اصل مفہوم کو نہ پاکر اس زندگی کو دنوں، مہینوں اورسالوں کے گزوں سے ناپتے تھے(۸: ۵۲تا ۵۷)۔ لیکن آپ کا منشا یہ تھاکہ ابدی زندگی کا تعلق سالوں اورزمانوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ ابد کے ساتھ ہے ، جس کا زمان ومکان کی قیود سے کسی قسم کا واسطہ اورتعلق نہیں ہے بلکہ اُن سے ورے ہے اوران سے بالا ہے(۵: ۲۴تا ۲۸ وغیرہ)۔ حضرت کلمتہ اللہ کوباپ کی ابُوت اورمحبت کا ایسا شعور اوراحساس تھا جو بے نظیر، بے عدیل اورلاثانی تھا۔ یہ زندگی کامل اوراکمل طورپر پایہ تکمیل کوپہنچ چکی تھی اوریہی ان آیات کا مطلب بھی ہے۔

یہی نکتہ دیگر اناجیل میں بھی پایا جاتاہے اوران اقوال میں موجود ہے جو رسالہ کلمات میں آنخداوند کی حین حیات میں ہی جمع کئے گئے تھے (متی ۱۱: ۲۵تا ۲۷۔ لوقا ۱۰: ۲۱تا ۲۲)۔پس یہ نکتہ تواریخی طورپر صحیح ہے اوراناجیل اس روحانی نکتہ کا متفقہ طورپر

[1] Ibid.pp. 684 – 686

اُس ابدی زندگی کی نسبت اعلان کرتی ہیں جو آنخداوند کی تھی اورجس کا احساس آپ کو تھا۔

(۴۔) ابنِ آدم: ہم سطوربالا میں بتلاچکے ہیں کہ خطاب" ابن اللہ " کوئی مجرد فلسفیانہ اصطلاح نہیں ہے بلکہ یہ خطاب ایک حقیقت کا حامل ہے۔ اسی طرح " ابن آدم" کی اصطلاح بھی کوئی فلسفیانہ اصطلاح نہیں ہے۔ حضرت کلمتہ اللہ نے اس کو اپنے لئے تجویز فرمایا۔ اورانجیل چہارم کا مصنف بھی اس کوآنخداوند کے لئے استعمال کرتا ہے تاکہ سب پر روشن ہوجائے کہ آنخداوند بے نظیر انسان کامل تھے۔ اس انجیل میں" ابن آدم" کا بعینہ وہی مطلب ہے جو آیت" کلام مجسم" ہوا(۱: ۱۴) کا ہے[1]۔ اوریہ مصنف اس اصطلاح کو استعمال کرکے عالم وعالمیان پر حُجت تمام کرکے کہتا ہے کہ وہ جو ابنِ آدم تھا وہی " ابنِ آدم" بھی ہے اور وہ جو الوہیت میں باپ کی ذات رکھتا ہے، انسانیت، میں انسانی ذات رکھتا ہے ۔ یہودی محاورہ کے مطابق جیسا ہم اوپربتلا چکے ہیں" ابنیت" سے مراد کسی شے کی ذات میں شریک ہونا ہے۔ پس انجیل نویس کا مطلب یہ ہے کہ کلمتہ اللہ الوہیت کے لحاظ سے ابن اللہ اور" خدا میں سے خدا" ہے اورانسانیت کے لحاظ سے " ابن آدم" ہے یعنی ہم انسانوں کی مانند ایک انسان ہے جو روحانیت کے بلند ترین اوج پر اکمل صورت میں سربلند ہے۔

اناجیلِ متفقہ یعنی پہلی تین انجیلوں میں یہ خطاب چالیس مقامات میں وارد ہوا ہے۔ ہم اپنی کتاب کلمتہ اللہ کی تعلیم کے باب چہارم میں ان مقامات پر مفصل بحث کی ہے۔ اورناظرین کی توجہ اس کتاب کی جانب منعطف کرتے ہیں۔ انجیلِ چہارم میں یہ خطاب بارہ مقامات میں استعمال ہوا ہے(۱: ۵۱، ۳: ۱۳تا ۱۴۔ ۵: ۲۷۔ ۶: ۲۷، ۵۳، ۶۲۔۸: ۲۸۔ ۱۲: ۲۳تا ۳۴۔ ۱۳: ۳۱)۔ ان مقامات کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ ان میں آنخداوند کی اس لاثانی رفاقت کا اظہار کیا گیا ہے جو آپ خدا باپ کےساتھ رکھتے تھے۔ پس انجیل نویس کا مطلب اس اصطلاح سے یہ ہے کہ خدا اورانسان کے درمیان کوئی وسیع خلیج حائل نہیں ہے بلکہ الوہیت نے مسیح کی انسانیت میں کامل اوراکمل ظہورپایا ہے۔ یہ مفہوم خودآنخداوند کے ذاتی تجربہ میں تھا اورایک چٹان جیسی مضبوط اورپائدار حقیقت پر مبنی تھا۔ یہی تجربہ انجیل چہارم کے لکھنے والے کا ہے جس کو وہ اس اصطلاح کے استعمال سے عالم وعالمیان پر ظاہرکرنا چاہتا ہے۔ یہی تجربہ ہر

---

[1] Ibid.pp. 683- 684.

ایمان دارکا ہے کیونکہ ہر ایمان دار کا یہ تجربہ منجئی عالمین کے تجربہ کی صدائے بازگشت ہے۔

اب ناظرین پر آشکارا ہوگیا ہوگا کہ چاروں کی چاروں انجیلیں آنخداوند کی ذات کی نسبت ایک ہی بات مانتی ہیں۔ جو مقدس یوحنا کہتا ہے اُسی حقیقت کی دیگر انجیل نویس منادی کرتے ہیں اورجو عقیدہ دیگر انجیل نویس آنخداوند کی ذات کی نسبت رکھتے ہیں اسی کا اعلان مقدس یوحنا اپنے خصوصی طرز میں مختلف اصطلاحات کے ذریعہ کرتا ہے ۔ پس اس معاملہ میں بھی چاروں کے چاروں انجیل نویس ایک دوسرے کی تائید اور تصدیق کرکے اناجیل اربعہ کی قدامت اوراصلیت کے گواہ ہوجاتے ہیں ۔ عقل سلیم کو بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اس قسم کی شہادت کو قبول کرے۔

باب پنجم

انجیلِ چہارم کی تاریخی صحت اورپایہ اعتبار

انجیل چہارم کے مصنف کا یہ دعویٰ ہے کہ جو انجیل اُس نے تصنیف کی ہے وہ تواریخی پہلو سے صحیح ہے(۲۱: ۲۴)۔ انجیل کی اندرونی شہادت اس کے دعوےٰ کی مصدق ہے اور زبان حال سے پکارکر کہتی ہے کہ اس کا مصنف ایسے واقعات کا بیان کرتا ہے جو تواریخی ہیں اورکہ حضرت کلمتہ اللہ کے جو کلمات اُس میں درج ہیں وہ آپ کی زبانِ حقیقت ترجمان سے ہی نکلتے تھے۔

ہم باب دوم میں ثابت کرآئے ہیں کہ اس انجیل کا مصنف ان واقعات کا ، جن کو وہ لکھتا ہے ، خود چشم دید گواہ ہے۔اس کی تصنیف سے یہ عیاں ہے کہ اس کو یہ احساس تھاکہ وہ خود ایک بااختیارسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گو اس کے سامنے انجیل مرقس تھی جس کے خاکہ پراُس کی انجیل کی بنیاد ہے، تاہم بعض اوقات (جیسا ہم باب سوم میں بتلاچکےہیں) وہ اس سے اختلاف کرتا ہے۔ اوراپنا بیان اس کے مقابل دیدہ وہ دانستہ پیش کرتا ہے۔ پس اس کو یہ احساس تھاکہ وہ خودایک ایسی ہستی ہے جو بااختیار اور مستند

ہے اورجس کو اختلاف کرنے کا حق حاصل ہے۔ اگر اس کو یہ احساس نہ ہوتا تو وہ مرقس جیسی مقبول عام اورمستند انجیل سے اختلاف کرنے کا خیال بھی نہ کرتا بلکہ غلامانہ طورپر اس کی پیروی کرکے وہی لکھتا جو انجیلِ مرقس میں درج ہے[1]۔

ہم باب دوم میں بتلاچکے ہیں کہ مقدس یوحنا نے منجئی جہان کا مکمل زندگی نامہ لکھنے کے لئے قلم نہیں اٹھایا تھا۔ وہ آنخداوند کی زندگی کے چند ایسے واقعات کو منتخب کرتا ہے جو اس کے مقصد کے مطابق صحانہ اورپند آموز تھے۔ ہر معجزہ کسی نہ کسی روحانی نصحیت کی خاطر منتخب کیا گیا ہے جس کے بعد مکالمہ ہے جومعلمانہ حیثیت رکھتا ہے۔ پس اس انجیل میں تواریخی واقعات اوراخلاقیات وروحانیت کو یکجا وابستہ کردیا گیا ہے۔ اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ اس انجیل کی تعلیم محض ناصحانہ نہیں اور نہ اس کی بنیاد مجردِ تصورات پر ہے بلکہ یہ انجیل حضرت کلمتہ اللہ کے معجزاتِ بینات اورکلماتِ طیبات کی تواریخی چٹان پر قائم ہے[2]۔

[1] Sanday,Criticism of the Fourth Gospel p.143
[2] G.H.C Macgregor, The Gospel of St. John p.XX11

(۱)

قریباً ایک صدی کی بحث وتمحیص کے بعد اب تقریباً تمام علماء اورنقاد اس نتیجہ پر اتفاق کرتے ہیں[3] کہ جو مکالمات انجیلِ چہارم میں درج ہیں وہ بڑی حد تک صحیح بیانات پر مبنی ہیں۔ خواہ یہ بیانات زبانی تھے اورخواہ وہ تحریری ماخذ تھے۔ حضرت کلمتہ اللہ کا یہ وطیرہ تھاکہ آپ سامعین کی " سمجھ کے مطابق اُن سے کلام" کیا کرتے تھے (مرقس ۴: ۳۳)۔ پس جب آپ تقدس اورعلم وفضل کے گڑھ شہر یروشلیم میں تشریف لاتے تھے تو اپنے سامعین کے علم وعقل کے مطابق اُن سے خطاب کرتے تھے۔ مثل مشہور ہے تکلمو الناس علیٰ قدرعقو لھمہ"۔ پس آپ یروشلیم کے کاہنوں اورفاضلوں کے گروہ سے اس قسم کا کلام نہیں کرتے تھے جس قسم کا گلیل کے دُور افتادہ صوبہ کے دہقانوں اورمچھوؤں سے کرتے تھے۔ اور گوانجیل نویس نے ان مکالمات کی اپنے خصوصی طرز کے مطابق تاویل کی ہے لیکن یہ حقیقت ہر مقام میں عیاں ہے کہ ان مکالمات کا موقعہ اورمحل، ماحول اورالفاظ سب اصل ہیں[4]۔

[3] J.A.M.Clymont, St. John (Cent. Bible 1922) pp.36.
[4] H.H.Wendt. The Gospel According to St.John.p.66

ان مکالمات کی صحت اوراصلیت اس سے بھی ثابت ہے کہ دیگر اناجیل میں بھی نہ صرف ایسی تعلیم پائی جاتی ہے جس کا تعلق ہماری عملی زندگی کے ساتھ ہے بلکہ ان میں بھی عارفانہ اور متصوفانہ کلام موجود ہے ، جو رموزِ نہانی پر مشتمل ہے (متی۱۰: ۳۲تا آخر۔ ۱۱: ۲۵تا آخر۔لوقا ۱۰: ۲۱، ۲۲ وغیرہ)۔ جب اس قسم کے کلام نے ان اناجیل میں جگہ پالی جو صرف گلیل کے واقعات کا ہی بیان کرتے ہیں اور جو مختصر ہیں تو یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے کلمات جو باطنی اسرار پر مشتمل ہیں ، وہ عارضی یا سرسری اور ضمنی قسم کے نہیں تھے بلکہ آنخداوند کی تعلیم کا ایک اہم حصہ اور جزو لا ینفک تھے[1]

اسی طرح اناجیلِ متفقہ کے سے پرُ مغز اورمختصر کلمات انجیل چہارم میں بھی جا بجا ملتے ہیں مثلاً " جب تک کوئی نئے سرے سے پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہی کو دیکھ نہیں سکتا "(۳: ۳) " زندگی کی روٹی میں ہوں " جو اپنی جان کو عزیز رکھتا ہے وہ اسے کھوئیگا اورجودنیا میں اپنی جان سے عداوت رکھتا ہے وہ اُسے ہمیشہ کی زندگی کےلئے محفوظ رکھیگا"۔ " دنیا کا نور میں ہوں"۔ اگر کوئی پیاسا ہے تو میرے پاس آئے اورپیئے" وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ اقوال تورایخی ہیں اورآنخداوند کے اپنے منہ سے نکلے ہیں۔ اناجیل اربعہ کے لکھنے والے ان مختصر، سادہ اورپرُمغز اقوال کو احاطہ تحریر میں لے آئے کیونکہ اہل یہود میں پشت ہاپشت سے یہ دستور چلا آنا تھا کہ وہ ہر ممکن طور سے یہ کوشش کرتے تھے کہ اپنے " داناؤں " کے لطیف اقوال کے الفاظ کو محفوظ رکھیں۔ پس ظاہر ہے کہ یہ اقوال تواریخی طورپر صحیح ہیں۔

یہ امرقابلِ غور ہے کہ سیدنا مسیح کے کلامِ بلاغت نظام کے متعلق بھی اناجیل اربعہ میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اورچاروں کی چاروں انجیلوں میں (جیسا ہم ابھی بتلاچکے ہیں) عارفانہ اور متصوفانہ کلام پایا جاتاہے اوراس کے ساتھ مختصر پرُ مغز کلمات بھی پائے جاتے ہیں ۔ اس یک جہتی سے ثابت ہے کہ چاروں انجیلوں میں حضرت کلمتہ اللہ کے کلمات بعینہ ویسے ہی محفوظ ہیں جیسے وہ آپ کے مبارک منہ سے نکلے تھے۔ اگراناجیل میں یک رنگی نہ پائی جاتی تواس بات کا احتمال ہوتا کہ یہ کلمات محفوظ نہیں ہیں۔ لیکن یہ یک رنگی نہ صرف عام طورپر اناجیلِ اربعہ میں ہی پائی جاتی ہے بلکہ ہر انجیل کے خصوصی ماخذوں میں بھی (جو قدیم ترین زمانہ

---

[1] Macgregor,Op, Cit p.XV111

میں لکھے گئے تھے)پائی جاتی ہے اوران کلمات کی صحت اوراصلیت کی گواہ ہے ۔

علاوہ ازیں اناجیل اربعہ میں ہر انجیل نویس یہ بتلاتا ہے کہ آنخداوند کے بعض کلمات کو شاگرد اُن اقوال کے فرمائے جانے کے وقت نہ سمجھے اورگو ان کلمات کو کسی نے نہیں سمجھا تھا تاہم وہ اقوال وکلمات اناجیل میں محفوظ ہیں۔(متی ۱۵: ۱۵۔ ۱۶: ۹۔ ۱۳: ۳۶۔ مرقس ۷: ۱۴۔ ۸: ۱۷۔ ۹: ۳۲۔ ۶: ۵۲۔ لوقا ۱۸: ۳۴۔ ۹: ۴۵۔ ۲۴: ۲۵۔ یوحنا ۱۰: ۶۔ ۱۲: ۱۶۔ ۱۶: ۱۷ وغیرہ)۔ ان اُمور سے ظاہر ہے کہ یہ کلمات اصلی ہیں اورچونکہ وہ آنخداوند کے فرمودہ تھے، وہ قلمبند کئے گئے ، گو شاگردان کا مطالب نہیں سمجھتے تھے۔ بعض اقوال کا اصل مطلب شاگرد بعد میں سمجھے (یوحنا ۲: ۱۹۔ ۱۲: ۱۶۔ لوقا ۲۴: ۸ وغیرہ)۔لیکن پہلے وہ اقوال بجنسہ ماخذوں میں احاطہ تحریر میں آگئے تھے۔ یہ حقیقت ان اقوال کے اصلی اور صحیح ہونے کی شاہد ہے۔

مرحوم یہودی مصنف آئی ۔ ابراہام اپنے علم وفضل کے لئے چاردانگ عالم میں مشہور ہے۔ اس نے ایک مضمون میں نہ صرف اپنی رائے کا بلکہ دیگر یہودی علماء کے خیالات کا بھی اظہار کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انجیل چہارم کے تمام مکالمات کی فضا، تشکیل اور ترتیب ، سب کی سب ، یہودی ہے جن میں یہودی خصوصیات موجود ہیں جو اُن کی صحت پر دلالت کرتی ہیں ۔ یہ فاضل روزگار لکھتا ہے[1]۔ " عہدِ جدید کے یہودی نقادوں کی تصنیفات میں ایک نہایت قابلِ غورامر یہ ہے کہ وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اناجیل میں پہلی صدی کے پہلے نصف کے زمانہ کی جو تصویر اہلِ یہود کی بیرونی زندگی کی پائی جاتی ہے، وہ درُست اورصحیح ہے۔ اورجہاں کسی قسم کا اختلاف ملتا ہے یہ یہودی نقاد ثابت کرتے ہیں کہ نقص انجیل کی کتب کے متن میں نہیں ہے بلکہ اس کی تاویل کرنے والے موجودہ زمانہ کے مفسروں کا قصور ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر گڈمین،ڈاکٹر بخلر، ڈاکٹر شیکٹر، ڈاکٹر چولسن، ڈاکٹر مارمورسٹین[2]۔ سب یہی بات ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ تالمود بھی بعض ایسی تفصیلات کی تائید اور تصدیق کرتا ہے جن کو چند مسیحی مفسرین مشکوک گردانتے تھے۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہودی مصنفین بیک آواز دلائل اوربراہین سے یہ ثابت کررہے ہیں کہ انجیل چہارم کے مکالمات صحیح اورقابلِ اعتبار ہیں بالخصوص جب ہم اُن حالات

---

[1] Abraham Essay"Rebbinic Aids to Exegeis "in Cambridge Biblical Essays p.181

[2] Dr.Gudemans, Dr.Bucher, Dr.Schechter, Dr. Chowlson, Dr.Marmorstein.

کو مدِ نظر رکھتے ہیں جن میں یہ مکالمات یسوع کی زبان سے نکلے تھے۔ یہودی علماء نے صرف حال ہی میں عہدِ جدید کی باریکیوں کی جانب توجہ کرنی شروع کی ہے اورہمیں اُمید ہے کہ ان حکماء کے نتائج اوربھی فائدہ مند ثابت ہونگے۔

"مکاؤل یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ربیوں کے علم ادب کی کتابوں کا مطالعہ انجیل کے اکثر حصوں کی صحت کی تصدیق کرتا ہے ۔ دورِ حاضرہ کے یہودی نقاد جنہوں نے اپنے عمر گرانمایہ عہدِجدید کے مطالعہ میں صرف کردی ہے، اپنی تصنیفات میں یہ حقیقت ثابت کردیتے ہیں کہ اناجیل اربعہ میں قومِ اسرائیل کی زندگی کی جو تصویر موجود ہے، وہ نہایت صحیح ہے۔ بلکہ ہم کو تعجب ہوتا ہے کہ جہاں بعض مسیحی نقاد بعض تفاصیل کو بزعمِ خود غلط تصورکرتے ہیں وہاں یہ چوٹی کے یہودی علماء ثابت کررہے ہیں کہ وہ تفاصیل درست اورصحیح ہیں ! اورکہ مسیحی نقاد غلطی پر ہیں!! سب سے زیادہ عجیب اور قابل غور بات یہ ہے کہ یہ یہودی مصنفین قوی دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ انجیل چہارم کے مکالمات صحیح ہیں اورجن حالات اورسیاق وسباق میں وہ بولے گئے تھے،اُن کالحاظ رکھ کراُن کی صحت میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی"۔

جب ہم پہلی صدی مسیحی کے یہودی مصنفوں کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں توہم پر یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ کتُب انجیل چہارم کے مختلف حصص کی صحت کے گواہ ہیں اوراس کے بیانات کی تائید وتصدیق کرتی ہیں۔ مثلاً ان کتُب سے ہم کو یہ علم ہوجاتا ہے کہ اہل یہود کا یہ خیال تھا کہ مسیح موعود کا وجودبنائے عالم سے پیشتر موجود تھا اورکہ مسیح موعود عدالت کریگا۔ ان یہودی کتابوں سے یہ پتہ بھی چل جاتا ہے کہ مسیح موعود کا جو تصوراہل یہود کے اذہان میں تھا وہ اُس تصور سے مختلف تھا جو انجیلِ چہارم کے مطابق حضرت کلمتہ اللہ کے ذہن میں تھا[1]۔

رینان جیسا نقاد یہ تسلیم کرتا ہے کہ نیکدیمس ایک حقیقی شخص تھا جس کو سیدنا مسیح نے ملاقات کا شرف بخشا تھا(۳باب) وہ یہ بھی کہتا ہے کہ " انجیل چہارم کے مکالمات میں تواریخی عناد موجود ہیں مثلاً ۲باب میں تاریخی عنصر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس سامری عورت کا مکالمہ میں آیات ۲۱تا ۲۳ میں تاریخی عناصرہیں اورآخری مکالمات آنخداوند کے منہ کے فرمائے ہوئے ہیں۔ وہ یہ سوال کرتا ہے کہ جب انجیل کا مصنف لکھتا ہے کہ" فلپس

---

[1] A.E.Brooke,"The Historical Value of the Four Gospels" in Cambridge Biblical Essays pp. 291-328

، اندریاس اورپطرس کے شہر بیت صیدا کا باشندہ تھا ، (۱: ۴۴) تو ان ناموں میں کون سے مثالی معنی پنہاں ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ یہ امر کہ ہجوم مسیح کو بادشاہ بنانا چاہتی تھی بظاہر تواریخی نظر آتا ہے۔

مصنف انجیل کو یہ احساس ہے کہ جو وہ اس کے ساتھ رسول بتلاتے ہیں وہ حقیقی تواریخی واقعات ہیں جو اُن کے آقا کی زندگی میں پیش آئے تھے اورکہ ان تواریخی واقعات کے ذریعہ اُن کے آقا کا جلال ظاہر ہوا ۔جو کلمتہ اللہ اورابن اللہ تھا جس نے خدا کو دنیا پر ظاہر کیا اورجس کے ذریعہ خدا نے اپنے آپ کو کامل اور اکمل طورپر دنیا پر ظاہر کیا(۱۴:۹)۔

(۲)

ڈاکٹر ڈرمنڈ نے نہایت عرق ریزی کے ساتھ انجیل چہارم کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ قابل نقاد اس انجیل کے مصنف کے پایہ اعتبار پر مبسوط بحث کرکے انجیل کی تواریخی صحت کو ثابت کرتا ہے۔ اس انجیل کا مصنف اپنے بیانات میں موسموں اوردنوں کی تخصیص کرتا ہے اوراس تخصیص کا بظاہر کوئی سبب نظرنہیں آتا سوائے اس حقیقت کے کہ یہ دن اور موسم مصنف کو یا دہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو وہ ساعت اور گھڑی بھی بتلادیتا ہے۔جب کوئی رسول آنخداوند سے خطاب کرتا ہے یا کوئی سوال پوچھتا ہے تو وہ اس کا نام بھی بتلادیتا ہے ، حالانکہ بعض اوقات وہ سوال کوئی خاص معنی نہیں رکھتا ۔ انجیل کا مصنف نہ صرف اوقات اور اشخاص کی ہی تخصیص کرتا ہے بلکہ مختلف جگہوں اور مقاموں کی تخصیص کرکے اُن کے نام بھی بتلاتا ہے ، جہاں مختلف واقعات پیش آئے تھے۔ ان کا بھی بظاہر کوئی سبب نظرنہیں آتا سوائے اس کے کہ مصنف کو وہ نام یاد تھے۔ حق تو یہ ہے کہ انجیل کے بیانات ایسے واضح ہیں کہ ان کاسماں آنکھوں کے سامنے بندھ جاتا ہے۔

یہ تفصیلات ثابت کرتی ہیں کہ یہ واقعات فوراً بعد میں کسی روزنامچہ میں لکھے گئے تھے جس کو بعد کے زمانہ میں انجیل نویس نے اپنا ماخذ بنایا۔ کیونکہ اس قسم کی تفصیلات امتدادِ زمانہ کے بعد نہ تو یاد رہتی ہیں اورنہ ان کو اہم سمجھا جاتا ہے۔

باب ۱۱: ۵۵تا ۵۷ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ مصنف یہود کے دستورات سے خود بخوبی آگاہ تھا۔چنانچہ ربی اضحاق کا قول اس کی تائید کرتا ہے کہ" ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ عید کے موقعہ پر اپنے آپ کو پاک کرے " علاوہ ازیں ۲: ۶۔ ۳: ۲۵۔ ۱۸: ۲۸۔ وغیرہ مقامات (جہاں طہارت کے دستوروں کا ذکر ہے (یہود کے دستوروں سے

مطابقت رکھتے ہیں ۔ یہ مقامات اس نظریہ کی (جس کا ہم آگے چل کر باب ہفتم کی فصل دوم میں ذکر کرینگے)۔ تائید کرتے ہیں کہ اس انجیل کا مصنف خود کہانت کے طبقہ سے تعلق رکھتا تھا اور آنخداوند کی صحبت سے اکثر فیض یاب ہوتا تھا۔ وہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کے شاگردوں سے بخوبی واقف تھا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مصنف کی یہ عادت تھی کہ ان بھیڑوں اورہجوموں میں ملتا تھا جوآنخداوند کو ہر وقت گھیرے رکھتی تھیں۔ پس وہ اُن کے خیالات سے اوراُن کی رائے زنی سے بخوبی واقف تھا(یوحنا ۷: ۲۵تا ۳۳ وغیرہ)۔ انجیل کے بیانات سے ظاہر ہے کہ لکھنے والا چشم دید گواہ ہے اورکوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے رسولوں کے شاگردوں سے یا شاگردوں سے یعنی " تبع تابعین" سے کسبِ علم کیا تھا اورتیسری پشت میں کتابیں پڑھ کر اوراپنی قوتِ متخیلہ اورقیاس پر زورلگاکریہ تمام باتیں لکھ لی تھیں۔ کیونکہ ہیکل کی تباہی (۷۰ء) کے بعد پاکی اورناپاکی کے قواعد جن کا تعلق قربانیوں کے ساتھ تھا، ختم ہوچکے تھے۔

باب ۲: ۲۰ کی مدت کی ضمنی تفصیل سے بھی یہی نتیجہ مستنبط ہوتا ہے۔ یروشلیم کی ہیکل ۱۹ سن قبل مسیح شروع ہوئی تھی اورقیصرنیرو کے عہدِ حکومت میں ختم ہوئی یعنی ۲۷ء میں جو انجیل چہارم کی تاریخ کے عین مطابق ہے۔ کیا یہ امر قرین قیاس ہوسکتا ہے کہ کسی شخص نے پہلی صدی کے آخر میں بیٹھ کر حساب لگایا ہواورپھر یہ آیت لکھی ہو۔ اس قسم کی متعدد مثالیں انجیل کی قدامت ، تاریخی صحت اورپایہ اعتبار کی شاہد ہیں اورزبانِ حال سے پکا رکر کہہ رہی ہیں کہ مصنف اُن باتوں کو لکھ رہا ہے جو اُس نے اپنے کانوں سے سنی تھیں اوراپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں۔ اورکہ یہ باتیں واقعات کے ستراسی سال بعد نہیں لکھی گئی تھیں بلکہ اس سے مدتوں پہلے لکھی گئی تھیں۔

ہیکل کے دو مقامات کا ذکر خاص طورپر آیا ہے(۸: ۲۰ اور۱۰: ۲۳)۔ یہ مقامات ہیکل کی آتشزدگی کے بعد کھنڈرات ہوگئے تھے۔ اور ۷۰ء کے بعد ان کی تخصیص ناممکن تھی۔صرف وہی شخص ان مقامات کو جان سکتا تھا جو مصنف کی طرح خود اُن کا چشم دید گواہ تھا۔

ہم باب سوم میں آنخداوند کے مصلوب ہونے کے دن کی صحت کا ذکر کرچکے ہیں ۔ انجیل چہارم کے مصنف کی تاریخ کی صحت میں کسی قسم کا کلام نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ قرین قیاس نہیں

کہ یہودی روساء جیسے کٹر لوگ ۱۴۔ نیسان کی رات کو فسح کا کھانا کھاکر منجئی جہان کو گرفتار کرتے، عدالت کو بُلاتے ، پلاطوس سے موت کا فیصلہ حاصل کرتے اورآپ کو فوراً مصلوب کئے جانے کا مطالبہ کرتے ۔ اورپھر یہ سب باتیں وہ عیدِ فسح کے پہلے دن کرتے جب شریعت کے مطابق اُن کے لئے ایک ہفتہ تک کام کرنا حرام تھا(خروج ۱۲: ۱۶)۔ ہم بتلاچکے ہیں کہ انجیل مرقس کے مطابق ارمتیاہ کےیوسف نے مہین کپڑا مول لیا تھا تاکہ وہ منجئی کے مبارکِ لاشہ کو کفنائے۔ یہ حقیقت مقدس یوحنا کے بیان اورتاریخ کے مطابق ہے کیونکہ ۱۵نیسان کو آدھی رات کپڑے کی خریدوفروخت ناممکن تھی[1] علیٰ ہذا لقیاس ۱۹: ۳۱ کی تفصیلات بھی تاریخ کی صحت کی شاہد ہیں کیونکہ یہ دن ۱۵۔ نیسان کا دن تھا، جو احبار۲۳: ۷ کے مطابق " مقدس مجمع" کا دن تھا۔ چونکہ یہ سبت کا دن تھا لہذا اس دن کو دُگنا احترام حاصل تھا۔

انجیلِ چہارم میں یہودی پارٹیوں کی حالت بھی تواریخی حقیقت کے مطابق ہے[2]۔ یروشلیم کی تباہی کے بعد ان پارٹیوں کی حالت کا علم ہی نہیں ہوسکتا تھا ،کیوں کہ یہودی قوم کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ لیکن آنخداوند کے زمانہ میں ان کی تنظیم زبردست تھی۔ فریسیوں اورفقہیوں کی پارٹیوں کے صدرمقام شہریروشلیم میں تھے، اور صدرعدالت میں دونوں پارٹیوں کے ممبر تھے۔ صدوقیوں کے ہاتھوں میں طاقت تھی اوراُن کو صدرِعدالت میں اکثریت حاصل تھی لیکن عوام الناس فریسیوں کے ساتھ تھے اوراُن کو مذہبی رسوخ بہت زیادہ حاصل تھا۔ انجیل چہارم میں ان دونوں پارٹیوں کی ہوبہو یہی تصویر ہم کو نظر آتی ہے (۱: ۲۴۔ ۱: ۱۹۔ ۷: ۴۵تا ۵۴) اوریہ امر انجیل کی صحت اورپایہ اعتبار کا گواہ ہے۔

آیات ۱۱: ۴۷تا ۵۰میں جس خدشہ کا ذکر ہےوہ بھی ایک تواریخی حقیقت ہے۔ کیفا نے ہشیاری اورچالبازی سے کام لے کر ایسے الفاظ استعمال کئے جو فریسیوں کو خاص طورپر اپیل کرتے تھے۔

باب ۱۸: ۲۸تا ۳۲ میں فاتح رُومی حکمرانوں اورمفتوح یہودی لیڈروں کے سیاسی تعلقات کا ذکر ہے جو تالمود کے مطابق صحیح ہے۔ چنانچہ تالمود میں آیا ہے کہ یہودیوں سے سزائے موت دینے کے اختیارات محاصرہ سے چالیس سال پہلے چھن گئے تھے۔ انجیل نویس کو اس میں بھی خدا کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ تاکہ حضرت کلمتہ اللہ

[1] Wendt Gospel According to St. John p. 113
[2] Sanday, Criticism of the Fourth Gospel pp.117-144

کے الفاظ پورے ہوں کہ آپ رومی طریقہ کے مطابق مصلوب کئے جائینگے اوریہودی طریقہ کے مطابق سنگسارہوکرنہیں مرینگے۔

باب ۱۹: ۱۳تا ۱۵ میں بھی تاریخی حقیقت کی جھلک ہم کو نظر آتی ہےکیونکہ قیصر طبریاس اپنے عہدِ حکومت کے آخری حصہ میں اس بات کا نہایت خواہشمند تھا۔ اورتقرری کے وقت وہ اس بات کا خاص خیال رکھتا تھا کہ اس کے گورنراُس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہوں اورپلاطوس اپنے ظلم واستنبدار کی وجہ سے (جیسا ہم اپنے رسالہ توضیح العقائد میں مفصل بیان کرچکے ہیں) قیصر کی نظروں میں گرگیا تھا۔

۱۹: ۱۳ میں ہے " پلاطوس یہ باتیں سن کر یسوع کو باہر لایا اوراس جگہ جو چبوترہ اورعبرانی میں گبتا کہلاتی ہے تختِ عدالت پر بیٹھا" ۔ یونانی لفظ کا مطلب پتھر کا فرش اورارامی لفظ "گبتا" کا مطلب "اونچا خطہ" ہے۔ مفسر عموماً یہ خیال کرتے تھے کہ یہ پتھر کے فرش کا اونچا خطہ پریٹوریم میں ہے گو مصنفِ انجیل یہ نہیں کہتا! پس مفسروں کی رائے کی بنا پر اس انجیل کا جغرافیہ غلط خیال کیا جاتا تھا لیکن ایل ۔ ایف ۔ ونسنٹ کی انکشافات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ مفسر غلطی پر تھے اورانجیل کا جغرافیہ صحیح ہے !اُس نے یہ ثابت کردیا ہے کہ پتھروں کا یہ عالیشان چبوترہ دوہزارپانچ سومربع میٹر ہے(ایک میٹر کا طول ۳۷ انچ ہوتا ہے)۔یہ چبوترہ انٹونیا کے برُج کا صحن تھا جوایک اونچی سطح پر واقع ہے، جس کی وجہ سے اس کو "گبتا" کہا جاتا تھا ۔ یوں آثارِقدیمہ نے انجیل یوحنا کے یونانی اورارامی ناموں کی تصدیق اورانجیلی بیان کی صحت ثابت کردی ہے۔

اس انجیل میں بعض نہایت خفیف اورتفصیلی باتیں ہیں جن کا ضمنی طورپر ذکرہوا ہے لیکن اس انجیل کی تاریخی صحت اورپایہ اعتبار کو معلوم کرنے کے لئے وہ نہایت کام کی باتیں ہیں۔ مثلاً سامری عورت کے بیان میں ہے کہ "کنواں گہرا تھا"(۴: ۱۱)۔ اس کی گہرائی ۷۵فٹ تھی۔حضرت یعقوب کا ذکر نہایت سادہ اور قدرتی ہے اورروایت کو بھی سادگی سے مبالغہ کے بغیر بیان کیا گیا ہے(۴: ۹۔ الخ)۔

چھٹے باب میں کفرناحوم کے یہود کا بیان بھی نہایت سیدھا اورقدرتی ہے۔ اس کے الفاظ یہود کی فطرت کو ظاہر کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ یہ بیان تواریخی طورپر صحیح ہے۔ ۷: ۱۵میں یہود کی حیرت بھی نہایت قدرتی ہے۔ ارضِ مقدس میں ربیوں کو ہر جگہ اقتدار اوررسوخ حاصل تھا جو ۷۰ء کے بعد ختم ہوگیا تھا۔ پس یہ بیان

انجیل کی اصلیت کا گواہ ہے ۔ باب ۸: ۴۸تا ۵۰ سے بھی صاف ظاہر ہے کہ مصنف اُن واقعات اوربیانات کا چشم دید گواہ ہے جو آنخداوند اورقومِ یہود کے مابین واقع ہوئے۔ ۹باب کے الفاظ اور تصورات بعینہ وہی ہیں جوآنخداوند کے زمانہ میں مروج تھے۔

(۳)

(۱۔) انجیل چہارم کی تاریخی صحت اورپایہ اعتبارکو جانچنے کا ایک اورطریقہ یہ ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ آیا انجیلِ مرقس کے الفاظ " اقوال " بیانات کے مطالب ومقاصد انجیل چہارم کے مطالعہ کے بعد زیادہ روشن اورواضح ہوجاتے ہیں یاکہ نہیں۔ اس کسوٹی کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان دونوں انجیلوں کے بیانات کے معانی اور مطالب ایک دوسرے کو منورنہیں کرتے بلکہ وہ بغیرکسی پیوستگی کے الگ الگ اوربے جوڑ ہی رہتے ہیں اورایک دوسرے سے غیر متعلق نظرآتے ہیں ، ایسا کہ وہ متضاد ٹکڑاؤں کی طرح غیرمربوط ہوکر جداگانہ ہستی رکھتے ہیں تو ظاہر ہے کہ انجیل مرقس تواریخی سمجھی جائیگی اورانجیل یوحنا فلسفیانہ تصورات اورصوفیانہ مثالی اور مجازی کلام کا مجموعہ سمجھی جائے گی، جس میں تواریخی واقعات کو دخل نہیں مثلاً اگر مقدس مرقس کے معجزات ، نابیناؤں کو بینائی کا عطا ہونا وغیرہ صرف اعجازہی تھے اوربس اوروہ آیات اللہ اورنشانات نہیں تھے یعنی جسمانی شفا کے علاوہ کسی قسم کے کوئی مطالب ومعانی کے حامل نہیں تھے تب انجیل چہارم کا مصنف غلطی پر ہے جواُن معجزات کو کلمتہ اللہ کے جلال کی نشانیاں قرار دیتا ہے ، جن کے ذریعہ لوگ آپ پر ایمان لاتے تھے(۲: ۱۱۔ ۱: ۱۴۔ ۲: ۱۸تا ۲۲ وغیرہ)۔ یہ مصنف جسمانی شفا کے معجزہ کو روح کی شفا سے متعلق کرتاہے۔ اگر یہ مصنف اس معاملہ میں غلطی پر ہے تو حضرت کلمتہ اللہ کا مشن محض خدا کی بادشاہت کے اعلان کرنے والے کا ہی رہ جاتا ہے اوربس۔ یوں آپ کا شمارصرف انبیائے یہود کی قطارمیں ہی ہوسکتا ہے اورآپ کا درجہ دیگر انبیاء کی طرح محض ایک معلم اورنبی کا ہی رہ جاتاہے۔ آپ کے دعوے کہ " میں دنیا کا نور ہوں"، " زندگی کی روٹی میں ہوں"،" راہ، حق اورزندگی میں ہوں" وغیرہ محض بے حقیقت ہوجاتے ہیں ، جوکسی مجذوب کی بڑسے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتے ۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ انجیلِ چہارم کے مفہوم کی روشنی میں سیدنا مسیح کے وہ زرین اقوال، سوانح حیات ، معجزات ، صلیبی موت ظفریاب قیامت اور صعود کے واقعات(جن کا ذکر انجیل

مرقس اوردیگر اناجیل میں ہے) سب کے سب منور اور روشن ہوجاتے ہیں۔انجیل چہارم کا مفہوم ان سب کو ایک نظام میں ایسا منظم کردیتا ہے ،کہ سب کی سب انجیلیں ایک دوسرے کے مطالب ومعانی کو واضح اور روشن کردیتی ہیں۔ باب چہارم میں ہم واضح کرچکے ہیں کہ انجیل مرقس کے بعض اقوال انجیل یوحنا کے بیانات کے مرکز ہیں اوران کے گرد محور کی طرح گھومتے ہیں۔ انجیل چہارم کا مفہوم اُن کو روشن اور منور کردیتا ہے۔ ایساکہ وہ بیانات اوراقوال الگ الگ بے جوڑ ایک دوسرے سے جدا نہیں رہتے بلکہ اُن کی یک جہتی اناجیل اربعہ کو باہم مربوط اورمنظم کردیتی ہے ۔ جس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ چاروں انجیلوں کی بنیاد تاریخ کی مضبوط چٹان پرقائم ہے۔

یہاں ایک اور امر قابلِ غور ہے۔ اناجیلِ متفقہ میں سیدنا مسیح فطرت کا اشیاء کا ذکر کرکے اُن سے سبق اخذ کرتے ہیں، انجیل یوحنا میں بھی آپ کا یہی طرزِعمل ہے۔ مثلاً انگور کے درخت کی تشبیہ، روحِ القدس کے لئے ہوا کی مثال وغیرہ(۳: ۸۔ ۴: ۳۸۔ ۷: ۳۷۔ ۸: ۱۲۔ ۱۵: ۱ وغیرہ)۔ علیٰ ہذا القیاس اس اناجیل متفقہ کی طرح اس انجیل سے بھی ظاہرہے کہ یہ آپ کی عادت میں داخل تھا آپ کے سامعین آپ کے اقوال کو سمجھیں اوران پر غورکرکے ان کے مطالب ومعانی سے واقف ہوں(متی ۱۳: ۱۰۔ الخ یوحنا ۳: ۹تا۱۰۔ ۶: ۵۲ وغیرہ)۔ جس طرح انجیل متی میں حضرت کلمتہ اللہ شریعت کے احکام کی جگہ اپنی ذات اور شخصیت کو قائم کرتے ہیں، اُسی طرح انجیل یوحنا میں آپ کے " میں ہوں" کے دعاوی موجود ہیں(متی۵: ۱۰تا ۱۱۔ ۲۶: ۲۶۔ ویوحنا ۱۰: ۸۔ ۱۵: ۱۔ ۶: ۳۵ وغیرہ)۔

اس سے بھی زیادہ اہم امر یہ ہے کہ انجیل چہارم میں جو تصور آنخداوند کی ذات کی نسبت پایا جاتاہے وہ تواریخی حیثیت سے صحیح ہے کیونکہ صرف اسی تصور سے ہی کامل طورپر آپ کی وہ تعلیم واضح ہوسکتی ہے جو اناجیل اربعہ میں مندرج ہے اورصرف اسی تصور سے آپ کے دعوؤں کی وہ تاویل ہوسکتی ہے جو چاروں انجیلوں میں موجود ہیں(متی ۱۱: ۲۵تا ۲۹۔ ۲۵: ۳۱ الخ لوقا ۱۰: ۲۱تا ۲۲ یوحنا ۱۷باب وغیرہ)۔ یہ تصورنہ صرف اناجیلِ اربعہ کے بیانات کے مفہوم کو مربوط کردیتا ہے بلکہ مقدس پولوس کی تحریرات اورکلیسیا کے دورِاوّلین کے اُستادوں کی تعلیمات کو باہمد گرمنسلک کردیتا ہے۔ جب ہم اس بات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں کہ مقدس پولوس مسیحی ہونے سے پہلے ایمان داروں کا جانی دشمن تھا کیونکہ

وہ سمجھ گیا تھا کہ آنخداوند کے دعوے یہودیت کی بنیادوں کو ہلادینے والے ہیں توہم آسانی کے ساتھ یہ جان سکتے ہیں کہ ان تمام باتوں کا اصل چشمہ ، منبع اورماخذ خود سیدنا مسیح کے اقوال اور خیالات تھے۔ وہ مقدس یوحنا کے دماغ نے اختراع نہیں کئے تھے اور نہ وہ پہلی صدی کے آواخر یا دوسری صدی کے اوائل کے حالات سے پیدا ہوئے تھے۔ پس یہ تصورات تواریخی طورپر صحیح اورقابلِ اعتبار ہیں کیونکہ چاروں انجیلوں کے مطابق ان کا سرچشمہ خود کلمتہ اللہ ہیں۔ ان تصورات کی صحت اس سے بھی ظاہرہے کہ وہ نہ صرف چاروں انجیلوں کے واقعات اورکلمات کو منور کردیتے ہیں بلکہ انجیلی مجموعہ کی تمام تحریرات کو ایک دوسرے سے پیوستہ کرکے ان کی روحِ رواں بن جاتے ہیں۔

ہم چند مثالوں سے اس حقیقت کو واضح کردیتے ہیں ۔(۱۔) تمام انجیلوں میں سب بیانات یوحنا بپتسمہ دینے والے کےکام وپیغام سے شروع ہوتے ہیں (متی۳باب ۔ مرقس ۱باب ۔ لوقا ۳باب ۔ یوحنا ۱باب ۔ یہ کیوں ہے؟ اس کی اصل وجہ انجیل چہارم سے ہی معلوم ہوتی ہے جو دیگراناجیل کے بیانات پر روشنی ڈالتی ہے اوروہ یہ ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کے قدیم ترین شاگرد یوحنا بپتسمہ دینے والے کے شاگرد تھے (یوحنا ۱: ۳۵تا ۴۲)۔ یہ بیان نہایت مفصل ہے اوربیان کی تفصیل سے ظاہر ہے کہ اس کالکھنے والا خود ان شاگردوں میں سے ایک تھا ۔ پس یہ امر انجیل کی صحت اورپایہ اعتبار کا گواہ ہے۔

(۲) صلیب کی تاریخ کیا تھی؟ ۱۴نیسان کے دن برّے ذبح کئے جاتے تھے اورانجیل چہارم کے مطابق صلیب کا واقعہ اس روزہوا تھا۔ اگرہم اس تاریخ کو تسلیم کرلیں(جو جیسا ہم حصہ دوم کے باب اول کی فصل اوّل میں بتلاچکے ہیں مقدس مرقس کےایک ماخذ کی تاریخ بھی ہے) توبہت سی باتیں جو دوسری انجیلوں میں لکھی ہیں منورہوجاتی ہیں اورہم ان کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ تاریخ یہود کے دستور کے مطابق صحیح بھی ہےکیونکہ عید کے پہلے روزفسح کا برہ ذبح نہیں کیاجاتا تھا اورمقدس لوقا کابھی یہی بیان ہے(۲۲: ۷)۔ دیگر بیانات کے مطابق یہود کے لیڈروہ بات کرتے ہیں جو وہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ وہ نہیں کرینگے(مرقس(۱۵: ۲)مقدس لوقا واضح الفاظ میں بتلاتا ہے کہ سیدنا مسیح کی " بڑی آرزو تھی کہ دکھ سہنے سے پہلے یہ فسح تمہارے ساتھ کھاؤں کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں اسے نہ کھاؤں گا"(۲۲: ۱۶)۔ اور سیدنا مسیح کی یہ آرزو پوری نہ

ہوئی تھی۔ پس مقدس یوحنا کا بیان باقی انجیلی بیانات کی فصاحت کردیتا ہے لہذا یہ صحیح اورمعتبر بیان ہے۔

(۳۔) انجیل چہارم میں یہوداہ غدار کی غداری کا بیان دیگر انجیلوں کے بیانات کو روشن کردیتا ہے اوریوں ثابت کردیتا ہے کہ یہ ایک چشم دید گواہ کا بیان ہے جس کی صحت میں چوُن وچرا کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس بیان کے مطابق جب سیدنا مسیح نے فرمایا کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑوائیگا تو شمعون پطرس نے اس شاگرد کو اشارہ کیا جس سے یسوع محبت رکھتا تھا اوراس نے پوچھا کہ اے خداوند۔ وہ کون ہے۔یسوع نے جواب دیاکہ جس کو میں نوالہ دونگا وہی ہے (۱۳: ۲۱تا ۳۰)۔ اب اگرہم اس امر کو مدِ نظر رکھیں کہ اس شاگرد کو بعد کے زمانہ میں یادآیاکہ نوالہ پہلے یہوادہ غدارکو دیا گیا تھا یا جب یہوداہ غدارکو نوالہ دینے کی باری آئی تو سیدنا مسیح نے کہا تھا" جوکچھ تجھے کرنا ہے جلد کر" تواس امر سے متی کے بیان پر روشنی پڑتی ہے (متی ۲۶: ۲۵۔" تونے خود کہہ دیا") اورمرقس کے بیان پر بھی روشنی پڑتی ہے کیونکہ اس کے بیان کے مطابق یوحنا وہ باتیں لکھتا ہے جن کی نسبت وہ جانتا ہے کہ وہ سچ اورحق ہیں اورتواریخی طورپر ان کا پایہ اعتبار نہایت بلند ہے (۲۱: ۲۴)۔

پس انجیل چہارم میں سیدنا مسیح کی تواریخی زندگی کی حقیقی تصویر پائی جاتی ہے ۔ مصنف ہم کو بتلاتا ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کی زندگی اعجازی تھی ، جو اصل اورتاریخی واقعات پر مبنی تھی۔ یہ تصویر رومی اوریونانی مذاہب کے دیوتاؤں اورمعبودوں کی زندگی کے عین ضد تھی کیونکہ وہ دیوتا کوئی تواریخی ہستی نہ رکھتے تھے ۔ بلکہ ان کو کہانیاں اُن کے مذہبی پیشواؤں کی قوتِ متخیلہ اوردیومالا کے قصص پر مبنی تھیں۔ جو مشرکانہ مذاہبِ باطلہ کی جزُتھیں ۔ اگرانجیلی بیانات تواریخی واقعات سے جداکردئیے جاتے اورتواریخ کی جانب سے بے نیاز ہوجاتے تو انجیل کا وہی حشر ہوتا جو رومی ، یونانی ، دنیا میں مذاہبِ باطلہ کا ہوا تھا۔ ہم اس پہلو پر اپنی کتاب نورالہدیٰ میں مفصل بحث کرچکے ہیں ۔ اورناظرین کی توجہ اس کتاب کی طرف منعطف کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مقدس یوحنا اپنی تصنیفات میں آنخداوند کی تواریخی شخصیت پر زوردیتا ہے ۔ اس کے خیالات اورتصورات ، تمام کے تما، تواریخی واقعات کے گرد گھومتے ہیں(۱۔یوحنا ۳: ۱تا ۱۶۔ ۴: ۹تا ۱۱۔ ۵: ۲۰ وغیرہ)۔ پس اس کی انجیل کی بنیاد اوراس کے تصورات ،سیدنا مسیح کے حقیقی سوانح حیات اورآپ کی زندگی اور موت کے تاریخی

واقعات کی چٹان پر قائم ہیں۔ انجیل نویس اس حقیقت پر شروع ہی سے زور دیتا ہے کہ " کلام مجسم ہوا" (۱: ۱۲تا ۱۴)۔ منجئی عالمین کی موت کا ذکر بھی انجیل کی ابتدا میں (۱: ۲۹تا ۲۶) اورآخر میں آتا (باب ۱۸، ۱۹) ہے۔ آپ کے تمام دعاوی بھی آپ کی زندگی کے واقعات سے ہی متعلق ہیں۔ مثلاً ،زندگی اور روٹی میں ہوں" کا تعلق لعزر کو زندہ کرنے اورجنم کے اندھے کوآنکھیں دینے کے واقعات سے متعلق ہے۔ آپ کی صلیبی موت کا تاریك سایہ تمام انجیلی تصورات کے تاروپود پر پڑتا ہے[1]۔ (۵باب وغیرہ) آپ کی ظفریاب قیامت کا واقعہ" نئی مخلوق" کے تصور سے وابستہ ہے۔ پس اس انجیل کے تصورات اوراس کی تاویلات کی بنیاد حضرت کلمتہ اللہ کے کلمات، زندگی اورموت کے واقعات اورظفریاب قیامت کےواقعہ پرہی رکھی گئی ہے (۱۔یوحنا ۴: ۲تا ۳ وغیرہ)۔ مصنف اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ منجئی عالمین نے خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کی اورآپ کےسوانح حیات آپ کی کامل فرمانبرداری کے گواہ ہیں جس کی وجہ سے آپ نے بدی کی طاقتوں پر غلبہ پایا۔ وہ اس بات پر زوردیتا ہے کہ یہ تمام باتیں عہد عتیق کی کُتُب اورانبیائے سلف کے کلام کے مطابق واقعہ ہوئیں اوربتلاتا ہے کہ آنخداوند کی موت آپ کی اپنی رضاورغبت سے واقع ہوئی (۱۰: ۱۱۔ الخ)۔ اورکہ یہ واقعہ پچھلے نبیوں کے قول کے عین مطابق تھا۔ یہی بات (جیسا ہم حصہ اوّل کےباب سوم میں بتلاچکے ہیں)کلیسیا کے دورِاوّلین کے اُستاد سکھلاتے تھے۔

انجیلِ چہارم کا مصنف حضرت کلمتہ اللہ کی فرمانبرداری کے تاریخی واقعات سے ثابت کرتاہے کہ یہ فرمانبرداری بینظیر اورلاثانی ہے۔ اوراس بات پر تمام اناجیل کا اتفاق ہے۔ یہ مصنف اس حقیقت کو بایں الفاظ ادا کرتا ہے " کلام مجسم ہوا" یعنی خدا کاکلام اب نبوت کے الفاظ یا کتابوں کےصفحوں میں نہیں ہے بلکہ وہ اب جسم میں ظاہر ہوا ہے اوریوں اس نے عہدِ عتیق کی کُتُب کی تکمیل کردی ہے۔ یہ فرمانبرداری تاریکی کی طاقتوں کا مقابلہ کرکے اُن کو مغلوب کرنے سے حاصل ہوئی (یسعیاہ ۴۹: ۲۴تا ۲۵ وغیرہ)۔ پس اس انجیل کے تمام تصورات کا تانا بانا، تاریخی واقعات کی چٹان پر مبنی ہے۔

ہم نے اس باب میں مختلف پہلوؤں سے انجیل چہارم کی تاریخی صحت اورپایہ اعتبارپر نظر کی ہے اوراس نتیجہ پرپہنچے ہیں کہ ہم اس انجیل کو خواہ کسی کسوٹی سے پرکھیں، ہرپہلوسے ہم پر یہ

[1] Hoskyns & Davey, Riddie of N.T. pp. 231-240

عیاں ہوجاتاہے کہ یہ انجیل ایک تاریخی تصنیف ہے اوراس کا دعویٰ کہ وہ تاریخی حقائق پر مبنی ہے (۲۱: ۲۴)۔ ہرپہلو سے ثابت ہے۔ انجیل کی یہ آخری آیت کلیسیا کی مہر ہے جو اُس کے آخر میں ثبت کی گئی ہے کہ اس کا پایہ اعتبارنہایت بلند ہے کیونکہ اس کالکھنے والا صادق القول ہے۔

باب ششم

تاریخِ تصنیف انجیلِ یوحنا

ہم نے اس حصہ کے باب اوّل میں انجیل چہارم کے پسِ منظر کی بحث میں یہ بتلایا تھا کہ یہ انجیل یونانی مائل یہودیوں کے لئے لکھی گئی تھی ، جوکلیسیا کی پیدائش (عیدِ پینتیکوست) کے روز سے ہی منجئی عالمین پر ہزاروں کی تعداد میں لے آئے تھے (اعمال ۲باب)۔ چنانچہ مشہورنقاد بیکن کہتاہے کہ" انجیل چہارم یونانی مائل یہودیوں کے لئے لکھی گئی تھی تاکہ سیدنا مسیح کی خوشخبری (انجیل) کے مضمون کی یونانی فلسفہ اورتصورات کے مطابق تاویل ہو اوروہ یہودی جو یونانیت کےرنگ میں رنگے ہوئے تھے سیدنا مسیح پر ایمان لے آئیں[1]۔ " دورِاوّلین میں یہ وطیرہ تمام رسولوں کا تھا۔ چنانچہ پولوس رسول لکھتاہے" میں نے اپنے آپ کو سب کا غلام بنادیا ہے تاکہ میں زیادہ لوگوں کو (مسیح کے پاس) کھینچ لاؤں۔ میں یہودیوں کےلئے یہودی بنا تاکہ یہودیوں کوکھینچ لاؤں۔۔۔ میں سب آدمیوں کےلئے سب کچھ بنا تاکہ کسی طرح بعض کو بچاؤں ۔

[1] B.W.Bacon, The Gospel of the Hellenists p. 112

میں یہ سب کچھ انجیل کی خاطر کرتا ہوں" (۱۔کرنتھیوں ۹: ۲۳)۔ پس انجیل کا مصنف کلیسیا کے دورِاوّلین سے تعلق رکھتا ہے اوراس نے یہ انجیل پہلی صدی کے پہلے نصف کے لگ بھگ لکھی جب مقدس پولوس اور دیگر مبلغیں کی مساعی جمیلہ کے سبب ہزاروں یونانی مائل یہودی منجئی عالمین کے حلقہ بگوش ہوگئے تھے۔

اس اولین دورمیں رسولوں کی " منادی" کے نفسِ مضمون پر ہم جلد اوّل کے باب سوم میں مفصل بحث کرچکے ہیں اوراس جلد کے باب اوّل کے آخر میں ثابت کرآئے ہیں کہ انجیل چہارم میں " منادی" کا نفس مضمون موجود ہے جس سے مصنف براہِ راست بلاواسطہ خود واقف تھا۔

علاوہ ازیں جیسا ہم بتلاچکے ہیں ، یہ مصنف صرف قدیم ترین ماخذوں کو ہی استعمال کرتا ہے تاکہ اُن واقعات کو لکھے جو انجیل مرقس میں نہیں تھے چنانچہ مورخ یوسی بئس ایک قدیم روایت کا ذکر کرکے ہم کو بتلاتا ہے کہ انجیل چہارم کے مصنف کو اپنی انجیل لکھنے کی اس واسطے ضرور پڑی تاکہ اس سے پہلے سیدنا مسیح کی زندگی کے بعض واقعات کو قلمبند نہیں کیا گیا تھا[1]۔ یہ مصنف نہ صرف قدیم ترین ماخذوں کو استعمال کرتا ہے بلکہ متعدد واقعات کا وہ خود چشم دید گواہ ہے اورمکالمات کو اس نے اپنے کانوں سے سنا تھا(۱۔یوحنا ۱: ۱تا ۴) یہ اموربھی اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اس انجیل کا تعلق قدیم ترین زمانہ سے ہے جو پہلی صدی کے نصف کے لگ بھگ کا زمانہ ہے۔ کیونکہ یہ قدیم ترین ماخذ ، زبانی بیانات اور تحریری پارے پہلی صدی کے آخر تک حوادثِ زمانہ ، یروشلیم کی تباہی اوردیگر خطروں کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکتے تھے ۔ مسیحی کلیسیائیں بھی پہلی صدی کے نصف میں ارضِ مقدس کے اندر اورباہر رومی سلطنت کے دُور درازمقامات میں قائم ہوچکی تھیں اوریہ کلیسیائیں روزافزوں ترقی کرتی جاتی تھیں۔ پس اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ وہ منجئی عالمین کے کلمات، سوانحِ حیات، زندگی ، موت اورظفریاب قیامت سے اوران کلمات واوقعات کے اصل مفہوم اوراُن کے حقیقی مطالب سے کماحقہ اورجلدازجلد واقف ہوجائیں۔ یہ کلیسیائیں اہل اسلام کی طرح کسی کلمہ یا عقیدہ پرایمان نہیں رکھتی تھیں، جو اُن کو انتشاراورپراگندگی سے بچاسکتا ہے۔پس کلیسیاؤں کے وجود اورتحفظ کے لئے یہ امر نہایت ضروری تھاکہ جلد ازجلد اناجیل احاطہ تحریر میں آجائیں، جن میں قدیم

---

[1] H.E.111 24

ترین زبانی اور تحریری بیانات اور دیگر قدیم ترین ماخذ محفوظ ہوجائیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مقدس پولوس کے خطوط ان کلیسیاؤں میں مروج تھے لیکن وہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے نہیں لکھے گئے تھے اور ۲پطرس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے تصورات کا عوام الناس کے لئے سمجھنا بھی دشوار تھا(۳: ۱۵تا ۱۶)۔

پس ان اور دیگر وجوہ کے باعث جیسا ہم جلد اوّل کے حصہ سوم میں ثابت کرچکے ہیں انجیل مرقس ۴۰ء میں ، انجیل متی ۵۰ء کے قریب لکھی گئیں اورانجل لوقا ۵۵) میں احاطہ تحریر میں آگئی۔ انشاء اللہ اس باب میں ہم یہ ثابت کردیں گے کہ مقدس یوحنا کی انجیل بھی پہلی صدی کے نصف میں لکھی گئی ۔ امریکن عالم پروفیسر ٹوری کہتا ہے کہ انجیل چہارم مقدس لوقا کی انجیل سے پہلے احاطہ تحریر میں آچکی تھی[1]۔ ہم اس جلد کے باب دوم میں بتلاچکے ہیں کہ مقدس یوحنا انجیل متی سے ناواقف تھا پس اس نے اپنی انجیل یا تو ۵۰ء سے بہت پہلے لکھی تھی اوریا یہ دونوں انجیلیں یعنی انجیل اوّل وچہارم ایک ہی وقت احاطہ تحریر میں آئیں یعنی دونوں ۵۰ء کے لگ بھگ لکھی گئیں۔

متعدد علماء کا یہ خیال ہے کہ انجیل چہارم باقی تین انجیلوں کے مدت بعد لکھی گئی تھی اورکہ مقدس یوحنا نے اس کو بڑھاپے میں پہلی صدی کے اواخر یا دوسری صدی کے اوائل میں لکھا تھا[2]۔ لیکن اگریہ نظریہ صحیح ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس انجیل کا مصنف انجیل متی سے کیوں ناواقف نظر آتا ہے ؟ دونوں انجیلیں اہلِ یہود کے لئے لکھی گئی تھیں۔ پس قیاس یہ چاہتا ہے کہ اگرانجیلِ چہارم متی کی انجیل سے (بقول اُن علماء کے) قریباً بیس سال بعد لکھی گئی تھی تو مقدس یوحنا اس کا ضرور استعمال کرتے ، جیسا انہوں نے مقدس مرقس کا استعمال کیا ہے۔ کیونکہ دونوں مصنفوں نے اہل یہود کی خاطر اپنی انجیلیں لکھیں لیکن یہی نقاد اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ مقدس یوحنا نے مقدس متی کی انجیل کا استعمال سرے سے نہیں کیا۔ پس نتیجہ ظاہر ہے کہ انجیل چہارم کے لکھے جانے کے وقت متی کی مقبولِ عام انجیل مروج نہیں تھی اورمقدس یوحنا کو اس کا علم نہ تھا۔ اس سے ہمارے نتیجہ کو تقویت پہنچتی ہے کہ دونوں انجیلیں ۵۰ء کے لگ بھگ احاطہ تحریر میں آئیں۔ انجیلِ

---

[1] F.V.Filson The Origin of the Gospels p.188-189

[2] Westcott, Gospel According to St. John Vol.i,pp. LXX111-LXXX111 see also Peak’s Commentary p.744 and Gore’s Commentary on N.T. p.242 etc

یوحنا کا تعلق دوسری صدی کے اوائل یا پہلی صدی کے اواخر کے ساتھ نہیں ہے بلکہ پہلی صدی کے نصف کے ساتھ ہے۔

ہم باب سوم کے شروع میں بتلاچکے ہیں کہ مقدس یوحنا کے سامنے انجیل لوقا اور انجیل متی اُن کی موجودہ صورت میں نہیں تھیں ورنہ وہ اُن کا استعمال کرتا۔ ہاں وہ اُن قدیم تحریری ماخذوں اوربیانوں سے واقف تھا جواب اُن انجیلوں میں درج ہیں اوروہ یہ بھی فرض کرلیتا ہے کہ اس کے ناظرین بھی اُن سے واقف ہیں۔ یہ دونوں مذکورہ بالا انجیلیں ابھی احاطہ تحریر میں نہیں آئی تھیں ۔ جس سے ثابت ہے کہ مقدس یوحنا نے اپنی انجیل کو انجیل لوقا سے (۵۵ء اور ۷۵ء) کے درمیان لکھی گئی تھی) بہت پہلے لکھا تھا۔ ہم نے جلدِ اوّل کے حصہ سوم کے باب چہارم کی فصل دوم میں ثابت کیا ہے کہ انجیل متی ۵۰ء کے لگ بھگ لکھی گئی تھی پس مقدس یوحنا نے اپنی انجیل کو اسی زمانہ یعنی ۵۰ء کے قریب لکھا تھا۔

ہم جلداوّل کے حصہ اوّل کے باب سوم میں بتلاچکے ہیں کہ دورِاوّلین میں اہلِ یہود کلیسیا کے ایمان داروں پر اعتراض کی بوچھاڑ کرتے تھے اورکہ اناجیل میں تقضائے وقت کے لحاظ سے ان سوالوں کا جواب باصواب دیا گیا ہے ۔چنانچہ انجیلِ یوحنا کے مطالعہ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ جب یہ انجیل تالیف کی گئی تو یہودی سیدنا مسیح کی ذات پر اعتراض کرتے تھے اورکلیسیا کو احکامِ سبت کے توڑنے کی وجہ سے ملامت کا نشانہ بناتے تھے۔ پس یہ مصنف اُن مکالمات کو اپنی انجیل میں لکھتا ہے جن کا تعلق اس زمانہ کی بحث کے موضوع کے ساتھ تھا۔ کیونکہ یہ حضرت کلمتہ اللہ نے احکامِ شریعت کے متعلق خود اہلِ یہود کے ربیوں سے مباحثہ اورمناظرہ کیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ سبت کے احکام ،آسمانی روٹی جو حضرت موسیٰ نے دی تھی، یوحنا بپتسمہ دینے والے کی منادی اورسیدنا مسیح سے تعلق وغیرہ ان مکالمات کے موضوع ہیں۔ تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ ۷۰ء کے بعد اہلِ یہود پراگندہ ہوچکے تھے اورکلیسیا کی اکثریت غیر اقوام پر مشتمل تھی۔ پس اس قسم کے سوالات کی بوچھاڑ کاتب امکان ہی نہ تھا۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ انجیل ۷۰ء سے مدتوں پہلے احاطہ تحریر میں آچکی تھی اوراس سنِ تصنیف ۵۰ء کے لگ بھگ کا ہے۔

ہم گذشتہ باب میں بتلاچکے ہیں کہ اس انجیل میں یہودی عیدوں، تہواروں اوردستوروں کا ذکر ہے جس سے یہ بھی ثابت ہے کہ جب یہ انجیل لکھی گئی تھی تب اہلِ یہود کی قوم کا شیرازہ نہیں بکھرا

تھا۔ان کی تنظیم ابھی زبردست تھی۔فریسیوں اورفقیہوں کی پارٹیوں کے صدرِمقام ہنوزیروشلیم میں ہی تھے۔ یہ تصویر ۷۰ء کے بعد کی نہیں ہے بلکہ اس سے مدتوں پہلے کی ہے ۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل پہلی صدی کے نصف کےقریب کی تالیف ہے۔

(۲)

جب ہم انجیل چہارم کا غائر مطالعہ کرتے ہیں توہم پر ظاہر ہوجاتاہے کہ یہ انجیل کسی صورت میں بھی یروشلیم کی بربادی اورہیکل کی آتشزدگی (۷۰ء) کے بعد کی تصنیف نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ رینان اپنی کتاب کی تیرھویں ایڈیشن کے ضمیمہ میں ان مختلف مقامات کو یکجا کردیتا ہے جن کےنام انجیل چہارم میں آتے ہیں اوریہ سوال پوچھتا ہے کہ اگریہ کتاب کسی فلاسفر نے تاریخی واقعات کو نظر اندازکرکے پہلی صدی کےآخر میں ایشیائے کوچک میں لکھی ہوتی تو اس کو کنعان کے جغرافیائی جگہوں کو اس تفصیل اورباریکی سے لکھنے کی کیاضرورت پڑی تھی؟ لیکن مصنف کی ان باریکیوں کو ملاحظہ کیا جائے تو ظاہر ہوجاتاہے کہ وہ نہایت احتیاط کے ساتھ لکھتا ہے کہ یوحنا یردن پاربیت عنیا میں (۱: ۲۸) اورسالیم کے نزدیک عینوں میں بپتسمہ دیتا تھا ۔ آنخداوند کی ملاقات سامری عورت سے سوخار میں ہوئی جو " اس قطعہ کے نزدیک ہے جو یعقوب نے اپنے بیٹے یوسف کو دیا تھا"(۴: ۵) وہ یروشلیم میں بھین دروازہ کے پاس " حوض کا کیوں ذکر کرتا ہے؟ یا ایک اورحوض " شیلوخ" کا نام(۹: ۷) کیوں بتلاتا؟

انجیل چہارم کے کسی ایک لفظ سے بھی ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ اس انجیل کی تصنیف سے تیس چالیس سال پہلے یروشلیم کاشہر برباد ہوچکا تھا یا ہیکل نذرِآتش ہوچکی تھی یا قوم یہود تباہ حال ہوکر ہر چہار طرف پراگندہ ہوچکی تھی۔ اس کے برعکس انجیل کے مختلف مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے لکھے جانے کےوقت ان حادثوں میں سے کوئی رونما نہیں ہوا تھا۔ ہیکل میں سے بھیڑوں اوربیلوں کو نکالنے ، صرافوں کی نقدی بکھیرنے اورتختے الٹ دینے کے واقعات اوراس قسم کے دیگربیانات ۷۰ء کے ہولناک واقعہ کے بعد پیدا ہی نہیں ہوسکتے تھے[1]۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ بیانات نہایت قدیم ہیں اورپہلی صدی کے آخر کے زمانہ کے نہیں ہیں۔ چنانچہ مقدس کے ڈھائے جانے کے الزام (۱۱: ۴۸، ۲: ۱۹) کی یہ مصنف یوں تاویل کرتا ہے کہ آنخداوند نے " یہ اپنے بدن

---

[1] J.Armitage Robinson, The Historical Character of Our Gospels. Exp. Times July 1947 pp.458-459

کے مقدس کی بابت کہا تھا(۲: ۲۱)۔ اگرہیکل برباد ہوگئی تو اس تاویل کی ضرورت ہی نہ پڑتی بلکہ یہ واقعہ مسیح موعود کی پیشینگوئی کا زبردست ثبوت شمارکیا جاتا ۔ علاوہ ازیں انجیل کے بعض مقامات کے الفاظ سے بھی یہی ثابت ہے کہ اس کی تصنیف کے وقت شہریروشلیم سلامت تھا[1] ۔ " مثلاً یروشلیم میں بھیڑدروازہ کے پاس ایک حوض ہے جو عبرانی میں بیت حسدا کہلاتا ہے اوراس کے پانچ برآمدے ہیں" (۵: ۲)۔ اس ایک آیت میں فعل حال متواتر ترین دفعہ آیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ بوقتِ تصنیف سب سلامت کھڑے تھے۔ یہ فعل حال انجیلِ چہارم کے تمام نسخوں میں موجود ہے اورکسی قرات میں بھی اس آیت میں فعل ماضی پایا نہیں جاتا۔

اس قسم کی تفصیلات جو محض ضمنی طورپر بیان کی گئی ہیں ،اس انجیل میں (جیسا ہم گذشتہ باب میں بتلاچکے ہیں) جابجا پائی جاتی ہیں اورانجیل کی قدامت پر گواہ ہیں۔ اگر یہ انجیل ۹۰ء یا ۱۱۰ء میں لکھی جاتی تو ان ضمنی تفاصیل کا انجیل میں وجود بھی نہ ہوتا ۔کیونکہ اس قدرطویل مدت کے بعد ایسی تفصیلات لکھنے کے قابل نہیں سمجھی جاتیں ۔ اس پہلو سے بھی ظاہر ہے کہ یہ انجیل مندرجہ واقعات کے ہونے کے عین بعد کسی نزدیک کے مستقبل میں احاطہ تحریر میں آگئی تھی۔ یہ امربھی ہمارے اس نتیجہ کی تائید اور تصدیق کرتا ہے کہ یہ انجیل ۵۰ء کے لگ بھگ لکھی گئی تھی۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ آمدم برسِ مطلب ۔ مذکورہ بالا مقامات میں فعلِ حال کا وجود یہ ثابت کرتا ہے کہ جب یہ انجیل تصنیف کی گئی تھی اس وقت یروشلیم کا شہر سلامت کھڑا تھا اوراس کی ہیکل بھی سلامت کھڑی تھی۔ بعض اصحاب اس دلیل پر اعتراض کرکے کہتے ہیں کہ مقدس یوحنا بعض مقامات میں فعل ماضی کا بھی استعمال کرتا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ جب ہم کسی جگہ کا بیان کرتے ہیں تو گو جائے وقوع ذکر کرنے کے وقت موجود ہوتی ہے پھربھی ہم بعض اوقات فعلِ ماضی کا استعمال کرتے ہیں ۔ مثلاً کہتے ہیں " میں دہلی گیا وہاں قطب صاحب کی لاٹ کھڑی تھی"۔ اس فقرہ کے فعل ماضی کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اب وہاں لاٹ کھڑی نہیں ہے۔ اسی طرح بعض مقامات میں مقدس یوحنا فعل ماضی کا بھی استعمال کرتا ہے مثلاً ۳: ۲۳ میں وہ لکھتا ہے" وہاں پانی بہت تھا" لیکن اس آیت کے فعل ماضی کا مطلب یہ نہیں کہ انجیل کی تصنیف کے وقت وہاں پانی نہیں تھا۔ پس فعلِ ماضی کے استعمال

---

[1] W.F.Albright, The Archaeology of Palestine.

سے ہم یہ احذ نہیں کرسکتے کہ وہ شئے یا جگہ حال کے زمانہ میں موجود نہیں۔ ہاں اگر فعل حال ایسے مقام یا ایسی شے کے لئے استعمال ہوا ہو جو بوقتِ تصنیف موجود نہ ہو تو یہ نتیجہ درست نہ ہوگا۔ پس جب مقدس یوحنا فعل ماضی کا (۳: ۲۳) یا فعل حال کا (۵: ۲) استعمال کرتا ہے تو یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ یروشلیم بوقتِ تصنیف برباد نہیں ہوا تھا اوراس کے مضافات بدستور قائم تھے اور بوقتِ تصنیف" شالیم کے نزدیک عینون میں پانی بہت تھا"۔

ہم ایک اورمثال سے اس حقیقت کو واضح کردیتے ہیں[1]۔ (۳: ۲۳) میں ہے " یوحنا بھی شالیم کے نزدیک عینون میں بپتسمہ دیتا تھا کیونکہ وہاں پانی بہت تھا"۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ مقامات یردن کی وادی میں واقعہ نہیں تھے کیونکہ " وہاں پانی بہت تھا" ۔آیت ۲۲ میں ہے کہ سیدنا مسیح اورآپ کے شاگرد اُس راستہ سے یہودیہ آئے تھے جو عام طورپر استعمال ہوتا تھا۔ پس عام مفسروں کی رائے غلط ہے اور"شالیم" وہی قصبہ ہے جو قدیم زمانہ میں اس نام سے مشہور تھا جو نابلس کے جنوب میں مغرب میں واقع ہے۔ اوریہ کوئی اتفاق کی بات نہیں تھی کہ وہاں" عینون" بھی پاس ہی ہے اور نزدیک کی وادی فارعہ میں بہت پانی ہے۔

اسی نواحی میں منجئی عالمین" سوخار" میں سامری عورت کو ملے تھے(۴: ۵)۔ نقاد اور مفسر عموماً یہ خیال کرتے تھے کہ" سوخار" وہ گاؤں ہے جس کو" عسکر"(لشکر گاہ) کہتے ہیں لیکن اب سیلن کی کھدائیوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ یہ وہی جگہ ہے جس کو" سکم" کہا گیا ہے اورآثارِ قدیمہ نے انجیلی بیان کی صحت کو ثابت کردیا ہے۔

ان مثالوں کے علاوہ انجیل چہارم کے دیگر مقامات سے بھی یہی ثابت ہے کہ جیسا ہم اُوپر کہہ چکے ہیں ۱۷انجیل چہارم کا جغرافیہ صحیح ہے اوریہ حقیقت نہ صرف ا س انجیل کی صحت اورپایہ اعتبار پر دلالت کرتی ہے بلکہ یہ بھی ثابت کردیتی ہے کہ اس کے بیانات ۶۶ء اور۷۰ء کے چارسالہ فسادوں سے بہت پہلے کے ہیں۔ پس آثارِ قدیمہ کے نتائج بھی ہمارے دعویٰ کے مصدق ہیں کہ انجیل چہارم پہلی صدی کے نصف کے لگ بھگ لکھی گئی تھی۔

ہم گذشتہ باب میں بتلاچکے ہیں کہ یہودی علماء میں سےابراہا، گڈمین وغیرہ جو اپنے علم وفضل کے لئے مسلم الثبوت

---

[1] J.A.Mc Clymont, St. John.(Cent Bible, 1922)

اُستاد مانے جاتے ہیں ، بتلاتے ہیں کہ انجیل کی فضا پہلی صدی مسیحی کی ہے ، جس میں یہودی خصوصیات موجود ہیں اورکہ جو تصویر اس میں قوم یہود کی زندگی کی پائی جاتی ہے ، اس کی صحت میں کسی کوکلام نہیں ہوسکتا اورجس جگہ نقاد اورمفسر انجیل سے اختلاف کرتے ہیں وہاں انجیل کا بیان درست اورمفسروں کی رائے غلط ہے۔ اورکہ پہلی صدی کے یہود کی کتب انجیلی بیانات اور تفصیلات کی صحت کی گواہ ہیں۔ یہ تفصیلات ۷۰ء کے بعد اس صحت کے ساتھ احاطہ تحریر میں نہیں آسکتی تھیں کیونکہ یروشلیم، اس کی ہیکل اورمضافات سب کھنڈروں کا ڈھیر ہوچکا تھا اورقومِ یہود کی ملّی زندگی ختم ہوگئی تھی۔ پس یہ انجیل ۷۰ء کے بعد نہیں لکھی گئی تھی بلکہ اس سے بہت پہلے ، پہلی صدی کے نصف کے لگ بھگ احاطہ تحریر میں آچکی تھی۔

(۳)

جو اصحاب کہتے ہیں کہ یہ انجیل پہلی صدی کے اواخر یا دوری صدی کے اوائل میں لکھی گئی تھی اُن کی مضبوط ترین دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ انجیل چہارم ان تعلقات کی آئینہ دار ہے جو یہودی قوم اورمسیحی کلیسیا کے مابین پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی کے شروع میں تھے۔ لیکن اناجیلِ اربعہ کا مطالعہ یہ ظاہر کردیتا ہے کہ اہلِ یہود شروع ہی سے آنخداوند کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور ابتدا ہی سے آپ کو موت کے گھاٹ اتارنے کے منصوبے باندھتے تھے (مرقس ۲: ۷تا ۲۰۔ ۳: ۶ وغیرہ)۔ پس قدیم ترین انجیل کے ابتدائی ابواب میں ہی سے مخالفت نظر آتی ہے اورانجیل چہارم ہمیں بتلاتی ہے کہ یہود کی مخالفت کا سرچشمہ وہ مخاصمت تھی جو یروشلیم کی برسرِ اقتدار پارٹی کی طرف سے قوم یہود کے روسا حضرت کلمتہ اللہ سے رکھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ صدوقیوں کی یہ پارٹی مناسب وقت پر تمام باتیں اپنے ہاتھ میں لے کر مصلوب کرواکے دم لیتی ہے۔ اوریوں یہ انجیل قوم یہود کے لیڈروں کی روش پر روشنی ڈال کر یہود کی مخالفت کے اصل منبع کو بتلا دیتی ہے ۔ مقدس مرقس کا بھی یہی بیان ہے کہ فقیہ یروشلیم کے صاحبِ اختیار لوگوں کی طرف سے گلیل کی جانب بھیجے گئے تھے(۷: ۱ ۔ ۳: ۲۲ وغیرہ)۔ پس اس نکتہ پر بھی یہ اناجیل ایک دوسرے کے بیانات پر روشنی ڈالتی ہیں۔

یہ نقاد ایک اوردلیل بھی دیتے ہیں کہ چونکہ اس انجیل میں باربار لفظ " یہودیوں" آیا ہے پس یہ انجیل پہلی صدی کے آخر میں

لکھی گئی تھی۔ لیکن ہم کو یہ یادرکھنا چاہیے کہ اس انجیل میں لفظ" یہودیوں" سے مراد نہ صرف یروشلیم کے رہنے والے ہیں بلکہ گلیل کے باشندے بھی اس زمرہ میں شامل ہیں(۶: ۴۱و غیرہ)۔دیگر انجیل نویس بھی یہی اصطلاح استعمال کرتے ہیں (متی ۲۸: ۱۵۔ لوقا ۲۳: ۵۱وغیرہ)۔

انجیل چہارم کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ جب یہ انجیل لکھی گئی تھی تویہود مسیحیت کے جانی دشمن تھے اوریہی فضا اعمال کی کتاب کی ہے کیونکہ صلیب کے جانبازرسولوں نے یہودی مذہب کو بیخ وبُن سے ہلادیا تھا۔ لیکن بایں ہمہ انجیل چہارم کا مصنف ہرممکن کوشش کرتا ہے کہ اہلِ یہود حضرت کلمتہ اللہ کو اپنا مسیح موعود مان لیں" جس کا ذکر توریت نے اورنبیوں نے کیا ہے"(۱: ۴۵) وہ بنی اسرائیل کے بزرگوں کے نام اوریہودی رسو م کے ذکر میں ابراہام، موسیٰ ، سبت ، ختنہ ،آسمانی روٹی وغیرہ کی نسبت بتلاتا ہے۔ وہ اس بات پر زوردیتا ہے کہ یوحنا بپتسمہ دینے والے نے آنخداوند کے حق میں گواہی دی تھی اوروہ صرف گواہی دینے کے لئے انجیل میں آتا ہے (۱: ۶، ۱۹تا ۳۶۔ ۳: ۲۵تا ۳۶۔ ۵: ۳۳تا ۳۶۔ ۱۰: ۴۰ الخ وغیرہ)۔

یہی وجہ ہے کہ وہ سیدنا مسیح کے خطاب" ابن اللہ" کے لئے اہلِ یہود کی کُتُب سے سہارا لیتا ہے جب وہ اس خطاب کو کفر خیال کرتے ہیں (۱۰: ۳۳تا ۳۶)۔ جب آنخداوند کی پسلی چھیدی جاتی ہے تو وہ یہ امر آپ کی مسیحائی کے ثبوت میں پیش کرتا ہے (۱۹: ۳۲تا ۳۷)۔ مصنف اس بات پر زوردیتا ہے کہ مسیح موعود نے برضاورغبت خودصلیبی موت کو قبول فرمایا(۱۰: ۱۷تا آخر۔ ۱۸: ۱۱۔ ۱۹: ۱۱ وغیرہ)۔ کیونکہ آپ کو یہوداہ غدارکی غداری کا علم تھا۔ لیکن سیدنا مسیح نے اس کو قبول فرمایا کیونکہ یہ بنی آدم کی نجات کی تدبیری کا حصہ تھا۔ یہ مصنف آنخداوند کے معجزاتِ بینات کو" نشان" بتلاتا ہے کیونکہ وہ روحانی حقائق کے نشان تھے(۲: ۱۱۔ ۴: ۴۸تا ۵۳۔ ۲۰: ۳۰ وغیرہ) چنانچہ پانچ ہزار کو کھانا کھلانا اورلعزرکو مردوں میں سے زندہ کرنا وغیرہ سب روحانی حقیقتوں کے نشانات ہیں(۶: ۳۵۔ ۱۱: ۲۵ الخ)[1]۔ یہ تمام ثبوت اوردلائل اس بات کے گواہ ہیں کہ جب یہ انجیل لکھی گئی تھی تب قومِ یہود کا شیرازہ ابھی پراگندہ نہیں ہوا تھا اورکسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں آیا تھا کہ یہود کی قومی اورملی زندگی کا بیس سال کے اندراندر خاتمہ ہوجائیگا۔

---

[1] See Albright,Archaeology of Palestine p. 240

ہم اُوپر لکھ چکے ہیں کہ اس انجیل کی تصنیف کے وقت اہلِ یہود مسیحیت کے جانی دشمن تھے اوریہ فضا وہی ہے جو اعمال الرسل کی ہے، جہاں یہود کے رؤسا کلیسیا کے مبلغین کو کچلنے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں۔ اس انجیل میں ایمانداروں کی ایذارسانیوں کے الفاظ (۱۵: ۱۸تا ۱۶: ۳ وغیرہ)۔ سے عیاں ہے کہ یہ ایذائیں کلیسیا کو قومِ یہود ہی سے ملیں گی۔ ایمان دار عبادت خانوں سے خارج کردئیے جائیں گے اوروہ اپنی قوم اوراپنے لوگوں کے ہاتھوں مقدس ستیفنس کی طرح موت کے گھاٹ اتاردئیے جائیں گے۔ ان الفاظ میں کسی زمانہ کی تخصیص نہیں کی گئی بلکہ وہ حکمِ عام رکھتے ہیں۔ یہی بات مرقس ۸: ۳۱تا ۳۵ اورمتی ۱۰: ۲۴ اورلوقا ۱۲: ۵۰تا ۵۸۔۱۷: ۲۲تا ۲۵ میں پائی جاتی ہے ۔ یوحنا ۱۶: ۲ سے ظاہرہے کہ جب یہ انجیل لکھی گئی تھی قومِ یہود کے حالات اورارضِ مقدس کے حالات وہی تھے جوآنخداوند کے زمانہ میں تھے۔ سیاسی تبدیلیوں کا یا اہلِ یہود اوراُن کے حکمرانوں کے درمیان لڑائیوں کا یا یروشلیم کا تباہی کا یا ہیکل کی آتشزدگی وغیرہ کا اشارہ تک نہیں ملتا۔

اگریہ انجیل پہلی صدی کے آخر میں لکھی جاتی تویہ ناممکن امر تھا کہ قیصر نیرو اوراس کے جانشینوں کی ایذارسانیوں کا ذکر اور" مرتے دم تک وفادار رہنے" کی نصحیت وغیرہ کواس انجیل میں کوئی جگہ نہ ملتی ۔ اس انجیل کے فضا اوریوحنا کے مکاشفات کی کتاب کی فضا میں (جو ۸۰ء اور۹۶ء) کے درمیان لکھی گئی تھی)آسمان وزمین کا فرق ہے۔ اس انجیل میں ایذا دینے والی رُومی سرکارنہیں ہے۔ اس کے خطبات (باب ۱۵تا ۱۷) میں مقدمات بادشاہوں اورحاکموں کے سامنے نہیں ہیں۔پس ہم اس دعوےٰ کو تسلیم نہیں کرسکتے کہ یہ انجیل پہلی صدی کے آخر میں لکھی گئی تھی۔ اس کے برعکس اس انجیل کی فضا پہلی صدی کے نصف کے زمانہ کی فضا ہے۔

(۴)

آنخداوند کی بعثت کے زمانہ میں اہلِ یہود مسیحِ موعود کی آمد کے انتظار میں تھے۔ اُن کے انتظارکا یہ سماں ہوبہو وہی ہے جو اس انجیل میں پایا جاتا ہے (۱: ۱۹تاآخر۶: ۱۵۔ ۷: ۲۵، ۲۷، ۳۱، ۴۰، ۴۴ ، ۵۲۔ ۱۲: ۱۵ وغیرہ)۔ پس یہ تواریخی انتظارنہ صرف انجیل کی صحت اورپایہ اعتبارکو گواہ ہے۔ بلکہ ثابت کرتا ہے کہ یہ انجیل پہلی صدی کے اواخر سے مدتوں پہلے احاطہ تحریر میں آچکی تھی کیونکہ مسیحائی کے یہودی تصورکا تعلق اس دنیا کی سیاسیات اورارضِ مقدس میں یہود کے سیاسی غلبہ کے ساتھ تھا۔ ۹۰ء تک یہ تمام

تصورات نہ صرف ختم ہوچکے تھے بلکہ لوگوں کے دلوں سے حرفِ غلط کی طرح مٹ کرمحو ہوچکے تھے۔ پس اس قسم کی تفصیلات سے ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ انجیل اُس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب ابھی یہ تصورات نہ صرف زندہ تھے بلکہ یہود کی قومی اور ملی زندگی کی ڈھال رہے تھے۔ یہ ایسی تفصیلات ہیں جو ضمنی طورپر لکھی جاتی ہیں اور لاشعوری کی حالت میں قلم سے نکل جاتی ہیں۔ اگر کوئی مصنف اپنے دماغ سے اختراع کرے تو وہ اس قسم کی ضمنی تفصیلات لکھتے وقت چوکس نہیں ہوتا۔ وہ صرف بڑے ضروری اُمورمیں ہی خبرداررہتا ہے ۔ لیکن انجیل کے سطحی مطالعہ سے بھی ظاہر ہے کہ مصنف نے انجیل کی تفصیلات چوکسی کی حالت میں نہیں لکھیں ۔ یہ حقیقت نہ صرف اُس کی تواریخی صحت پر شاہد ہے بلکہ اس کی قدامت کی بھی گواہ ہے۔

انجیل چہارم میں قومِ اسرائیل کی زندگی کی تصویر بعینہ وہی ہے جو ارضِ مقدس میں پہلی صدی کے نصف کے زمانہ میں تھی۔ اس حقیقت کے (جیسا ہم گذشتہ باب میں بتلاچکے ہیں) خود یہودی علماء اور فضلا گواہ ہیں۔ ہم ارضِ مقدس کے حالات کا مفصل ذکر جلداوّل کے حصہ سوم کے باب اوّل کی فصلِ اول میں کرچکے ہیں اور وہاں بتلاچکے ہیں کہ پہلی صدی کے نصف کے بعد یہودی قوم کی ملی زندگی ، اوریہودی پارٹیاں ، اوربنی اسرائیل اوررُومی حکام کے باہمی تعلقات کیا تھے۔ انجیل چہارم میں اسرائیلی قوم کی حالت کی تصویر ۷۰ء کے بعد کی نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے کی ہے اورثابت کرتی ہے کہ یہ انجیل ۷۰ء سے پہلے اور ۵۰ء کے لگ بھگ لکھی گئی تھی۔

(۵)

جب ہم اس انجیل میں مسیحی کلیسیا کی زندگی کی طرف متوجہ کرتے ہیں تو اس کا مطالعہ بھی ہم پر روشن کردیتا ہے کہ یہ انجیل ۵۰ء کے لگ بھگ لکھی گئی تھی۔ اس انجیل میں مسیحی کلیسیا کی تنظیم ، ترقی اورمسیحی جماعت کی بیرونی تشکیل کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ منجئی عالمین اپنے شاگردوں اور دیگر ایمان داروں کے لئے دعا فرماتے ہیں کہ وہ خداوند میں قائم رہیں اوربس (۱۵: ۱تا ۱۷- ۱۷: ۹تا ۲۶)۔ مسیحی کلیسیا کا یہودی حلقہ سے جُدا ہوکر الگ جماعت بننے کا ، اورایک مستقل جدا ہستی قائم رکھنے والی جماعت کا ذکر چھوڑکر اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ اگریہ انجیل پہلی صدی کے اواخر یا دوسری صدی کے اوائل میں لکھی جاتی تو اس میں کلیسیا کی یہ تصویر نہ

ہوتی توجواعمال کی کتاب کی تصویر کے مطابق ہے۔ کیونکہ ۹۰ء تک توکلیسیا نہ صرف ایک روزافزوں مستقل جماعت بن گئی تھی اور اس کا تعلق یہودی قوم اوریہودی عبادت خانوں سے ٹوٹ چکا تھا بلکہ اس کی تنظیم ہوچکی تھی اوراس میں باقاعدہ بشپ اورپرسبٹر تھے جنہوں نے اس کو نئی تشکیل دے دی تھی جس کی تصویر ہمیں مقدس اگنیشئیس کے خطوط میں ملتی ہے جو۱۱۰ء میں لکھے گئے تھے۔

لیکن انجیل چہارم کی وہ فضا نہیں جو مقدس اگنشئیس کے خطوط کی ہے۔ بلکہ اس کی فضا رسولوں کے اعمال کی فضا ہے اور اس کا مصنف کلیسیا کے اوّلین دور کے استادوں کے گروہ سے تعلق رکھتاہے ، جس کا مقصد پولوس کی طرح یہ ایمان تھا کہ حضرت کلمتہ اللہ منجئی جہان ہیں اورکلیسیا میں یہود اورغیر یہود ، دونوں برابر کے شریک ہیں اگرچہ یہودکو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس قوم کے ذریعہ خدا کی نجا ت کا علِم خیر غیر یہود کو حاصل ہوا ہے(۴: ۲۲)۔ گو اس انجیل کے مکالمات میں حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم کی عالمگیری کا ذکر ہے(۴: ۳۵تا ۳۸۔ ۱۰: ۱۶۔ ۱۲: ۲۳تا ۳۲ وغیرہ)بعینہ جس طرح رسالہ کلمات میں اس کا ذکر ہے جو آنخداوند کی حینِ حیات میں لکھا گیا تھا(لوقا ۱۳: ۲۹، متی ۷: ۱۱ وغیرہ)۔ لیکن اس انجیل میں ایمان داروں کو غیر یہود میں منادی کرنے کاحکم بھی موجو دنہیں اورنہ یہ بتلایا گیا کہ وہ کس شرط پر کلیسیا میں داخل ہوسکتے ہیں۔ اس نکتہ کی اہمیت ہم پر ظاہر ہوجاتی ہے جب ہم اس امر کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں کہ منجئی عالمین کی صلیبی موت کے بیس پچیس سال تک ان مسائل پر نہایت گرما گرم بحث جاری رہی تھی۔ پس اس انجیل کی فضا وہی ہے جو رسلہ اعمال الرسل کے پہلے بارہ ابواب کی ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ انجیل یروشلیم کی کونسل کے انعقاد (۴۹ء) کے لگ بھگ لکھی گئی تھی اورپہلی صدی کے نصف سے تعلق رکھتی ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اورامر قابلِ غور ہے۔ انجیلِ چہارم میں لفظ" دنیا" (۳: ۱۶تا ۱۹۔ ۶: ۳۳تا ۵۱، ۸: ۱۲۔ ۹: ۵، ۳۹۔ ۱۰: ۳۶۔ ۱۲: ۴۶۔ ۱۶: ۲۸۔ ۱۸: ۳۷) سے مراد غیریہودی دنیا نہیں ہے۔ ان مقامات میں لفظ" دنیا" میں اور" بنی اسرائیل" میں تخالف مقصود نہیں بلکہ" دنیا" اور" خدا " میں تخالف وتضاد مقصود ہے۔یہ بعینہ ایسا ہے جس طرح انجیل لوقامیں (۱۲: ۴۹) اورانجیل متی میں (۱۰: ۳۴۔ ۵: ۱۲) الفاظ "آسمان " اور" زمین" مستعمل ہوئے ہیں ۔ لیکن ۹۰ء میں تو بنی

اسرائیل اورغیریہود کے باہمی تعلقات ایک فاتح قوم اورایک پراگندہ قوم کے تھے۔

ایک اورامر سے اس انجیل کی قدامت پائی جاتی ہے۔ اس میں وہ نہ توآئندہ واقعات کا کہیں ذکر پایا جاتا ہے اورنہ ان کی جانب کوئی اشارہ ہی ملتا ہے۔ اگریہ انجیل ۹۰ء یا ۱۱۰ء کے قریب لکھی جاتی توان واقعات کا اس انجیل میں اگرذکرنہیں ،تواشارہ ضرورہوتا جو ۵۰ء کے بعد کلیسیا کے مستقبل کے لئے ایسے اہم ثابت ہوئے کہ کلیسیا کی کایا پلٹ گئی۔ اس انجیل میں روح القدس کے ملنے کا وعدہ ضرور موجود ہے لیکن اس میں یہ بھی نہیں بتلایا گیا کہ رسولی زمانہ میں روح القدس کیا صورتیں اختیا رکریگا مثلاً زبانوں کا بولنا، نبوت کا عطا ہونا،رویا کا دیکھنا وغیرہ وغیرہ۔ الغرض یہ تمام باتیں ثابت کرتی ہیں کہ یہ انجیل پہلی صدی کے اواخر سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ قدیم ترین زمانہ سے متعلق ہے۔ حتیٰ کہ بعض علماء مثلاً ارون گڈاینیف کہتے ہیں کہ انجیل چہارم سب سے بعد لکھے جانے کی بجائے سب سے پہلے احاطہ تحریر میں آئی تھی[1]۔ فیررفینٹن بھی کہتا ہے کہ یوحنا کی انجیل اناجیل متفقہ سے پہلے لکھی گئی تھی[2]۔ ایک فرانسیسی نقاد لکھتا ہے کہ جب ہم انجیلِ چہارم کا پہلی تین انجیلوں سے مقابلہ کرتے ہیں تو انجیلِ چہارم ان سے پہلے کے ابتدائی زمانہ کی تصنیف نظرآتی ہے[3]۔ قدیم زمانہ کے میوراتورین کینن کے مطابق یہ انجیل اُن دنوں میں لکھی گئی تھی جب رسولی گروہ ابھی یروشلیم سے منتشر نہیں ہوا تھا۔ روایت کے مطابق یہ واقعہ ۴۲ء کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کینن کے مطابق یہ انجیل ۴۲ء سے پہلے لکھی گئی تھی۔

(۲)

۵۰ء کے بعد سے (اوربالخصوص پہلی صدی کے اواخر میں) یونانی فلسفہ کی وجہ سے کلیسیا میں بدعتیں رونما ہوگئی تھیں۔ ان بدعتوں کا وجود غناسطی فلاسفہ کی وجہ سے ہوا جو مسیحی معتقدات کی یونانی فلسفہ کی روشنی میں تاویل کرتے تھے۔ لیکن انجیلِ چہارم میں ان بدعتوں کا ذکر توالگ رہا اُن کی جانب اشارہ بھی پایا نہیں جاتا اورنہ کلیسیا کو ان کے خلاف خبردارکیا جاتا ہے۔ یہ امر اوربھی حیرت کا موجب ہوجاتا ہے کیونکہ اسی انجیل کے مصنف نے اپنے خطوط میں جھوٹے اُستادوں کے خلاف کلیسیا کوباربار آگاہ کیا ہے (۱۔یوحنا ۳: ۷تا ۱۲۔ ۲: ۲۲۔ ۴: ۲۔ ۵: ۶۔ ۲: ۱۸تا ۲۲۔ ۴: ۱تا ۳)۔یہ

[1] Cambridge Biblical Essays p. 437

[2] Quoted in Hoskyn's Fourth Gospel p. 22

[3] A.E.Brooke, "The Historical Value of the Fourth Gospel in Cambridge Biblical Essays pp. 291-328.

خط مختصر ہے لیکن اس میں تنبیہ بار بار کی گئی ہے۔ اسی مصنف کا دوسرا خط صرف ۱۳آیات پر مشتمل ہے لیکن اس میں بھی بدعتوں کا ذکر موجود ہے (آیت ۷) ۔ کلیسیائی روایت کے مطابق یہ مصنف ایسا غور تھاکہ کسی بدعتی معلم کے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے رہنے میں اس کو خدا کے غضب کا اندیشہ تھا۔ پس عقلِ سلیم اس بات کو قبول نہیں کرسکتی کہ اگرانجیل کی تصنیف کے وقت بدعتی تعلیم کا رواج ہوتا تو وہ خاموش رہتا اورکلیسیا کو آگاہ بھی نہ کرتا۔ اس دلیل کا زوراوربھی بڑھ جاتا ہے جب ہم یہ یاد رکھتے ہیں کہ یہ خطوط پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اوائل میں لکھے گئے تھے جب ان علماء کے زعم میں انجیل چہارم لکھی گئی تھی۔!

انجل چہارم میں ابن اللہ کے کامل انسان ہونے کا جابجا ذکر آیا ہے(۴: ٦تا ۷۔ ۱۱: ۳۵ وغیرہ)۔ اس حقیقت سے بعض علماء اور مفسرین کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ ان مقامات میں غناسطی اور ڈوسٹیک بدعتوں کی پیش بندی کی گئی ہے ۔ لیکن یہ اُن کا محض ظن[1] ہے۔ اس انجیل کا مصنف جہاں کلمتہ اللہ کے ازل سے ہونے کا قائل ہے وہ آپ کی کامل انسانیت کا بھی قائل ہے۔ اس کا مصنف اورمنصف کے ہمعصر آنخداوند سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے اپنے کانوں سے آپ کے کلماتِ طیبات کو سنا تھا اور"اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ غور سے دیکھا تھا"۔ اُنہوں نے آپ کے مبارکِ جسم کو" اپنے ہاتھوں سے چھوا تھا"(۱۔یوحنا ۱: ۱تا ۴)۔ پس جب مصنف آپ کی انسانیت کا ذکر کرتا ہے تو وہ محض ایک چشم دید حقیقت کا بیان کرتا ہے ۔ وہ یہ باتیں غناسطی اور دوسری بدعتوں کے رد کرنے کے لئے نہیں لکھتا۔ جن کی یہ تعلیم تھی کہ ابن اللہ کا جسم مادی نہیں بلکہ نوری تھا۔ وہ اُن باتوں کو صرف قدرتی طورپر لکھتا ہے مثلاً یہ کہ آنخداوند سامریہ میں کنوئیں پر تھک کربیٹھ گئے۔ وہ اس مقام میں صرف ایک حقیقی واقعہ کا ہی ذکر کرتا ہے۔ اوران الفاظ سے اس کا مقصد کسی غناسطی بدعت کو ردکرنا نہیں ہے مثلاً۱۲: ۲۰۔ الخ کا مقام لےلو۔ اس مقام میں روحانی کشمکش کا ذکر ہے (آیت ۲۷) جس میں کلوری کی صلیب سے فرارکا امکان تھا۔ لیکن منجئی عالمین اس آزمائش پر غالب آتے ہیں اورصلیب کی راہ کو برضاورغبت خود قبول فرماتے ہیں (آیات ۲۷ تا ۳۵) علیٰ ہذا القیاس ۱۹: ۲۸ میں سیدنا مسیح کاکلمہ " میں پیاسا ہوں" درج ہے۔آپ کی یہ حالت کی اذیت کا قدرتی نتیجہ تھی اوریہ واقعہ انجیل نویس صرف اس واسطے قلمبند

[1] Manson, The Mission and Message of "Jesus p. 671.

کرتا ہے کیونکہ یہ ایک تاریخی واقعہ تھا۔ اس کو لکھنے سے اس کی مراد نہ تو کسی بدعتی تعلیم کو رد کرنا تھا اور نہ کسی دوسرے نظریہ کی تائید کرنا تھا۔

پس اس انجیل میں کسی بدعت کا اشارہ تک پایا نہیں جاتا جس سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل پہلی صدی کے آخر یا دوسری صدی کے شروع میں تصنیف نہیں ہوئی تھی۔ اس کے برعکس یہ انجیل پہلی صدی کے نصف میں لکھی گئی جب کسی بدعت کا نام ونشان تو الگ، کسی کو ان بدعتوں کا خواب وخیال بھی نہ آیا تھا۔

(۷)

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس انجیل میں مصنف کے گہرے تجربات پائے جاتے ہیں جو بڑھاپے میں اس کو سیدنا مسیح کی رفاقت کے ذریعہ حاصل ہوئے تھے پس اُس نے ان تجربات کی بناء پر انجیل لکھی، جس کے خیالات عمیق اورتصورات فلسفیانہ ہیں۔ پس یہ انجیل اُس زمانہ میں احاطہ تحریر میں آئی جب مقدس یوحنا عمر رسیدہ ہوگئے تھے۔اس دلیل کی بنیاد پر یہ علماء اس انجیل کے لئے پہلی صدی کے آخری حصہ یا دوسری صدی کے آغاز کا زمانہ تجویز کرتے ہیں۔

ہم اس حصہ کے باب چہارم میں یہ بتلاچکے ہیں کہ انجیل کا مصنف آنخداوند کی زندگی کے مشن، آپ کے سوانح حیات اورکلامِ معجز نظام کی ایسی صحیح تاویل کرتا ہے کہ اُن کے مطالب اور مفہوم سب کے سب روشن او رمنور ہوجاتے ہیں۔ مصنف کی تاویل اس کے ذاتی تجربہ اورتواریخی واقعات کی چٹان پر قائم ہے۔ پس اس کی تاویل کی صحت میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔

لیکن ان علماء کا یہ خیال غلط ہے کہ مسیحی تجربہ اورسیدنا مسیح کی رفاقت کی گہرائی اور قربت انسانی زندگی کے سالوں کی معیاد پر موقف ہے۔ سیدنا مسیح کی قربت کو حاصل کرنے کے لئے کسی خاص زمانہ کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ کیونکہ قربتِ الٰہی زمان ومکان کی قیود سے پرے ہے اوراس انجیل کا مصنف اس حقیقت پر خاص زوردیتا ہے (۵: ۲۴ وغیرہ)۔ سیدنا مسیح کی رفاقت اورالٰہی قربت کے تجربہ کا زمانہ بلوغت نہ تو اکیس سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے اورنہ یہ تجربہ بڑھاپے میں اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ کلیسیائے جامع کے مقدسین کے سوانح حیات بھی ایسی حقیقت کو ظاہر کردیتے ہیں۔ مثال کے طورپر مقدس پولوس رسول کے مسیحی تجربہ کی گہرائیوں تک بالعموم بہت کم لوگ پہنچے ہیں۔ لیکن اس کو

الہیٰ قربت اس کی عمر کے آخر میں حاصل نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ جب ۳۵ء میں آپ کے دل کی تبدیلی ہوئی اورآپ کو سیدنا مسیح کا دیدار حاصل ہوا تو آپ کا مسیحی تجربہ شروع ہوا اورآپ کو الہیٰ قربت کا اس قدراحساس تھاکہ ۴۶ ء میں آپ نے گلتیوں کو لکھا" میں مسیح کے ساتھ مصلوب ہوا ہوں اوراب میں زندہ نہ رہابلکہ مسیح مجھ میں زندہ ہے(۲: ۲۳۔ مقابلہ کرویوحنا ۱۷: ۲۱ وغیرہ)۔ اورفنا فی اللہ ہونے کی حالت آپ کو بڑھاپے میں نصیب نہ ہوئی تھی بلکہ جب آپ قریباً چالیس برس کے مضبوط توانا انسان تھے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ مقدس یوحنا جیسے روحانی شخص کے مسیحی تجربہ کی بلوغت کا زمانہ آپ کے بڑھاپے کا زمانہ ہو۔

حق تو یہ ہے کہ انجیل کا سطحی مطالعہ بھی یہ ثابت کردیتا ہے کہ یہ تصنیف کسی ایسے شخص کی نہیں ہے جو بڑھاپے میں لکھ رہا ہو۔ بڑھاپے میں انسان کے تمام قواء اوراعضائے رئیسہ کمزورہوکر سست پڑجاتے ہیں اوردماغی قوت جواب دے دیتی ہے۔ لیکن اس انجیل کو پڑھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے مصنف کے دماغی قواء مضحمل اورکمزورہیں اوروہ گویا سٹھایا گیا ہے۔ اس کے برعکس انجیل مصنف پختہ دماغ کا مالک اور صاحبِ علم وفضل اورمسیحی تجربہ میں کامل ہے۔ اس کے ذہن رسا اور قوتِ فکر میں ایسا دم خم ہے کہ وہ چشتی سے جولانیاں کرتی ہے۔ انجیل کی ایک ایک سطر نہ صرف مصنف کے روحانی تجربہ کی پختگی کی گواہ ہے بلکہ یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ اس کےذہن رساکازمانہ روحانی بلوغت کا زمانہ ہے ۔ وہ عمر رسیدہ نہیں بلکہ خدارسیدہ ہے اوراس کے ذہنی اوردماغی قواء اوجِ کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔

ہم بتلاچکےہیں کہ اس انجیل کا مصنف ، مقدس پولوس اورعبرانیوں کے خط کے مصنف کی طرح کلیسیا کےدورِاوّلین کے" استادوں" میں سے تھا ۔ اس کے علم اور عقل کی گہرائیاں مقدس پولوس کی سی تھیں۔ وہ پولوس رسول کی طرح مختلف تصورات کے ذریعہ سیدنا مسیح کی زندگی کے ان پہلوؤں کو پیش کرتا ہے ،جن سے مقدس پولوس اورعبرانیوں کے مصنف کی تعلیم روشن اورواضح ہوجاتی ہے۔ تاکہ ایمان داروں کا ایمان مستحکم ہوجائےکہ کلمتہ اللہ خدائےمجسم اوردنیا کے منجی تھے جنہوں نے قبراورموت پر فتح پائی اورجن میں الوہیت کاکمال موجود تھا۔

مقدس پولوس اور مقدس یوحنا تجسمِ مسیح کے مفہوم اورطریقہ کے متعلق ہم خیال ہیں۔ دونوں کےلئے آنخداوند کا ظہور،

کائنات اورانسان کی نئی خلقت ہے۔ پس دونوں کا کتابِ پیدائش کے پہلے دو ابواب پر انحصار ہے ۔ جس طرح خدا نے پہلے روشنی کو خلق کیا اورجو ویران اورسنسان اندھیرے پر جلوہ افگن ہوئی اسی طرح آنخداوند کی آمد تاریک دنیا کے لئے نور تھی (۲۔کرنتھیوں ۴: ۴۔ پہلا کرنتھیوں ۴: ۵۔ افسیوں ۵: ۸۔ کلسیوں ۱: ۱۳) مقدس یوحنا کے پہلے باب کی پہلی آیات میں واضح طورپر یہ بیان کیا گیا ہے (۱: ۹۔ ۳: ۱۹تا ۲۱۔ ۹: ۳۹۔ ۱۲: ۳۵تا ۲۶، ۴۶ وغیرہ)۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ بیرشتھ ربامدراش(یعنی قدیم شرحِ تورات) میں پیدائش میں اسی قسم کی باطنی متصوفانہ شرح ہے۔ چنانچہ وہاں مرقوم ہے " ربی یوناہ نے کہا کہ جب خدا دنیا کو خلق کرنے لگا تو اس قدوس نے راستبازوں اورشریروں کے اعمال پر نظر کی" اورزمین ویران تھی" یعنی شریروں کے اعمال " اورخدا نے کہا کہ روشنی ہوجا" یعنی راست بازوں اورشریروں کے اعمال کو"۔ خدا نے رشنی کو دن کہا" یعنی راست بازوں کے اعمال" اورتاریکی کو رات" یعنی شریروں کے اعمال"۔ سو پہلا دن ہوا"۔ یعنی اس قدوس نے ان کو ایک دن دیا۔ وہ دن کونسا تھا؟ وہ کفارہ کا دن تھا"۔

" پرانی مخلوق" اور" نئی مخلوق" کا تصور مقدس پولوس کی تحریرات میں واضح ہے۔ چنانچہ " پہلا آدم" اور"پچھلا آدم" کی امتیاز ۲کرنتھیوں ۱۵: ۴۵ میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی " جسم اور روح" کا مقابلہ بھی موجود ہے۔ بپتسمہ میں دفن ہونے اورپھر جی اٹھنے کا ذکر ہے (رومیوں ۶: ۳ الخ) یہی مقابلہ مقدس یوحنا میں موجود ہے(۳: ۶۔ ۶: ۶۳ وغیرہ)۔ بلکہ الفاظ تک تقریباً ایک ہی ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ دونوں کا طرزِاستدلال کنعان کے یہودی ربیوں کا سا ہے۔

ربنا المسیح کی الوہیت کا ذکر عبرانیوں کے خط(۱: ۱تا ۵) وغیرہ میں مقدس پولوس کی تحریرات اورمقدس یوحنا کی انجیل کی خصوصیات میں سے ہے۔یوحنا ۱: ۱تا ۱۸۔ ۱۷: ۱تا ۱۲۔ وغیرہ اورکلسیوں ۱: ۱۵تا ۱۹۔ رومیوں ۱۱: ۳۶۔ دوسرا کرنتھیوں ۴: ۴ وغیرہ)۔ اوراس حقیقت کے لئے لازم نہیں کہ یہ انجیلیں پہلی صدی کے اواخر یا دوسری صدی کے اوائل میں لکھی جائے بلکہ جس طرح مقدس پولوس کے تصورات ۴۶ء سے پہلے کے ہیں اسی طرح یہ انجیل بھی ۵۰ء کے لگ بھگ کی ہے۔

اس سلسلہ میں ہمیں یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ انجیل چہارم کوئی محض فلسفیانہ کتاب نہیں[1] ہے ۔ جس میں مجرد تصورات سے ہی کام لیا گیاہو۔ بلکہ یہ انجیل" اس واسطے لکھی گئی کہ تم ایمان لاؤ کہ یسوع ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے اورایمان لاکر اس کے نام سے زندگی پاؤ"(۲۰: ۳۱۔ پہلا یوحنا ۱: ۴ وغیرہ)۔ اس انجیل میں سیدنا مسیح کی شخصیت اورذات کو متصوفانہ زبان میں بیان کیا گیا ہے۔

(۸)

بعض علماء یہ خیال کرتے ہیں کہ مقدس یوحنا نے سیدنا مسیح کی تقریروں اورمکالمات کے نوٹ لے لئے تھے اورمُدت مدید کے بعد اس کے کسی شاگرد نے ان مکالمات کو ترتیب دے کر لکھا تھا لیکن انجیل کا مطالعہ ثابت کردیتا ہے کہ یہ نظریہ غلط ہے ۔ کیونکہ اگریہ خیال دُرست ہو تو اس انجیل کے مختلف حصوں میں اصل نوٹوں کی طرزِتحریر اوربعد کے زمانہ کے لکھنے والے کی طرزِتحریر میں نمایاں فرق نمودارہونا چاہیے لیکن تمام نقاد اوراس ایک بات پر متفق ہیں کہ انجیل کے ہر مقام میں طرزِتحریر ہر جگہ یکساں[2] ہے۔ اوراس میں صرف ایک واحد شخص کا ہی ہاتھ نظر آتا ہے ۔ دو مختلف مصنفوں کا ہاتھ کسی مقام میں بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اورکوئی نقاد اس انجیل کے مختلف حصوں کو باوجود بہت سی کوششوں کے جدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ چنانچہ جرمن نقادولہاسن کہتا ہے کہ گو اس انجیل میں مختلف طبقات ہیں تاہم تواریخی طورپر وہ صرف ایک واحد تصنیف ہے جس کے تمام کے تمام حصے اسی ایک حلقہ سے متعلق ہیں جس میں یہ انجیل لکھی گئی شمیڈل جیسا ایک طرفہ نقاد تک چاروناچار تسلیم کرتا ہے کہ بلاآخر ہمیں سٹراس کا فیصلہ قبول کئے بغیر چارہ نہیں کہ یہ انجیل مسیح کے کُرتہ کی طرح ہے جو" بن سلا سراسر بنا ہوا تھا"(۲۱: ۲۳)[3]۔

پس انجیلِ یوحنا کا طرزتحریر ایسا خصوصی ہے کہ اس کی انفرادیت انجیل کی عبادت وبیان کےرگوں میں سرایت کر گئی ہے مصنف کا اسلوب بیان ایک ہی قسم کا ہے خواہ وہ عقائد کا ذکرکرتا ہے یا وہ دوسرے لوگوں کی تقریروں کا بیان کرتا ہےیا وہ واقعات کا بیان کرتا ہے۔انجیل کا مصنف کوئی ڈراما نویس نہیں ہے

[1] J.A.Mc Clymont , St. John (Cent Bible 1922) p. 38 V.H. Stanton, The Gospels as Historcial Documents Part 111 pp.32-73

[2] Schmiedel Encycl. Biblica 11.2556

[3] Drummond, The Character and Authorship p. 376.

جس کے ڈراما میں مصنف کی شخصیت اس کے دماغ کے خلق کردہ اداکاروں میں ایسی چھپ جاتی ہے کہ وہ نظر ہی نہیں آتی بلکہ اس انجیل کا مصنف ایک وقائع نگار ہے جو چشم دید واقعات کو اپنے لفظوں میں بیان کرتا ہے اوراس کے بیان کرنے کا طرز ایسا خصوصی طرز ہے کہ خواہ ہم انجیل کے کسی صفحہ کو پڑھیں ہم کو ہر جگہ مصنف کی شخصیت نظر آتی ہے[1]۔ جس جگہ یہ مصنف خود اپنے ماخذوں کا استعمال کرتا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کو یہ احساس ہے کہ وہ خود ایک معتبر سند ہے جو کلیسیا میں ایک ممتاز اوربااختیار ہستی ہے[2]۔ پس اُن علماء کا یہ قول قابل تسلیم نہیں کہ گو تقریروں اورمکالوں کے نوٹ ابتدائی زمانہ سے متعلق ہیں انجیل کی تالیف کسی دوسرے شخص کی ہے جس نے مدتِ مدید کے بعد پہلی صدی کے اواخر میں یا دوسری صدی کے اوائل میں یہ انجیل لکھی۔

[1] Macgregor, the Gospel of St. John p. XX.
[2] J.A. Mc Clymont, St. John (Cent Bible) p.61.See also An Unpublished Fragment of the Fourth Gospel ed.C.H.Roberts.

(۹)

ہم نے اپنی کتاب" صحتِ کتُب مقدسہ" کی جلد ثانی کے باب دوم میں اُن قدیم ترین نسخوں کا مجمل طورپر ذکر کیا ہے جو ۱۹۴۷ء میں بحرِ مدار کے شمال مغربی ساحل کے نزدیک کی پہاڑیوں کے تہ دامن ملے تھے۔ گذشتہ بارہ سالوں سے مغربی ممالک کے فضلاء ان کا مطالعہ کررہے ہیں قمران کے متن کے مطالعہ نے اب یہ ظاہر کردیا ہے کہ اس فرقہ کے پیرواُس قسم کے یہودی خیالات کے معتقد تھے جن کا ذکر یوسیفس مورخ اور فائلو کرتے ہیں اور جو ایسینی اعتقادات کے قریب ترہے۔

ان نسخوں کا مطالعہ ثابت کردیتا ہے کہ سیدنا مسیح کی آمد سے پہلے ارضِ مقدس کے یہودی حلقوں میں راسخ الاعتقاد ربیوں کے خیالات کے ساتھ ساتھ ایسے معتقدات بھی پائے جاتے تھے جو غیر مقلدانہ قسم کے تھے۔ اس قسم کے اعتقادات رکھنے والے یونانیت اوریونانی تصورات میں رنگے ہوئے تھے لیکن یہ بھی ہم پر ظاہر ہوجاتا ہے کہ اس گروہ کی یونانیت اس قسم کی نہ تھی جو غیر یہود یونانی دنیا کے لوگوں کی تھی۔ بلکہ یہ لوگ اس زمرہ سے تعلق رکھتے تھے جو ارضِ مقدس کنعان میں سیدنا مسیح کی آمد سے پیشتر

وجود میں تھا ۔ پہلی صدی میں ارضِ مقدس میں اس آزاد خیالی غیر مقلد گروہ کی ایک بڑی تعداد تھی اورابتدائی کلیسیا میں مقدس یوحنا انجیل نویس مقدس ستفینس اوراسکے ساتھی " یونانی " ۔ اورعبرانیوں کے خط کا مصنف اس گروہ کے سربرآورلیڈرتھے۔ گو اس مسیحی گروہ کے خیالات یونانیت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے لیکن ان کی یونانیت اس قسم کی نہ تھی جو کنعان کے باہر کے ممالک کے یونانی بولنے والے یہود کی تھی بلکہ ان کی یونانیت خوداپنے ارضِ مقدس کے اندرمسیح سے ایک صدی قبل پہلے ہی سے موجود چلی آتی تھی۔

گذشتہ صدی کے علماء کا یہ خیال تھاکہ چونکہ انجیل چہارم میں یونانیت کے اثرات ہیں لہذا یہ انجیل پہلی صدی کے آخر میں لکھی گئی تھی۔ جب کنعان کےباہر کے غیریہود مسیحیوں کی کلیسیا میں اکثریت تھی۔ لیکن " بحرِ مردار کے طوماروں" نے جیسا ہم بتلاچکے ہیں یہ ثابت کردیا ہے کہ انجیلِ چہارم کے سے آزاد غیر مقلدانہ خیالات سیدنا مسیح کی آمد سے پہلے خودارضِ مقدس کنعان میں مروج تھے ۔ پس انجیل چہارم کی یونانیت ملکِ کنعان کے باہر کے غیریہود کی نہیں ہے اورنہ اس کا سرچشمہ غیریہودی ہے بلکہ اس کی جڑیں آزاد غیرمقلدانہ یہودیت میں ہی گڑی ہیں۔ فاضل کوہن نے ثابت کردیا ہے کہ قمران کا تعلق انجیل چہارم کے خیالات کے ساتھ ہے اوراعمال(۶تا ۸باب) سے ہے اور کہ ان سب کا سرچشمہ اورمنبع وہ غیرمقلدانہ معتقدات ہیں جو ارضِ مقدس میں پہلے ہی موجود تھے ۔ مثال کے طورپر یہودیت اورہیکل کے وجودکا سوال یہ آزاد خیال غیرمقلد ہیکل کو خدا کی عبادت کے لئے لازمی تصورنہیں کرتے تھے ۔ چنانچہ انجیل چہارم کا مصنف اس نکتہ پر اسرارکرتا ہے (۲: ۱۹۔ ۴باب) اعمال سے ظاہر ہے کہ مقدس ستیفنس اس عقیدہ کی وجہ سے شہید کیا گیا تھا(۷: ۴۸تا ۴۹) اوراس واقعہ کی وجہ سے اس کے ہم خیالوں کو یروشلیم سے فرار ہونا پڑا(اعمال ۸ : ۲) حالانکہ جویہودی مسیحی غیرمقلدنہ تھے ان سے اس وقت تعرض نہ کیا گیا۔ ایک ڈچ فاضل نے ثابت کیا ہے کہ قمران کا گروہ بھی وہی کہتا تھا جو ستیفنس نے کہا تھا(اعمال ۷: ۵۰تا ۵۳)۔

پس انجیلِ چہارم کے یونانی رنگ کے خیالات کی بنا پر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انجیل چہارم پہلی صدی کے آخر کی تصنیف ہے مسیحی فاضل پروفیسر اوسکرکلمان نے اس موضوع پر اکسپوزیٹری

ٹائمز بابت اکتوبر ونومبر۱۹۵۹ء میں مبسوط مضامین لکھے ہیں جو مذکورہ بالا نتیجہ کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۱۰)

ہم نے مختلف پہلوؤں سے انجیل چہارم کی تاریخِ تصنیف پربحث کی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ناظرین پر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ یہ انجیل نہ توپہلی صدی کے آخر میں اورنہ دوسری صدی کے شروع میں لکھی گئی بلکہ اس کا سنِ تصنیف پہلی صدی کے نصف کے زمانہ کے ساتھ ہے ۔ بالفاظِ دیگر یہ انجیل منجئی عالمین کی صلیبی موت کے بیس سال کے اندراندر لکھی گئی تھی۔

ہم انجیل کی اندرونی شہادت سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں ۔ اب آثارِقدیمہ نے اس اندرونی شہادت کی تائید وتصدیق بھی کردی ہے ۔ چنانچہ رائی لینڈز لائبریری میں ایک قدیم پارہ موجود ہے جو ملکِ مصر سے دستیاب ہوا ہے[1]۔ اورپیپائرس پر لکھا ہے اس پارہ کی ایک طرف انجیل چہارم کے ۱۸باب کی ۳۱تا ۳۳ آیات لکھی ہیں اوردوسری طرف اس باب کی ۳۷تا ۳۸ آیا ت لکھی ہوئی ہیں۔ یہ پارہ دوسری صدی کے اوائل کا ہےاب جائے غور ہے کہ اگر یہ انجیل دوسری صدی کے اوائل میں لکھی گئی ہوتی تو وہ اسی وقت ملک مصر میں کس طرح رواج پاسکتی تھی۔ انجیل کے لکھے جانے ، اسکے مقبول ہونے اور مقبول ہوکر عام نقلیں ہونے کے لئے کچھ تو عرصہ چاہیے۔

حق تو یہ ہے کہ یہ انجیل .۵ء کے لگ بھگ لکھی گئی تھی اس کی نقلیں دوردراز مقامات کی کلیساؤں میں پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی کے شروع میں مروج ہوگئیں اورملکِ مصر جیسے دورملک کی کلیسیا کے ہاتھوں میں موجود تھیں۔

1

باب ہفتم

انجیلِ چہارم کا مصنف حضرت یوحنا

فصل اوّل

انجیل چہارم کی اندرونی شہادت

ناظرین نے ملاحظه کیا ہوگا که ہم نے اس کتاب میں اپنے استد لال کا انحصارانجیلی بیانات اورصرف انجیلی بیانات پر ہی رکھا ہے اورجہاں کہیں ہم نے آبائے کلیسیا یا کلیسیائی روایات کو پیش کیا ہے۔ وہاں ہم نے ان کی تنقیح وتنقید کرکے اورعقل کی کسوٹی پر پرکھ کرانجیلی بیانات کی تائید اورتصدیق کے طورپرہی پیش کیا ہے۔ کسی ایک مقام میں بھی ہم نے آبائے کلیسیا کی تحریرات یا کلیسیائی روایات کو اپنے دلائل یا نتائج کی بنیاد نہیں بنایا۔ کیونکه ہمارا یه ایمان ہے که کلام الله جو روحِ حق کی زیر ہدایت لکھا گیا ہے۔ اُس منجئی کاکلام ہے جو خود راه، حق اورزندگی ہے۔ اورصرف اس کے ذریعه ہی ہم اصل حالات کا خدا دادِ عقل سلیم کے ذریعه پته لگاسکتے ہیں۔ تاحل ہم صرف انجیل کی اندرونی شہادت سے ہی کام لے کر اپنے مختلف نتائج پر پہنچے ہیں ۔ انشاء الله ہم اس صراطِ مستقیم پر قائم رہینگے۔

اس فصل میں ہم انجیل چہارم کا غائر مطالعه کرکے یه معلوم کرنے کی کوشش کرینگے که اس انجیل کا مصنف مقدس یوحنا کون تھا؟ حق تو یه ہے که ہم صرف انجیل چہارم سے ہی مصنف کی نسبت یه معلومات حاصل کرسکے ہیں۔ اس انجیل کے باہر ہم کو اس کی نسبت کوئی علم نہیں[1] ۔ پس ہمارا تمام انحصاراس انجیل کی اندرونی شہادت پر ہی ہے۔

اوّل ۔ انجیل چہارم سے ظاہر ہے که اس کا مصنف بنی اسرائیل میں سے ہے[2]۔وه یہودی خیالات اور تصورات سے کماحقه واقف ہے (۴: ۲۷۔ ۷: ۱۵۔ ۹: ۲۔ ۴: ۹۔ ۷: ۴۹وغیره) ۔ اس کو علم ہے که قومِ یہود مسیحِ موعود کی منتظر تھی (۱: ۲۱۔ ۴: ۲۵۔ ۶: ۱۴۔ ۷: ۴۰ الخ ۱۲: ۳۴ وغیره)۔ وه یہودی رسوم سے بخوبی واقف ہے ۷: ۲۲۔ ۱۸: ۲۸ وغیره) اس کو علم ہے که عید سے سات دن کے بعد کا دن " خاص دن ہے"(۷: ۳۷)۔ قربانی کے مذبح پر پانی کا بہایا جانا، اور

---

[1] Manson, The Mission and Message of Jesus p. 652.
[2] Westcott, The Gospel According to St. John Vol.i.

چراغاں کا کیا جانا ۷: ۳۸ اور ۸: ۱۲ کے اقوال کے مطلب کو روشن کردیتے ہیں ۔ اس مضمون پر ہم گذشتہ ابواب میں بحث کرچکے ہیں۔

کتاب کا طرز تحریر بھی ثابت کردیتا ہے کہ اس کا مصنف یہودی ہے۔ اس کے الفاظ اور فقرے ، فقروں کی ساخت اوراُن کی تناسب، نشانات، علامات اشارات وغیرہ، سب کے سب اس بات کے گواہ ہیں ۔ ہم انشاء اللہ اس پر آگے چل بحث کرینگے۔ جس طریقہ سے وہ عہدِ عتیق کو استعمال کرتا ہے وہ طریقہ بھی یہی ثابت کرتا ہے کہ اس کا مصنف ایک یہودی ہے ۔ وہ موسوی شریعت کی نسبت اس طرح لکھتا ہے جس طرح صرف ایک یہودی ہی لکھ سکتا ہے۔ انجیل میں فریسیوں اور صدوقیوں اور دیگر یہودی پارٹیوں کا ذکر ہے(۱: ۱۹- ۱: ۲۴- ۹: ۱۳، ۱۸، ۲۲- ۱۲: ۴۲ وغیرہ)۔ جن کو ایک جماعت کے زمرہ میں" یہود" کہا گیا ہے جو مسیحِ موعود ابن اللہ کے جانی دشمن ہیں (نیز دیکھو روم ۳: ۹۔ پہلا کرنتھیوں ۱: ۲۲۔ الخ ۹: ۲۰- ۱۰: ۳۲۔ گلتیوں ۲: ۱۳- ۱: ۱۳ وغیرہ)۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی صدی کے نصف میں یہ نام عموماً مسیحی کلیسیا کے یہودی مخالفوں کو دیا جاتا تھا۔

دوم۔ یہ مصنف ارضِ مقدس کنعان کا یہودی ہے ۔ اس کو ارضِ مقدس کے مختلف مقامات کا صحیح علم حاصل ہے(۲: ۱تا ۱۱- ۴: ۴۶- ۲۱: ۲- ۱: ۲۸ وغیرہ)۔ مثلاً " یردن کے پار" بیت عنیاہ کی (۱: ۲)، اُس بیت عنیاہ سے جو" یروشلیم کے نزدیک قریباً دومیل " ہے (۱۱: ۲۸)تمیز کی گئی ہے ۔ مقدس اوریجن کے زمانہ میں (سنِ پیدائش ۱۸۵ء)" یردن کے پار" کے بیت عنیا ہ کا کسی کو پتہ نشان بھی نہ تھا ۔ اسی طرح " شالیم کےنزدیک عینون" کا بھی نشان مٹ چکا تھا(۳: ۲۳)۔ انجیل میں دیگر مقامات کا بھی نہایت صحت کے ساتھ پتہ دیا گیا ہے۔(۴: ۵، ۲۰، ۳۵ وغیرہ)۔

سوم۔ یہ امر معنی خیز ہے کہ جن مقامات کے نام اس انجیل میں وارد ہوئے ہیں اورجن کا پہلی تین انجیلوں میں ذکر نہیں) اُن میں سے زیادہ تعداد اُن جگہوں کی ہے جو ارضِ مقدس کے جنوب میں واقع ہیں۔ مثلاً سوخار(۴: ۵) جو افرائیم کا شہر ہے" شالیم کے نزدیک عینون"(۳: ۲۳)۔ " قانائے گلیل (۱:۲- ۴: ۴۶- ۲۱: ۲) طبریاس (۱:۶، ۲۳)۔ بیت حسدا (۵: ۲) گبتا (۱۹: ۱۳)۔ وغیرہ۔ لیکن دیگر اناجیل میں جو نام آئے ہیں مثلاً خوارزین ، نین، دکاپولس " گدرینیوں کا ملک" (متی ۸: ۲۸)۔ یا گراسینیوں کا علاقہ "(مرقس۵: ۱) جو اس پار گلیل

کے سامنے ہے"(لوقا ۸: ۲۶)۔ قیصریہ فلپی ، صور، صیدا ، وغیرہ نام انجیل چہارم میں نہیں پائے جاتے ۔ پس قدرتی طورپر ہم ۔ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں اس انجیل کا لکھنے والا جنوبی کنعان کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔ اگریہ نتیجہ درست ہے تو ہم یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اس انجیل میں جنوبی کنعان کا سارنگ ڈھنگ کیوں موجود ہے[1]۔

چہارم۔ اس انجیل سے ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کرسکتے ہیں کہ انجیل کا مصنف یروشلیم کا رہنے والا یہودی تھا۔ چنانچہ جیسا ہم ذکرکرچکے ہیں ۔ اس کو یروشلیم شہر کے مختلف مقامات اورہیکل کے مختلف گوشوں کی بخوبی واقفیت تھی(۵: ۲۔ ۹: ۷۔ ۱۸: ۱تا ۲۸تاآخر۔ ۱۹: ۱۷، ۲۰، ۴۱۔ ۱۳۔ ۲: ۲۰۔ ۱: ۲۲ وغیرہ)۔ " وہ سردار کاہن کا جان پہچان تھا اوریسوع کے ساتھ سردارکاہن کے دیوان خانہ میں گیا" (۱۸: ۱۵)۔ جہاں مقدس پطرس نہیں جاسکتا تھا ، جب تک کہ مصنف نے دخل اندازی نہ کی (۱۸: ۱۶)۔ وہ سردارکاہن کے نوکر کے نام سے واقف ہے جس کا کان پطرس نے اڑادیا تھا(۱۸: ۲۶)۔ وہ جانتا ہے کہ پطرس سے کلام کرنے والا نوکر دوسرے نوکر کا رشتہ دار تھا(۱۸: ۱۰، ۱۵، ۲۶)۔ان آیات سے ظاہر ہے کہ وہ سردارکاہن کے گھر میں آزادانہ آنے جانے والا تھا(۱۸: ۱۶)۔ وہ نیکدیمس ، اورارمتیاہ کے یوسف جیسے اکابر سے واقف ہے جو صدرِعدالت کے ممبر تھے(۱۳: ۱۔ الخ ۷: ۵۰۔ ۱۹: ۳۸۔) اس کو عدالت کے کمرہ کی اندرونی کارروائی کا علم ہے جو خفیہ تھی(۷: ۴۵، ۵۲۔ ۱۱: ۴۷تا ۵۳۔ ۱۲: ۱۰)۔ اس مصنف کا گھر یا تو خاص یروشلیم میں تھا اوریا آس پاس کے مضافات میں تھا جہاں وہ واقعہ صلیب کے وقت سیدنا مسیح کی ماں کو" اسی وقت اپنے گھر لے گیا" (۱۹: ۲۷)۔ جہاں وہ صعود آسمانی کے موقعہ پر تھیں (اعمال ۱: ۱۴)۔ ان انجیلی اشارات اورمقامات سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مصنف یروشلیم کے بارسوخ خاندان اور مقتدر پارٹی سے تعلق رکھتا تھا[2]۔ پس یہ مصنف کسی بڑے گھرانے کا چشم وچراغ تھا ، جس کی ملاقات آنخداوند سے یروشلیم کی خدمت کے دوران میں ہوئی ۔ وہ آپ کا شاگرد ہوگیا اورجب کبھی آپ یروشلیم تشریف لاتے وہ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کرتا۔ اس نے آپ کی فیضانِ صحبت سے نورِایمان حاصل کیا اورگرو اورچیلے کے باہمی تعلقات ایسے استوارہوگئے کہ اس کا خصوصی نام ہی یہ پڑگیا" وہ شاگرد جس سے یسوع محبت رکھتا تھا"(۱۳: ۲۳۔ ۱۹:

---

[1] Dodd Interpretation of the Fourth Gospel pp. 452-453

[2] C.F.Burney, The Aramaic Origin of the Fourth Gospel.

۲۶- ۲۰: ۲)۔ اوراسی نام سے وہ ایمانداروں میں مشہور تھا جس کی وجہ سے تمام کلیسیا اس کی قدرومنزلت کرتی تھی (۲۱: ۲۴)۔

پنجم ۔ مصنفِ انجیل اُن واقعات کا صادق اورچشم دید گواہ ہے جن کو وہ اپنی انجیل میں لکھتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے[1] کہ وہ ان دو شاگردوں میں سے تھا جو یوحنا بپتسمہ دینے والے کی گواہی سن کر ابن اللہ کے پیچھے ہولئے تھے (۱: ۳۵- ۴۰)۔ چونکہ مصنف کی ملاقات آنخداوند سے صرف یروشلیم میں ہوئی تھی لہذا اس انجیل میں مسیحائی دعوے کے خفیہ رہنے کا ذکر بھی نہیں ہے بلکہ وہ اس کا اعلان ابتدا ہی سے کرتا ہے۔ یہ ایک قدرتی بات بھی ہے جس شخص نے گلیلی خدمت میں سیدنا مسیح کی صحبت حاصل نہ کی ہو اوروہ صرف آپ کی یروشلیم کی خدمت ہی سے واقف ہو وہ یہی خیال کرے کہ آپ نے مسیحائی دعوےٰ یروشلیم میں کیا تھا[2]۔

ہم باب دوم میں ثابت کرآئے ہیں کہ انجیل کا مصنف ایک چشم دید گواہ تھا۔ اوریہ دعویٰ وہ خود کرتا ہے (۱: ۱۴- ۱: ۱۶- پہلا یوحنا ۱: ۱تا ۳ وغیرہ)۔ واقعہ نگاری صاف ظاہر کرتی ہے کہ یہاں ایک چشم دید گواہ بول رہا ہے (۶: ۵تا ۷- ۱۲: ۲۱- ۱۴: ۵، ۸، ۲۲ وغیرہ)۔ وہ اوقات کی تفصیل بھی دیتا ہے (۲: ۱۳، ۲۳، ۵: ۱- ۷: ۲- ۱۰: ۱۱- ۱۲: ۱تا ۱۲- ۱۹: ۳۱- ۲۰: ۱تا ۱۹، ۲۶- ۱۱: ۶، ۱۷، ۲۹- ۴: ۴۰، ۴۳- ۱: ۴۰- ۴: ۶- ۴: ۵۲- ۱۹: ۱۴- ۱۳: ۳۰- ۱۸: ۲۸- ۶: ۱۶- ۳: ۲ وغیرہ)۔ بعض اوقات وہ تعداد بھی بتلاتا ہے (۵: ۵- ۱۲: ۵- ۱۹: ۳۹) وہ مقامات کا بھی ٹھیک پتہ دیتا ہے (۱: ۲۸- ۳: ۲۳- ۴: ۴۶- ۵: ۱۴- ۱۰: ۲۳، ۴۰ الخ ۱۱: ۳۰، ۵۴ ۱۸: ۱)۔ اس کے بیانات کی تفصیل سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ایک چشم دید گواہ ہے۔۱: ۳۵تا ۵۱- ۱۳: ۱تا ۲۰- ۱۸: ۱۵تا ۲۷- ۲۱: ۱تا ۱۴- ۶: ۹- ۱۱: ۱۲- ۱۳: ۳۰- ۱۹: ۲۳- ۲۰: ۷- ۲۱: ۱۷- وغیرہ)۔ وہ اس حقیقت کو پرُزور الفاظ میں لکھتا ہے اورلفظ" ہم " سے اس کی یہ مراد ہے کہ وہ " گواہوں کے بادل" میں سے ایک ہے[3]۔ سیدنا مسیح نے بھی یہی فرمایا تھا کہ" تم بھی میرے گواہ ہوکیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو"(۱۵: ۲۷)۔یہ ایسا صادق گواہ ہے جو ثقہ ہونے کی وجہ سے تمام کلیسیاؤں میں مشہور ہے (۲۱: ۲۴)۔

علاوہ ازیں انجیل چہارم کی طرزِ تحریر اورطریقہ استد لال نہایت عالمانہ ہے جویہ ظاہر ہے کرتا ہے کہ یہ مصنف یونانی فلسفہ ، اوریونانی مائل یہود کے فلسفیانہ خیالات، تصورات اور تاویلات

[1] Ibid.
[2] Mission and Message of Jesus p.661
[3] Wendt, Gospel According to St. John p. 207

سے ویسا ہی بخوبی طورپر واقف ہے جیسا وہ عہدِ عتیق کے عبرانی متن سے واقف ہے۔ چنانچہ انجیل کا یونانی متن ثابت کرتا ہے کہ وہ ترجمہ سیپٹواجنٹ پر انحصار نہیں کرتا بلکہ اس کے اقتباسات سب کے سب سیدھے عبرانی متن سے لئے گئے ہیں۔ یہ اقتباسات تعداد میں بیس ہیں اورعہدِ عتیق کی مختلف کتُب مثلاً پیدائش، خروج، گنتی ، استشنا، یسعیاہ ، حزقی ایل اورزکریا کی کتابوں اورزبور کی کتاب سےلئے گئے ہیں۔ انجیل کا طرزِ استد لال یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ مصنف نے یہودی ربیوں کے قدموں میں بیٹھ کر ان استادوں سے علم حاصل کیا تھا، جس طرح مقدس پولوس ربیوں کے مکتب میں رہ چکا تھا(اعمال۲۲: ۳)۔ اس کو حضرت کلمتہ اللہ کے اُن دلائل کا بخوبی علم تھا جو آپ نے اس کے استادوں یعنی ربیوں کے سامنے پیش کئے تھے اوراسی وجہ سے یہ دلائل مصنف کواپیل بھی کرتے ہیں۔ اب وہ انجیل میں ربیوں کے سے اقتباسات اورطرزِ استد لال کو استعمال کرکے اپنے علم کے خزانہ کو انجیل جلیل اورسیدنا مسیح کی ذات اور شخصیت کی تاویل کرنے کے لئے کلیسیا کے حلقہ میں منجئی جہان کے قدموں میں رکھ دیتا ہے۔(متی ۱۳: ۵۲)۔

پس انجیلِ چہارم کا مطالعہ یہ ثابت کردیتا ہے کہ انجیل کا مصنف ارضِ مقدس کنعان کے جنوب کاباشندہ تھا، جس کا گھر یروشلیم یا اس کے نزدیک واقعہ تھا۔" وہ سردارکاہن کا جان پہچان تھا"۔ جس سے ہم یہ نتیجہ احذ کرسکتے ہیں کہ وہ کسی موقر صدوقی خاندان میں سے تھا اورجوان عمر تھا ورنہ وہ صرف" جان پہچان" ہی میں نہ ہوتا۔ لیکن وہ بے تکلف سردارکاہن کے گھر آتا جاتا تھا اورملازم تک اس کو جانتے تھے اوراس کی مانتے تھے۔وہ ان واقعات کا جن کو وہ انجیل میں قلمبند کرتا ہے، چشم دید گواہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع ہی سے آنخداوند کے پیچھے ہولیا تھا۔ کیونکہ ۱: ۳۵تاآخر میں وہ شاگردوں کا ذکر ہے جن میں سے ایک اندریاس تھا اور دوسرا یہی یوحنا، انجیل نویس تھا۔ اس مقام میں دوسرے شخص سے مراد یوحنا بن زبدی نہیں ہے (مرقس ۱: ۱۶تا ۲۰۔ متی ۴: ۱۸تا ۲۲)۔ پس یہ مقدس یوحنا مصنفِ انجیل اُن لوگوں میں سے تھا جس نے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی آوازپر لبیک کہی تھی اوراس کے ایما کے مطابق آنخداوند کا شاگرد ہوگیا تھا۔ اس کو سیدنا مسیح اپنی خاص قربت سے سرفرازفرماتے تھے ،ایسا کہ اس کا نام ہی یہ پڑگیا" وہ شاگرد جس سے یسوع محبت رکھتا تھا"۔ وہ نہ صرف عہدِ عتیق کی

کتُب کا اصل عبرانی زبان میں علم رکھتا تھا بلکہ اس نے یہود کے ربیوں کے قدموں میں بیٹھ کر اُن کے علم کی تحصیل کی تھی۔ پس وہ آنخداوند کی تعلیم کے رموز کو گلیل کے مچھوؤں سے زیادہ سمجھنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ یہ ایک قدرتی بات تھی کہ ایسا شخص آنخداوند کے آخری کھانے میں بھی شریک ہو اورآپ کے سینہ کی طرف بیٹھے۔یہ اغلب ہے کہ شاگردوں کو یہ بات ناگوارمعلوم ہوئی ہو پس اُن میں " یہ تکرارہوئی کہ ہم میں سے کون بڑا سمجھا جاتا ہے"(لوقا ۲۲: ۲۴تا ۲۷)۔ جو مقدس یوحنا کے ۱۳باب کی گوتفسیر ہے۔ ہمیں یہ بات یادرکھنی چاہیے کہ مقدس لوقا کے الفاظ(۲۲: ۱۴) سے ہم یہ نتیجہ اخذ نہیں کرسکتے کہ دوازدہ رسولوں کے علاوہ کوئی تیراھواں عشاء کے وقت موجود ہی نہ تھا کیونکہ اس قسم کا استد لال منطق کے قواعد کے خلاف ہے۔

مقدس یوحنا نہ صرف ایک عالم ہے بلکہ ایک زبردست شاعر بھی ہے۔ اس کی انجیل میں اعلیٰ پایہ کی نظمیں جن کو مقدس رسول یوحنا بن زبدی سے توقع نہیں ہوسکتی ۔ مثلاً

انجیل یوحنا کا دیباچہ درحقیقت ایک نظم ہے جو عبرانی نظم کے قواعد کے مطابق منظوم کی گئی ہے۔ اس کے ضائع اور بدائیع عبرانی محاورہ کے ہیں۔ اُس کے مختلف اشعار کے مصرع عبرانی نظم کی صنعتوں کے مطابق ڈھالے ہوئے ہیں[1]۔

اس نظم کے مختلف اشعار کے درمیان اعلیٰ پایہ کی نثر کی عبارت پائی جاتی ہے ، جو ان اشعار کی تشریح اورتوضیح کرتی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

(۱۔) ابتدا میں کلمہ تھا۔
اورکلمہ خدا کے ساتھ تھا۔
(۲۔) اورخدا کلمہ تھا۔
وہ ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔
(۳۔) ساری چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں۔
اوراس کے بغیرکوئی چیز پیدا نہیں ہوئی ۔
(۴۔) چونکہ اُس میں زندگی تھی۔
اوروہ زندگی بنی آدم کا نور تھی۔
(۵۔) وہ نورتاریکی میں چمکا تھا۔
اورتاریکی نے اسے مخفی نہ کیا۔

[1] Burney, pp.41-42

ایک آدمی خدا کی طرف سے بھیجا گیا تھاجس کا نام یوحنا تھا۔
یہ گواہی کے لئے آیا کہ نورکی گواہی دے تاکہ سب اُس (نور) پر ایمان لائیں۔ وہ نورنہ تھا مگر اس نورکا گواہ تھا۔ وہ حقیقی نوردنیا میں ہر آنے والے انسان کو روشن کردیتا ہے ۔ وہ دنیا میں نورتھا۔

(۶۔) اوردنیا اس کے وسیلے سے پیدا ہوئی ۔

اوردنیا نے اس کو نہ جانا۔

(۷۔) وہ اپنوں کے پاس آیا۔

اوراُس کے اپنوں نے اسے قبول نہ کیا۔

جتنوں نے اسے قبول کیا اس نے اُن کو خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا یعنی اُن کو جو اس کے نام پرایمان لاتے ہیں۔کیونکہ وہ نہ خون سے اورنہ جسم کے ارادہ سے اورنہ کسی انسان کے ارادے سے پیدا ہوا بلکہ وہ خدا سے پیدا ہوا۔

(۸۔) اورکلمہ مجسم ہوا۔

اوروہ ہمارے درمیان خیمہ زن ہوا۔

(۹۔) اورہم نے اس کا جلال دیکھا۔

جلال جو باپ کے اکلوتے کا سا تھا۔

(۱۰۔) وہ فضل اورحقیقت سے معمورتھا۔

جس کی معموری میں سے ہم سب نے پایا اورفضل پر فضل۔

(۱۱۔) کیونکہ شریعت موسیٰ کے وسیلے سے دی گئی ۔

لیکن فضل اورحقیقت مسیح کے وسیلے ۔

خدا کو کسی انسان نے کبھی نہیں دیکھا ۔ خدا کے اکلوتے بیٹے نے جوباپ کی گود میں ہے، اسی نے ظاہر کیا ہے۔

مندرجہ بالا نظم میں عبرانی نظم کی ایک صنعت ہے جس میں ہر مصرعہ اپنے ماقبل سے تاخیر میں بڑھ کر عروجِ کمال پیدا کردیتا ہے۔ اس صنعت میں ہر شعر کا دوسرا مصرعہ نہ صرف پہلے مصرعہ کی صدائے بازگشت ہوتا ہے بلکہ اس میں چند الفاظ ایزاد کئے جاتے ہیں جو شعر کے معانی کوکامل کردیتے ہیں۔ پہلا مصرعہ غیر مکمل ہوتا ہے اوردوسرا مصرعہ پہلے مصرع کے الفاظ میں شامل کرکے شعر کومکمل کردیتا ہے ۔

ڈاکٹر ڈرائیور کہتا ہے[1] کہ اس قسم کی صنعت صرف بہترین عبرانی نظم کی ہی خصوصیت ہے۔ اورمثال کے طورپر زبور۱۹: ۵۔ ۹۲: ۲۔ ۹۳: ۳۔ ۹۲: ۳۔ ۹۲: ۱۳۔ ۱۱۳: ۱ کا حوالہ دیتا ہے۔ یہی صنعت دبورہ

---

[1]Driver, Lit. of OT.p.363

کے گیت کی خصوصیتوں میں سے ہے۔ انجیلِ چہارم کے مندرجہ بالا منظوم دیباچہ میں اس صنعت کو ملاحظہ فرمائیں۔ مثلاً:

(۴۔) چونکہ اس میں زندگی تھی۔

اوروہ زندگی بنی آدم کا نور تھی ۔

(۵۔) اوروہ نورتاریکی میں چمکا تھا۔

اورتاریکی نے اس کو مخفی نہ کیا۔

(۷۔) وہ اپنوں کے پاس آیا

اوراپنوں نے اسے قبول نہ کیا۔

(۹۔) ہم نے اس کا جلال دیکھا۔

جلال جو باپ کے اکلوتے کا سا تھا۔

(۱۰۔) وہ فضل اورحقیقت سے معمورتھا۔

جس کی معموری میں سے ہم سب نے پایا۔

ان اشعار کے ہر مصرعہ کے وزن میں تین مقامات میں زورموجود ہے ۔

دیباچہ کی آیت ۱۳ کا جو مندرجہ بالا ترجمہ کیا گیا ہے اس میں صریحاً بتلایا گیا ہے کہ آنخداوند مقدسہ بی بی مریم کنعاری کے بطنِ اطہر سے پیدا ہوئے تھے۔

ہم اگلے حصہ میں اناجیلِ کے صنائع وبدائع پر مفصل بحث کرینگے۔

فصل دوم

کلیسیائی روایات کی تنقیح وتنقید

قدیم کلیسیائی روایت کے مطابق انجیلِ چہارم کو سیدنا مسیح کے رسول مقدس یوحنا بن زبدی نے اپنے بڑھاپے میں افسس کے مقام میں لکھا تھا۔ گویہ روایت قدیم ہے تاہم ۱۸۰ء سے پہلے کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ اس انجیل کا مصنف مقدس یوحنا رسول تھا۔ اس کے بعد یہ روایت جڑ پکڑ کرمضبوط ہوگئی۔ چنانچہ اوریجن (۱۸۵ء تا ۲۵۴ء) ۔ سکندریہ کا کلیمنٹ (تاریخ وفات ۲۰۰ء) ۔ قیصریہ کا بشپ یوسی بئس (۳۱۴ء تا ۳۴۰ء) وغیرہ سب اس کو یوحنا رسول کی تصنیف گردانتے ہیں۔

لیکن انجیلِ چہارم کے مصنف کی نسبت علم حاصل کرنے کے لئے ہمیں دوسری یا تیسری صدی کی کلیسیائی روایات کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس بات کا اصل فیصلہ خود انجیل کرسکتی ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی روایت صحیح نہیں ہوسکتی جو کلام اللہ کے مطابق

نہ ہو۔ انجیل چہارم کی یہ شہادت ہے کہ اس کا مصنف ارضِ مقدس کے جنوب کا رہنے والا اوریروشلیم کا باشندہ تھا۔ لیکن سیدنا مسیح کا رسول یوحنا بن زبدی ارضِ مقدس کے شمال کا رہنے والا صوبہ گلیل کا باشندہ تھا ۔ (مرقس ۱: ۲۰)۔ انجیلِ چہارم کے مطابق اس کے مصنف نے ان کلمات طیبات کو اپنے کانوں سے سنا تھا اور ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جو اس نے قلمبند کئے تھے لیکن مقدس یوحنا بن زبدی گلیل کا رہنے والا تھا جوگلیلی خدمت کے دوران میں ہر جگہ آنخداوند کی صحبت میں رہتا تھا۔ وہ گلیلی خدمت کے دوران میں ہر جگہ آنخداوند کی صحبت میں رہتا تھا۔ وہ گلیل کے صوبہ کے مختلف مقامات سے واقف ہوگا لیکن وہ جنوبی کنعان کے مقامات سے اورجغرافیائی حالات سے اوریروشلیم کے مختلف مقامات اورہیکل کے گوشوں سے واقف نہیں ہوسکتا تھا اورنہ ہی انُ واقعات کا چشم دید گواہ تھا جو یروشلیم میں واقع ہوئے ۔ انجیل چہارم کا مصنف ایک عالم شخص تھا جس کو کتُبِ انبیائے سلف کا عبرانی میں علم تھا۔ وہ ایک زبردست شاعر تھا اورربیوں کے قدموں میں بیٹھا تھا اوریونانی مائل یہودیوں کے فلسفہ سے بخوبی واقف تھا لیکن یوحنا بن زبدی ان پڑھ اورناواقف شخص تھا(اعمال ۴: ۱۳)۔ ہاں لفظ" اَن پڑھ" سے مراد یہ نہیں کہ وہ ناخواندہ تھابلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے نہ توربیوں سے تورات کا علم حاصل کیا تھا اورنہ وہ عبرانی زبان سے واقف تھا۔ انجیلِ چہارم کا مصنف صدوقی خاندان کا چشم دید چراغ تھالیکن زبدی کا بیٹا ایک ماہی گیر تھا۔ اوریہی اس کا آبائی پیشہ تھا۔انجیلِ چہارم کی ایک ایک سطر اس عالم مصنف کی روحانی زندگی کی گہرائی اوراس کی محبت بھری زندگی کی گواہ ہے ۔ لیکن مقدس یوحنا بن زبدی کے مزاج میں کینہ اورغصہ تھا ایسا کہ سیدنا مسیح نے اس " جھڑکا" تھا اورکہا تھا کہ" تم کیسی روح کے ہو"(لوقا ۱۰: ۵۱تا ۵۶)۔ اورآپ نے اس کا اوراس کے بھائی کا نام ہی " گرج کے بیٹے" رکھ دیا تھا(مرقس ۳: ۱۷)۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خدا کا فضل اس کو کلیتہً تبدیل کرکے" محبت کا رسول " بناسکتا تھا لیکن " محبوب شاگرد"کا خطاب اس رسول کو اس کے بڑھاپے میں نہیں ملا تھا بلکہ یہ خطاب اس کو اس زمانہ میں ملا تھا جب سیدنا مسیح ابھی زندہ تھے اورجب وہ ابھی "گرج کا بیٹا" ہی تھا۔ علاوہ ازیں جب یہ رسول ہم کو عہدِ جدید کی کتُب میں آخری بارنظرآتاہے تو وہ کلیسیاکی اس پارٹی کا سربرآوردہ لیڈر ہے جو یہودی مسیحیوں کی تھی لیکن یہ

انجیل چہارم کا نکتہ نظر نہیں ہے۔ ان اوردیگر وجوہ کے باعث ہم اس کلیسیائی روایت کی صحت کو نہیں مان سکتے کہ انجیل چہارم کا مصنف مقدس یوحنا وہی مقدس یوحنا تھا جو زبدی کا بیٹا اور سیدنا مسیح کا رسول تھا۔

پس اس انجیل کا مصنف مقدس یوحنا بارہ رسولوں میں سے نہیں تھا۔ اناجیلِ متفقہ کے مطابق منجئی عالمین نے یوحنا رسول کو اپنی صورت کے بدلنے کے موقعہ پر اورگتسمنی باغ میں اپنا خاص مصاحب چُنا تھا(مرقس ۹: ۲۔ ۱۴: ۳۴)۔ لیکن انجیلِ چہارم میں ان دونوں واقعات کا ذکر نہیں ہے حالانکہ یہ واقعات ایسے ہیں جو نہ صرف بھولنے والے ہی نہیں بلکہ انہوں نے دیکھنے والوں کی زندگی پر مستقل اثر ڈالا تھا۔ (۲پطرس ۱: ۱۶ وغیرہ)۔ علاوہ ازیں جس طرز سے یہ مصنف آنخداوند کی زندگی کے واقعات کو قلمبند کرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بارہ رسولوں میں سے نہیں تھا۔[1]

یہی نتیجہ ہم مقدس یوحنا کے خطوط سے اخذ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر چارلس نے انجیل چہارم اوریوحنا کے خطوط کا نہایت عالمانہ طورپر تفصیلی مطالعہ کیا ہے[2]۔ اوریہ ثابت کردیا ہے کہ یہ چاروں تصانیف ایک ہی شخص نے لکھی ہیں۔ ان خطوط میں مصنف اپنے آپ کو" رسول " نہیں کہتا بلکہ " پرسبٹر" کہتا ہے(۲یوحنا ۱: ۱، ۳یوحنا ۱آیت)۔ اوریہ عہدہ انجیل اورخطوط کے مصنف کی نشان دہی کا کام دیتا ہے ۔ یہ وہی " پرسبٹر" ہے جس کا ذکر جیسا ہم ابھی بتلائینگے پے پئس کرتا ہے اوریوسی بئیس بھی اسی نکتہ کی جانب اشارہ کرتا ہے[3] اورمقدس جیروم صاف لفظوں میں اس کی وضاحت کرتا ہے[4]۔

پس ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ روایت کہ انجیلِ چہارم مقدس یوحنا رسول بن زبدی کی تصنیف ہے ، صحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ انجیل چہارم کی شہادت کے اوراناجیل متفقہ کے دیگر مقامات کے خلاف ہے ۔ عقلِ سلیم یہی چاہتی ہے کہ اس کا مصنف یروشلیمی مقدس یوحنا پرسبٹر گردانا جائے اوردورِاوّلین میں کلیسیا کا ایک بااختیار اورمستند اُستاد اورمعلم تھا جو یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتا ہے کہ اس کی باتیں سنی اورقبول کی جائیں کیونکہ وہ حق ہیں(۲۱: ۴)۔ اس کو یہ احساس ہے کہ اس کے ساتھ کے مبلغین وہی گواہی

---

[1] Manson, Mission and Message of Jesus p.655
[2] Charles, Revelation p.XXXIV
[3] Hoskyns Fourth Gospel p.97
[4] H.E.iii.25

دیتے ہیں اوروہی باتیں کہتے ہیں جن کی وہ خود تعلیم دیتا ہے[1]۔ (۱یوحنا ۴: ۱۴، ۱۶، ۶، ۱۳، یوحنا ۲۰: ۲۱تا ۲۳ وغیرہ)۔

(۲)

کلیسیائی روایت کہ انجیل چہارم کا مصنف یوحنا رسول درحقیقت دوسری صدی کے آخر آئرینوس کے وقت سے ہے[2]۔ لیکن بشپ آئرینوس کے زمانہ میں اوراس انجیل کے زمانہ تصنیف میں قریباً ڈیڑھ سو سال کا طویل زمانہ حائل ہے۔ پس اس روایت کو تسلسل اورتواتر کا درجہ بھی نصیب نہیں۔ اس روایت کے حق میں یہ کہا جاتا ہے کہ بشپ آئرینوس نے یہ روایت پولی کا رپ اورپے پئس سے حاصل کی تھی جو یوحنارسول کے مصاحب تھے لیکن مورخ یوسی پئس صاف کہتا ہے کہ پے پئس یوحنا رسول کا مصاحب نہیں تھا[3]۔

علاوہ ازیں جب ہم پے پئس کے الفاظ پر (جن کا اقتباس یوسی بئس نے کیا ہے) تنقیدی نظر کرتے ہیں تو ہم پر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ شہر افسس کا بشپ یوحنا ، زبدی کا بیٹا اور سیدنا مسیح کا رسول نہ تھا۔ چنانچہ پے پئس کہتا ہے[4]

" اگر کوئی شخص مجھے ملتا جو پرسبٹروں کا شاگرد رہ چکا ہوتا تو میں اس سے پرسبٹروں کے اقوال کی بابت دریافت کرتا۔ جو اندریاس یا پطرس نے فلپس یا توما یعقوب نے یا یوحنا یا متی نے یا سیدنامسیح کے کسی دوسرے شاگرد نے کہے تھے اور نیز جو ایرسٹیون اوریوحنا پرسبٹر خدا کے شاگرد کہتے ہیں"۔

یہ ظاہر ہے کہ اس اقتباس میں لفظ" پرسبٹر" آنخداوند کے بارہ رسولوں میں سے کسی کے لئے استعمال نہیں ہوا، کیونکہ دوسرے یوحنا کے لئے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا اقتباس یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ پے پئس نے رسولوں کی باتیں بالواسطہ تیسرے آدمیوں سے سنیں۔ بالفاظ دیگر خبردینے والوں نے اس کو یہ بتلایا کہ فلاں بات ہم نے فلاں پرسبٹر سے سنی کہ فلاں رسول نے اس سے یہ بات کہی تھی۔ لیکن جب پے پئس کہتا ہے " اورنیز ایرسٹیون یا یوحنا پرسبٹر سیدنا مسیح کے شاگرد کیا کہتے ہیں" تو اس نے یہ باتیں بالواسطہ دوسرے آدمیوں سے سنی تھیں۔ ناظرین یہ بھی ملاحظہ کیا ہوگا کہ پے پئس پہلی قسم کے لئے فعل ماضی " کہے تھے" استعمال کرتا ہے لیکن دوسرے مقام میں فعل حال" کہتے ہیں" اورلفظ" نیز" استعمال کرتا ہے، جس سے یہ ثابت ہے کہ

---

[1] de viris illus.CC.9 and 18
[2] Hoskyns Fourth Gospel p.97
[3] F.V.Filson Origin of the Gospel pp.201-205
[4] Ecc. Histo,iii.39

ایرسٹیون اوریوحنا پرسبٹر اس وقت زندہ تھے۔ لیکن یوحنا بن زبدی اوراس کے رفقاءوفات پاچکے تھے۔

پے پئس نے یہ الفاظ ۱۰۰ء کے قریب لکھے تھے کیونکہ یوسی بئس ہمیں بتلاتا ہے کہ جس زمانہ میں پولیکارپ اور اگنیشئیس بشپ تھے وہ بھی اُسی زمانہ میں بشپ تھا[1]۔ پس ۱۰۰ء کے قریب بشپ پے پئس ایک شخص یوحنا سے واقف تھا جس کو وہ " پرسبٹر" کہتا ہے (لیکن رسول نہیں کہتا) جو منجئی عالمین کی صحبت سے فیضیاب ہوچکا تھا اورپے پئس کے زمانہ میں زندہ تھا۔ لیکن اقتباس سے ظاہر ہے کہ یوحنا بن زبدی رسول کے اقوال کے لئے وہ اور شخصوں کا مرہون منت ہے، جنہوں نے دوسروں سے سنا تھاکہ اس رسول نے کیا فرمایا تھا۔[2]

انجیلی مجموعہ میں مقدس یوحنا کے خطوط موجود ہیں جن میں سے دوسرے اورتیسرے خط میں یہ مصنف اپنے آپ کو" پرسبٹر" کہتا ہے (۱:۱) پس یہاں پے پئس کے خطاب کی تصدیق ہوتی ہے۔

ایک اورامر قابلِ غور ہے ۔ بشپ آئرینوس ہمیں بتلاتا ہے کہ انجیل چہارم کا مصنف یوحنا" سیدنا مسیح کا شاگرد" شہر افسس میں قیصر ٹریجن کے زمانہ (۹۸ء) تک زندہ رہا تھا۔ اگریہ یوحنا، زبدی کا بیٹا سیدنا مسیح کا رسول ہوتا تو پے پئس کویہ ضرورت ہی نہ پڑتی کہ وہ تیسری پشت کے لوگوں سے اس کے اقوال کو دریافت کرتا کیونکہ وہ ان اقوال کوجمع کرکے ۱۰۰ء کے قریب لکھ رہا تھا اوروہ ایسی جگہ کا بشپ تھا جو افسس کے قریب تھی پس وہ براہِ راست بلاواسطہ اُن سے کلام کرسکتا تھا۔

پس ہم اس نتیجہ پرپہنچتے ہیں کہ جس طرح بشپ پے پئس کو مقدس اندریاس مقدس پطرس وغیرہ دیگر رسولوں کابلاواسطہ علم نہ تھا اسی طرح اُس کو مقدس یوحنا بن زبدی رسول کا بھی علم نہ تھا۔

ناظرین نے نوٹ کیا ہوگا کہ مقدس آئرینوس انجیلِ چہارم کے مصنف کو" سیدنا مسیح کا شاگرد" بتلاتا ہے جس طرح وہ مقدس مرقس کو" پطرس کا شاگرد" کہتا ہے اور مقدس لوقا کو" رسولوں کا شاگرد" بتلاتا ہے ۔ لیکن وہ اس کو" یوحنا رسول" نہیں کہتا۔

---

[1] Ibid.iii.36
[2] C.F.Burney Aramaic Origin of the Fourth Gospel pp. 132 ff

اس میں کچھ شک نہیں کے پے پئس کے اقتباس میں دونوں یوحنا کے لئے الفاظ " سیدنا مسیح کے شاگرد" لکھے گئے ہیں لیکن پہلی صدی کے آخر میں اوراس کے بعد کے زمانہ میں جب وہ لوگ جنہوں نے سیدنا مسیح کو دیکھا تھا فوت ہوگئے تو لفظ" شاگرد" نہ صرف بارہ رسولوں کے لئے استعمال ہوتا تھا بلکہ ان تمام لوگوں کے لئے استعمال ہونے لگ گیا تھا جنہوں نے سیدنا مسیح کو دیکھا تھا[1]۔

یوسی پئس اس اقتباس کی نسبت لکھتا ہے " اس مقام میں پے پئس صاف کہتا ہے کہ وہ لوگ حق پر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یوحنا نام کے دواشخاص تھے اورافسس میں اب تک ایک قبربھی موجود ہے جس کو" یوحنا کی قبر" کہتے ہیں "۔ اس بات کی مزید تائید" رسولی ضابطہ (اپسٹالیک کانسٹیٹیوشن) سے بھی ہوتی ہے جو چوتھی صدی کی کتاب ہے اورجو قدیم ماخذوں سے بنی ہے۔ اس میں افسس کے بشپوں کی فہرست میں لکھا ہے " تیمتھیس جس کی پولوس نے تقدیس کی اوریوحنا جس کی یوحنا نے تقدیس کی"۔ یہ فہرست ۱۰۰ء تک کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ۱۰۰ء سے پہلے ایک یوحنا افسس کا بشپ رہ چکا تھا جس کی یوحنا رسول بن زبدی نے تقدیس کی تھی جس طرح پولوس رسول نے تیمتھیس کی تقدیس کی تھی ۔ اورہم سمجھ سکتے ہیں کہ دونوں یوحنا کس طرح غلط ملط ہوگئے۔

(۳)

ممکن ہے کہ بعض اصحاب یہ خیال کریں کہ کلیسیائی روایات متفقہ طورپر تسلیم کرتی ہیں کہ ایشیا کا یوحنا جو بڑھاپے میں قدرتی موت مرگیا تھا وہی یوحنا ہے جو زبدی کا بیٹا اورسیدنا مسیح کا رسول تھا۔ لیکن کلیسیائی روایات کا اس امرپر اتفاق نہیں ہے بلکہ ایک اورکلیسیائی روایت کے مطابق جو قدیم ہے زبدی کے بیٹے مقدس یوحنا رسول نے شہادت کا درجہ حاصل کیا تھا۔ یہ روایت صحیح بھی معلوم ہوتی ہے اوراس کی تائید انجیل جلیل سے حضرت کلمتہ اللہ کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے (مرقس ۱۰: ۳۵تاآخر)۔

(۱۔) سکندریہ کا کلیمنٹ ، ہیراکلیون کا اقتباس کرتا ہے جس میں لکھا ہے " بعض نے اپنے ایمان پر موت سے مہر نہ کی مثلاً متی ، فلپس، توما، لیوی وغیرہ"۔ ان ناموں میں مقدس یوحنا رسول کا نام

[1] Macgregor, The Gospel of St John pp. XLIV ff.

نہیں ہے اوراس کو یقیناً " وغیرہ" میں شمار نہیں کیا جاسکتا ؛کم ازکم کلیمنٹ اس کے خلاف نہیں ہے[1]۔

(۲۔) "شہادتِ اندریاس"(مارٹرڈم آف اینڈروز) میں جن الفاظ میں مقدس یوحنا رسول کا ذکرآیا ہے ان سے یہ پتہ چل سکتا کہ یعقوب کا بھائی یوحنا ایشیا کوچک میں گیا تھا اوروہاں اس نے مدت تک زندگی بسر کی۔

(۳۔) فلپ آف سائید پانچویں صدی کے مورخ نے ۴۳۰ء میں لکھا کہ مائراپولس کے بشپ پے پئس نے ذا پنی کتاب" سیدنا مسیح کے کلمات سماوی کی تفسیر" کی دوسری جلد میں لکھا ہے کہ" یوحنا اوراس کے بھائی یعقوب کو یہود نے قتل کردیا"۔ یہ بشپ پہلی صدی کے اواخر اوردوسری صدی کے اوائل کے ہیں پس یہ گواہی نہایت اہم ہے۔

(۴۔) مقدس خرسسٹم بھی یوحنا رسول کی شہادت کا حامی ہے[2]۔

(۵۔) افراحت اپنے وعظ " دی پرسیکیوشن" ۳۴۳ء میں کہتا ہے " سیدنا مسیح منجئی کی شہادت اعلیٰ اورجلالی ہے۔۔ آپ کے بعد ستفینس ایماندار شہید ہوا جس کو اہل یہود نے سنگسار کردیا۔ شمعون اورپولوس بھی کامل شہید تھے ۔ یعقوب اوریوحنا بھی اپنے آقا کے نقشِ قدم پر چلے۔ اوررسولوں میں سے دوسروں نے بھی ایمان کا اقرار کرکے شہادت کا درجہ حاصل کیا"۔

(۶۔) اس امر کی تائید ایڈیسہ کی سریانی کلیسیا کی جنتری(۴۱۱ء) سے بھی ہوتی ہے جس میں لکھا ہے[3]:

" ۲۶ تاریخ ماہ دسمبر۔ پہلا شہید استفینس جو یروشلیم میں شہیدہوا ، وہ شہداء کا سردار ہے۔ ۲۷تاریخ ماہ دسمبر ۔ یوحنا اوریعقوب رسول جو یروشلیم میں شہید ہوئے " ظاہر ہے کہ اگریہ شہادت درحقیقت واقعہ ہوئی تو قومِ یہود کی پراگندگی (۷۰ء) سے پہلے واقع ہوئی تھی۔

یہ ممکن ہے کہ مذکورہ بالا مصنفوں میں سے کسی ایک کی گواہی ضعیف ہولیکن جب سب گواہیاں اکٹھی کی جائیں تو وہ وزن دار ہوجاتی ہیں ۔ بالخصوص آخری دو گواہیاں زبردست قسم کی

---

1 Revd.J.L.Jackson"The Death of John , Son of Zebedee"in J. Th. S. Oct. 1916

2 See Charles, Revelation Vol I, p.XIV ff.

3 F. C. Burkitt, Gospel History and its Transmission pp.250-54

ہیں۔ کم ازکم ان سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ چوتھی صدی میں ایشیائے کوچک اورمشرق کی کلیسیائیں یہ مانتی تھیں کہ مقدس یوحنا رسول نے درجہ شہادت پایا تھا۔

اعمال ۲۰: ۲۹ میں مقدس پولوس نے افسس میں الوداعی تقریر کرتے وقت کہا " میرے جانے کے بعد پھاڑنے والے بھیڑئیے تم میں آئیں گے" ۔ لیکن اگر مقدس لوقا مصنفِ اعمال کو یہ علم ہوتا تکہ مقدس یوحنا رسول مقدس پولوس کے افسس میں جانشین ہوں گے تو وہ ہرگز اس قسم کے الفاظ نہ لکھتے۔

علاوہ ازیں انطاکیہ کےبشپ اگنیشئیس نے اپنی شہادت سے پہلے ۱۱۰ء میں افسیون کی کلیسیا کے نام ایک خط لکھا جس میں وہ کہتا ہے کہ مقدس پولوس کی وجہ سے اس کلیسیا کی بنیاد رسولی ہے۔ لیکن اگراس کو یہ علم ہوتا کہ مقدس یوحنا وہاں تھے تو وہ رسولی بنیاد کی وجہ پولوس اوریوحنا لکھتا لیکن وہ افسس میں مقدس یوحنا کے وجود کی نسبت قطعی خاموش ہے اوریہ خاموشی ثابت کرتی ہے کہ یوحنا رسول وہاں کبھی گئے ہی نہ تھے۔

پس نتیجہ صاف ہے کہ کلیسیائی روایت متفقہ طورپر نہیں کہتی کہ انجیلِ چہارم کا مصنف مقدس یوحنا رسول تھا۔ جہاں دوسری صدی کے آخر میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس انجیل کورسول کے ہاتھوں نے لکھا تھا وہاں کلیسیا میں دوسری آواز بھی موجود تھی جو یہ نہیں مانتی تھی اورکہتی تھی کہ مقدس یوحنا رسول اہلِ یہود کے ہاتھوں شہید کئے گئے تھے ۔ یہ سوال قدرتی طورپر پیدا ہوتا ہے کہ اگریہ رسول شہید نہیں کئے گئے تھے تو ان کی شہادت کی روایت کیسے شروع ہوگئی ؟ ہم بتلاچکے ہیں کہ ان کی شہادت کے گواہ ایسے زبردست ہیں کہ وہ نظر انداز نہیں کئے جاسکتے[1]۔ بشپ پے پئس کے مطابق یہ شہادت ۶۲ء کے یہودی فسادات کے دوران میں واقع ہوئی[2] اس کے بھائی یعقوب کی شہادت اس سے بہت پہلے وقوع میں آئی تھی (اعمال ۱۲: ۲)۔

(۴)

ہم سطوربالا میں کہہ چکے ہیں کہ انجیل چہارم کے اشارات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف مقدس یوحنا پرسبٹر ایک معزز صدوقی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ جواں عمر تھا جوخود تمام واقعات کا چشم دید گواہ تھا(۱۰: ۲۲)[3] یہ ممتاز ،باوقار اورآسودہ

---

[1] Filson, the Origin of the Gospels pp. 201 ff. See also Moffat's Introduction to the Lit.of N.T. pp. 601 ff.
[2] Outlines of Christianity , Vol.i.p281
[3] A.E. Garvie, The Beloved Disciple (1922) See also Duff's book, and Sanday's Criticism of the Fourth Gospel.

خاندان جس کا وہ چشم وچراغ تھا کاہنوں کا خاندان تھا۔ وہ بارہ رسولوں کے زمرہ میں نہ تھالیکن آنخداوند کا محبوب شاگرد تھا جس کو اپنے آخری ایام میں خاص طورپر اپنی صحبتِ خاص سے سرفراز فرمایا تھا۔ چنانچہ آیات ۱۳: ۲۳، ۱۸: ۱۵۔ ۱۹: ۳۶۔ ۲۰: ۲۔ ۲۱: ۷، ۲۰ الخ سے ظاہر ہے کہ منجئی کے آخری ایام میں وہ آپ کا رفیق ، مونس اور غمخوار تھا۔ جب کبھی آنخداوند یروشلیم جاتے وہ ان ایام کے دوران میں آپ کے ساتھ ہوتا۔ ڈاکٹر گاوری کا خیال ہے کہ وہ بالا خانہ کا مالک تھا اورغالباً یہی وجہ ہے کہ وہ اپنا نام بھی ظاہر نہیں کرتا۔

اس نظریہ کی (کہ مقدس یوحنا کاہنوں کے خاندان سے تھا) تصدیق افسس کے بشپ پولی کریٹیز سے بھی ہوتی ہے۔اس نے روم کی کلیسیا کے بشپ وکٹر کو ۱۹۰ء میں ایک خط لکھا جب پولی کریٹیز ۶۵سال تک مسیحی رہ چکا تھا۔ وہ بشپ وکٹر کو مشرقی کلیسیاؤں کے دستور کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ کلیسیائیں عیدِ قیامت کب مناتی ہیں اور کہتا ہے کہ" تمام مشرق میں صاحبِ فضل وکمال جواب آرام کررہے ہیں اورسیدنا مسیح کی آمد کے وقت اٹھیں گے مثلاً فلپس جو دوازدہ رسولوں میں سے تھا اوراب ہائراپولوس میں سورہا ہے اوراس کی دو بیٹیاں ۔۔۔ اوریوحنا جو آنخداوند کے سینہ کی طرف جھکا تھا اورکاہن رہ چکا تھا اورجو کاہنوں کا سینہ بند باندھے ہوتا تھا۔ اورپولی کارپ جو سمرنا کا بشپ اورشہید تھا۔۔۔[1]۔ اگر اس شخص کا یہ خیال ہوتا کہ یہ یوحنا سیدنا مسیح کا رسول ، زبدی کا بیٹا تو وہ لکھتے وقت ،فلپس جو بارہ رسولوں میں سے تھا" کے بعد اس کا نام لکھتا نہ فلپس کی بیٹیوں کے بعداس کے نام کا ذکر کرتا ۔ حیرت پر حیرت یہ ہے کہ وہ اس یوحنا کو" رسول" نہیں کہتا بلکہ " گواہ اوراستاد" کہتا ہے حالانکہ وہ لکھتا ہے کہ وہ افسس میں سوتا ہے" جس جگہ کا پولی کریٹیز سے پیشتر افسس کا بشپ ہوتا تو یقیناً وہ سب سے پہلے اس کا نام لکھتا۔

پس اس انجیل کا مصنف مقدس یوحنا بن زبدی سیدنا مسیح کا رسول نہیں تھا بلکہ یروشلیم کے ممتاز کاہنوں کے خاندان کا ایک ہونہار جوان تھا جس نے ربیوں کے مکتب میں علم حاصل کیا تھا اورجس نے آپ کو ربیوں سے بحث کرتے سنا تھا اوران کو دندان شکن جواب پاتے دیکھا تھاجو اس کے لئے مزید کشش کا باعث ہوا کیونکہ (جیسا ہم اگلے حصہ میں چل کر ثابت کرینگے) آنخداوند

---

[1] Eusebius, H.E.V.24

ربیوں کے علم اوراستدلال سے بخوبی واقف تھے اوران کو ترُکی بترکی جواب دے سکتے تھے۔ پس وہ سیدنا مسیح کے پیچھے ہولیا اوراس قابل ہوگیاکہ عہدِ عتیق کی تاویلات آنخداوند کے خیالات کے مطابق کرسکے۔

فصل سوم

مقدس یوحنا کے حالات اورانجیلِ چہارم کا پایہ اعتبار

ہم نے اس باب میں قدرے تفصیل کے ساتھ کام لے کر انجیل چہارم کے مصنف کے صحیح حالات کا انجیلِ چہارم کی اندرونی شہادت سے اورکلیسیائی روایات کی جانچ پڑتال سے پتہ لگانے کی کوشش کی ہے ۔کیونکہ اس سوال کا تعلق انجیل کے پایہ اعتبار سے بھی ہے ۔ اگریہ ثابت ہوجائے کہ اس انجیل کا مصنف یوحنا بن زبدی سیدنا مسیح کا رسول تھا تو یہ ظاہر ہے کہ وہ نہ تو واقعات کا چشم دید گواہ ہو سکتا ہے اورنہ وہ انجیل کے فاضلانہ مضامین کا ذمہ دارہوسکتا ہے۔ چونکہ وہ ایک "اَن پڑھ اورناواقف" شخص تھا وہ عہدِ عتیق کی عبرانی سے (جس کا علم صرف علماء اورربیوں کے طبقہ تک ہی محدود تھا، ناواقف تھا ، وہ صرف سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر اپنے متصوفانہ خیالات قائم کرسکتا تھا اوریونانی مائل یہودی تصورات سے صرف بالواسطہ تعلق رکھ سکتا تھا ۔ ظاہر ہے کہ اس نظریئے کا اثر انجیل چہارم کی صحت اورپایہ اعتبار دونو پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو علماء یہ مانتے ہیں کہ اس انجیل کو یوحنا بن زبدی رسول نے لکھا وہ بالعموم اس انجیل کی تواریخی اہمیت کے قائل نہیں اوران کا یہ نظریہ ہے کہ انجیل چہارم تواریخی واقعات سے معریٰ ہے اوراس کے مکالمات مصنف کے اپنے ہیں جن کو وہ کلمتہ اللہ کے منہ میں ڈالتا ہے پر چونکہ یہ مکالمات متصوفانہ اورعارفانہ پیرایہ میں ہیں لہذا وہ حضرت کلمتہ اللہ کے اصلی خیالات کے حامل ہیں۔

لیکن ہم اس باب میں اصل حقیقت بتلاچکے ہیں کہ انجیل کی اندرونی شہادت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف یروشلیم کا یہودی ہے جو کسی بارسوخ خاندان کا چشم وچراغ تھاجو جنوبی کنعان کے مختلف مقامات کو نہایت صحت کے ساتھ بیان کرتا ہے اوریروشلیم کی گلیوں اورہیکل کے کونہ کونہ سے واقف تھا اوران کا ٹھیک ٹھیک پتہ دیتا ہے ۔ وہ عہدِ عتیق کی مختلف کتُب کا اصل عبرانی میں علم رکھتا ہے۔ اس نے تورات کاعلم اورطرزِ استدلال ربیوں کے مکتب میں سیکھا ہے وہ یونانی فلاسفہ اوریونانی مائل یہود

کے تصورات سے بخوبی واقف ہے۔ وہ ایک اچھا ادیب اورشاعر ہے۔ وہ اُن بیانات کا جو انجیل میں لکھے ہیں چشم دید گواہ ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر برنارڈ اپنی مشہورتفسیر میں لکھتا ہے[1] " کہ اس انجیل کی سطحی اورقدرتی تاویل ظاہرکردیتی ہے کہ یہ بیانات انجیل مرقس سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔ اس کا مصنف اُن واقعات کو لکھتا ہے جن کا وہ چشم دید گواہ ہے اوروہ باتیں بتلاتا ہے جواس کے اپنے علم میں آئیں اورجن کی نسبت اس کو یقین ہے کہ وہ فی الحقیقت وقوع پذیر ہوئیں۔ جن مکالمات کو وہ لکھتا ہے اُن کی نسبت اس کو یقین ہے کہ وہ فی الواقع کہے گئے تھے ۔ انجیل کے مختلف مناظر، مصنف کے تخلیقی دماغ کا نتیجہ نہیں ہیں، جن کی تاویل مجازی طورپر ہونی چاہئیے" اس مشہورعالم مصنف کے یہ الفاظ نہایت اہم ہیں کیونکہ وہ پہلے اس نظریہ کا حامی تھا کہ یہ انجیل یوحنا بن زبدی رسول نے لکھی ہے[2]۔ ہم باب پنجم میں بتلاآئے ہیں کہ دورِحاضرہ کے یہودی علماء جنہوں نے اپنی عمر گرانمایہ اس انجیل کے مطالعہ میں صرف کردی ہے ، کہتے ہیں کہ وہ مسیحی نقاد اورمفسر غلطی پر ہیں

[1] J.H. Bernard, Commentary on St.John (International) Critical Commentary T.&T.Clark)

[2] Review in the Gurdian (England) Aug.23. 1929.

جو یہ خیال کرتے ہیں کہ جو مکالمات اس انجیل میں درج ہیں وہ یسوع ناصری کے منہ سے نہیں نکلے تھے۔

حق تو یہ ہے کہ اب علماء اس نظریہ کو بے چُون وچرا تسلیم کرنے کے لئے تیارنہیں کہ انجیل چہارم کا مصنف مقدس یوحنا بن زبدی رسول تھا اورعام طورپر نقاد اس نظریہ کے خلاف نظرآتے ہیں[3]۔

(۲)

اگریہ کلیسیائی روایت درست ہے کہ مقدس یوحنا بن زبدی رسول، اہلِ یہود کے ہاتھوں شہید ہوگئے تھے تو ظاہر ہے کہ اس واقعہ سے انجیل چہارم کی تاریخ تصنیف پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اگراہلِ یہود نے اس رسول کو شہید کیا ہوگا تو یہ امر محتاج بیان نہیں کہ آپ کی شہادت ۷۰ء سے پہلے وقوع میں آئی ہوگی۔ کیونکہ اس کے بعد یہود خود پراگندہ ہوکر تتربترہوگئے تھے۔ ہم گذشتہ فصل میں بتلاچکے ہیں کہ بشپ پے پئس کے بیان کے مطابق آپ ۶۲ء میں شہید ہوگئے تھے۔ پس اگر وہ ۷۰ء سے پہلے شہادت کا درجہ پاچکے تھے تو وہ ۹۰ء یا بقول بعض نقاد ۱۱۰ء کے قریب انجیل کو کس طرح افسس کے مقام

[3] B.W.Bacon, The Story of Jesus (1928) p.40

پر اپنے بڑھاپے کے زمانہ میں تصنیف کرسکتے تھے؟ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس انجیل کے مصنف مقدس یوحنا پرسبٹر تھے جو ۱۱۷ء میں فوت ہوئے تھے[1]۔

(۳)

پس ثابت ہوگیا کہ اس انجیل کا اصل مصنف یروشلیم کا رہنے والا مقدس یوحنا پرسبٹر ہے جواپنی جوانی کے ایام میں سیدنا مسیح کی شاگردی اورصحبت سے سرفراز ہوچکا تھا۔ جب سیدنا مسیح مصلوب ہوئے تو سیدنا مسیح کے اس محبوب شاگرد نے آپ کی والدہ ماجدہ کو اپنے گھر میں رکھا۔ کلیسیا کے دورِاوّلین میں وہ کلیسیا کے " استادوں" کے گروہ کا ایک ممتاز فرد تھا اورچونکہ وہ مقدس پولوس اورعبرانیوں کے خط کے مصنف کی مانند عہدِ عتیق کا اوریہود کے ربیوں کا اوریونانی مائل یہود کے فلاسفہ کا علم رکھتا تھا اورکلیسیا کا استاد اورپرسبٹر تھا، اس نے اپنے آقا اورمولا کی زندگی کے واقعات، آپ کی صلیبی موت، قیامت اورآمدِ ثانی کی صحیح تاویل کرکے کلیسیائے جامع کے خیالات کا رخ بدل دیا۔ پینتالیس پچاس سال کی عمر میں انجیلِ چہارم کو پہلی صدی کے نصف میں تصنیف کرکے وہ وایک ایسی انجیل کلیسیا کو ورثہ میں دے گیا جو تادوام زندہ رہیگی اورعالم وعالمیان کو زندگی کی راہ تاقیامت دکھاتی رہیگی(۲۰: ۲۱)۔

باب ہشتم

اناجیلِ اربعہ کے پایہ اعتبار پراجمالی نظر

ناظرین کو یاد ہوگا کہ اس کتاب کو لکھنے کا ایک مقصد یہ تھا کہ اسبات کاثبوت بہم پہنچایا جائے کہ منجئی جہان کے واقعاتِ زندگی ، معجزاتِ بینات، صلیبی موت، ظفریاب قیامت وغیرہ واقعات جن کا ذکر اناجیلِ اربعہ میں پایا جاتاہے ، درحقیقت اسی طرح وقوع پذیر ہوئے تھے جس طرح وہ اناجیل میں مندرج ہیں۔ اورکہ آپ کے جو مکالمات اورکلماتِ طیبات اناجیل میں لکھے ہوئے ہیں وہ بعینہ وہی ہیں جوآپ کی زبانِ معجزبیان سے نکلے تھے۔

ہم نے ان چارحصوں میں یہ ثابت کیا ہے کہ جن واقعات کا ذکراناجیل میں کیا گیا ہے اُن کے لکھنے والے اورذکرکرنے والے خود چشم دید گواہ تھے۔ جواُن کے کانوں نے سنا ، وہی انہوں نے قلمبند کرلیا۔ یہ گواہ کہتے ہیں کہ " جسے ہم نے سنا اوراپنی آنکھوں سے دیکھا

[1] Profl.A. Burr."The Factor of Testimony in the Gospels Exp.Times, Jesus 1938 pp.401ff

بلکه غور سے دیکھا اوراپنے ہاتھوں سے چھوا ہم اس کی گواہی دیتے ہیں(پہلا یوحنا ۱: ۱۔اعمال ۴: ۲۰۔یوحنا ۱۹: ۳۵۔ ۲پطرس ۱: ۱۶۔لوقا ۲۴: ۳۹۔ ۱: ۲تا ۳۔یوحنا ۱۵: ۲۷ وغیرہ)۔

(۱۔) سیدنا مسیح کی وفات کے بعد پہلے دس سال

ہم نے جلد اوّل کے حصہ اوّل میں یہ ثابت کیا ہے کہ سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات کودیکھنے والے اورآپ کے جانفزا، پیغام کوسننے والے ہزاروں تھے(لوقا ۱۲: ۱ وغیرہ)۔ جنہوں نے ارضِ مقدس کے مختلف گوشوں میں جہاں کہیں آپ گئے ،آپ کے مبارک کلام کو سنا اورآپ کے کاموں کو دیکھا۔ یہ لوگ جس جگہ بھی گئے اُن عجیب کاموں کا اورآپ کے منہ کی باتوں کا چرچا کرتے رہے۔ آپ نے خود ستر مبلغین کو ارضِ مقدس کے مختلف کونوں میں بھیجا تاکہ تمام یہود پر اتمامِ حجت ہوجائے۔ پس انجیلی بیانات کے مصدق ہزارہا ثقہ چشم دید گواہ ہیں جن میں سے بعض سیدنا مسیح کے جانی دشمن تھے (یوحنا ۹: ۱۶ وغیرہ)۔ پس یہ بیانات تابعین اور تبع تابعین کے یعنی دوسری یا تیسری یا چوتھی پشت کے ایمانداروں کے بیانات نہیں ہیں بلکہ اُن لوگوں کے ہیں " جو شروع ہی سے خود دیکھنے والے اورکلام کے خادم" تھے(لوقا ۱: ۲)۔ جواپنے اعتبار کے لحاظ سے کلیسیا میں مشہورتھے (یوحنا ۲۱: ۲۴)۔

یہ ہزارہا چشم دید گواہ سب کے سب لکھے پڑھے خواندہ اشخاص تھے جن میں سے بیسیوں نے اُن واقعات کو پاروں میں لکھا جوانہوں نے دیکھے تھے اوراُن کلمات کو قلمبند کیا جو انہوں نے سنے تھے(لوقا ۱: ۱)۔ آنخداوند کی وفات کے بعد کے دس سال میں یہ تحریری پارے مختلف کلیسیاؤں میں رائج ہوگئے اورجوں جوں کلیسیا روزافزوں ترقی کرتی گئی یہ پارے جگہ بہ جگہ نقل ہوکر ایمان داروں کے ایمان کو مستحکم کرنے اوردوسروں کو منجئی جہان پر ایمان لانے میں ممدومعاون ثابت ہوئے۔

اس دورِ اوّلین میں کلیسیا نے اپنے آپ کو منظم بھی کرلیا۔ چنانچہ اس میں رسولوں اوراستادوں کا اورمبلغین کے گروہوں کا وجود پیدا ہوگیا اوریہ گروہ جڑ پکڑکرترقی کرتے گئے ۔اُنہوں نے کلیسیا کے بے شمار ایمان داروں کے لئے مختصر رسالے لکھے جن میں سیدنا مسیح کے مسیحائی دعوےٰ کا عہدِ عتیق سے ثبوت پیش کیا گیا تھا ۔ اوراہلِ یہود کے دیگر بیسیوں اعتراضات کا جواب دیا گیا تھا تاکہ کلیسیا کے ایمان داروں اورمبلغوں کے کام آئیں ۔ مسیحی معلموں

اوراستادوں کے فاضل گروہ نے صلیبی واقعہ کا مربوط مسلسل بیان بھی مرتب کیا جو چشم دید گوہوں کے بیانات پر مشتمل تھا۔

اس فاضل گروہ کے ہاتھوں میں ایک رسالہ بھی تھا جس میں حضرت کلمتہ اللہ کے کلمات لکھے تھے۔ یہ خداوندی کلمات آپ کی حینِ حیات میں ہی جمع کئے گئے تھے۔ اس رسالہ کی نقلیں جا بجا کلیسیاؤں میں مروج تھیں اوررسولوں ، معلموں، مبلغوں، اورایمان داروں کے ہاتھوں میں موجود تھیں۔ یہ رسالہ ارامی زبان میں تھا جس میں حضرت کلمتہ اللہ کلام کرتے تھے ۔ آپ کے ان کلمات کو مقدس متی نے جمع کیا تھا۔

پس اس اوّلین دورمیں (از۳۰ء تا ۴۰ء) یعنی منجئی عالمین کی وفات کے دس سال کے اندرکلیسیا میں ہزارہا نومرید شامل ہوگئے جن میں کٹریہود اوریونانی مائل یہود ، دونوں شامل تھے۔ ان ایمان داروں میں رسالہ "کلماتِ خداوندی" مروج تھا۔ اس کے علاوہ ان کے ہاتھوں میں بیسیوں پارے اورتھے جن میں آنخداوند کے معجزات بینات کا ذکر تھا جو چشم دید گواہوں نے لکھے ہوئے تھے۔ آنخداوند کی صلیبی موت اورظفریاب قیامت کے حالات بھی پاروں کی شکل میں ارضِ مقدس کے دُوردرازمقامات کی کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں تھے ۔ کلیسیا کے فاضل معلموں کی جماعت نے رسالہ" اثباتِ مسیح موعود" تیارکرکے ایمان داروں کے ہاتھوں میں دے دیا تھا ، جس میں عہدِ عتیق کی کتُب سے ثابت کیا گیا تھا کہ یسوع ناصری مصلوب ہی وہ مسیح موعود ہے جس کی انبیائے سلف کمال شوق سے انتظار کررہے تھے۔ ان کے علاوہ مختصر رسالوں ، دوورقہ اورچارورقہ پاروں میں ان اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا تھا جواہلِ یہود سیدنا مسیح کی مسیحائی پر کرتے تھے تاکہ ایمان داریہودی معترضین کو تسلی بخش جواب دے سکیں۔ اوراُن کے اپنے ایمان کو استقامت حاصل ہو اور وہ دوسروں کی نجات کا وسیلہ بن جائیں۔

(۲۔) سیدنا مسیح کی وفات کے بعد کے پچیس سال جمع وتالیفِ اناجیل کا زمانہ

منجئی عالمین کی وفات کے دس سال کے اندراندر مقدس مرقس نے اپنی انجیل لکھی اور۴۰ء میں اس کو شائع کیا۔ آپ نے رسالہ کلمات کو جوآنخداوند کے جیتے جی لکھا گیا تھا اپنا ماخذ بنایا۔ اس کے علاوہ آپ کےدیگر چھوٹے چھوٹے پارے استعمال کئے جو قدیم ترین تھے اورجن کو چشم دید گواہوں نے لکھا تھا۔ان تحریری ماخذوں کے علاوہ آپ خود صلیبی واقعہ کے چشم دید گواہ تھے ۔

آپنے اپنے چشم دید تجربہ اوردیگر چشم دید گواہوں کے بیانات سے صلیبی واقعہ کا بیان مرتب کیا۔ آپ نے دورِ اوّلین کے اُستادوں کا رسالہ" اثباتِ مسیح موعود" کا بھی استعمال کیا اوراپنی انجیل تالیف کی جو اپنے پایہ اعتبار کی وجہ سے تمام ارضِ مقدس کی کلیسیاؤں میں رواج پاکر مقبول عام ہوگئی۔ چونکہ آپ مقدس پطرس اورمقدس پولوس اوربرنباس کے ساتھ انجیل کے سنانے میں بڑے سرگرم تھے لہذا کلیسیائیں آپ کے کام اورجوش سے بخوبی واقف تھیں (۱پطرس۵: ۱۳۔ ۲تیمتھیس۴: ۱۰۔ فلیمون۲۴۔ کلسیوں ۴: ۱۴۔ اعمال ۱۵: ۴۰)جس کی وجہ سے آپ کی انجیل کا پایہ اعتبار ہر جگہ مسلم تھا۔

(۲۔) مقدس متی نے رسالہ کلماتِ خداوندی کو جو قدیم ترین اور معتبر ترین رسالہ تھا" اپنی انجیل کا ماخذ بنایا۔ آپ نے مقدس مرقس کی انجیل کو جس میں منجئی عالمین کے اہم ترین سوانح حیات کا ذکر تھا، لفظ بہ بلفظ نقل کیا ۔علاوہ ازیں آپ نے کلیسیا کےفاضل معلموں کےتیارکردہ قدیم رسالہ " اثباتِ مسیح موعود" کا بھی استعمال کیا اور دیگر چھوٹے چھوٹے پاروں کو (جو قدیم زمانہ سے کلیسیاؤں میں مروج تھے اورچشم دید گواہوں کے لکھے ہوئے تھے)۔ بڑی کاوش سے جمع کیا اوراُن کوبھی اپنی انجیل کا ماخذ بنایا۔ آپ نے اپنی انجیل کو یہودی نومریدوں کے ایمان کے استحکام کے لئے منجئی جہان کی وفات کے قریباً بیس برس کے بعد لکھا۔اس انجیل کےوسیلے ہزاروں کٹریہود کلیسیا میں شامل ہوگئے۔ یہ انجیل اس قد مستند اورمعتبر تسلیم کی جاتی تھی کہ قدیم کلیسیا میں ایمان داراس کو" الانجیل" کے نام سے موسوم کرتے تھے حالانکہ یہ انجیل کٹریہود کی خاطر لکھی گئی تھی اورکلیسیا میں یہ ایمان دار مشرك اوربُت پرست مذاہب سے شامل ہوئے تھے ، جو اہلِ یہود کے نام سے بیزارتھے لیکن اس کا مستند ہونا ہر ایك کو مسلم تھا اوراس کا پایہ اعتبارنہایت بلند تھا جس کی وجہ سے اس کو خاص طورپر" الانجیل" کہا جاتا تھا۔

مقدس لوقا نے بھی رسالہ کلمات خداوندی کو اپناماخذ بنایا۔ آپنے قدیم ترین انجیل مرقس کو بھی لفظ بلفظ نقل کیا کیونکہ یہ انجیل تمام کلیسیامیں نہایت مستند اور معتبر تسلیم کی جاتی تھی۔علاوہ ازیں مقدس لوقا مقدس مرقس سے بخوبی واقف تھے کیونکہ دونوں مقدس پولوس کے ساتھی اورخدمت گزارتھے۔ (۲تیمتھیس ۴: ۱۱۔ فلیموں۲۴۔ کلسیوں ۴: ۱۴)اوردونوں بشارت کے کام میں سرگرم

اورجوشیلے مبلغ تھے (کلسیوں ۴: ۱۰۔ ۲تیمتھس ۴: ۱۱۔ ۲کرنتھیوں ۸: ۱۸)۔

مقدس لوقا نے دوڑدھوپ کرکے نہایت محنت سے مختلف رسالے اورپارے بہم پہنچائے جواُن لوگوں کے لکھے ہوئے تھے جو شروع سے خود دیکھنے والے ،اورکلام کے خادم تھے"(۱: ۱)۔ اوربڑی تحقیق اورجستجو کے بعد اس قابل قدروقدیم ذخیرہ سے آپ نے غیر یہود نومریدوں کے لئے انجیل تالیف کی جو اس وقت ہزاروں کی تعداد میں سلطنت روم کے مختلف گوشوں میں رہتے تھے تاکہ وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہیں۔ یہ انجیل مقام قیصریہ میں منجئ جہان کی وفات کے پچیس برس بعد لکھی گئی اور ۷۵ء میں شائع ہوگئی۔

(۴۔) جن ایام میں مقدس متی نے اپنی انجیل کو کٹر یہودی مسیحیوں کے لئے لکھا انہی ایام میں یعنی منجئِ عالمین کی وفات کے قریباً بیس برس کے بعد مقدس یوحنا نے اپنی انجیل اُن یہودی نومریدوں کے لئے تصنیف کی جو یونانیت کے دلدادہ تھے اورجن کی تربیت یونانی تہذیب اورفلسفہ کے گہوارہ میں ہوئی تھی۔مقدس یوحنا خود یروشلیم کے رہنے والے تھے اورکاہنوں کے خاندان کے چشم وچراغ تھے ۔ وہ اُن واقعات کے خود چشم دید گواہ تھے جومقدس شہر یروشلیم میں رونما ہوئے تھے۔ اُن کے اپنے کانوں نے اُن مکالمات کو سنا تھا جو حضرت کلمتہ اللہ نے اپنی زبانِ مبارک سے فرمائے تھے ۔ علاوہ ازیں آپ نے قدیم ترین انجیل مرقس کو جو اپنے پایہ اعتبار کی وجہ سے کلیسیا میں مقبولِ عام تھی، اپنا خاص ماخذ بنایا۔ آپنے قدیم ترین رسالہ کلماتِ خداوندی" کو بھی بطور ماخذ استعمال کیا۔ انکے علاوہ آپ کے پاس دیگر معتبر قسم کے قدیم ماخذ بھی تھے۔ چونکہ آپ خوددورِاوّلین کے اُستادوں کے زمرہ کے ایک ممتاز فرد تھے آپنے قدرتی طورپر رسالہ " اثباتِ مسیح موعود" کا بھی استعمال کیا اوران ماخذوں سے سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات کو انجیل میں لکھا ۔ آپ نے نہ صرف آنخداوند کے سوانح حیات کو لکھا بلکہ ان کی ایسی تاویل کی جس سے سیدنا مسیح کی جلالی زندگی کے نورانی واقعات کااصل مفہوم عالم وعالمیان پر روشن ہوگیا۔

(۲)

ہم سطورِبالا میں بتلاچکے ہیں کہ اناجیلِ اربعہ کے بیانات چشم دید گواہوں کے بیانات ہی تھے۔ اناجیل کے مصنفین اس

معاملہ میں نہایت محتاط تھے۔ انہوں نے کسی چشم دید گواہ کے بیان کو تسلیم نہ کیا تاوقتیکہ دیگر چشم دید گواہوں نے ان کے بیان کی تصدیق نہ کی۔ ان کا خصوصی معیاروہی تھا جو صداقت کو جاننے کے لئے اہلِ یہود میں تورات شریف کے احکام کی بنا پر رائج تھا۔ چنانچہ استشنا ۱۹: ۱۵ میں یہ معیار ہے" کسی شخص کے خلاف۔۔۔۔ ایک ہی گواہ بس نہیں بلکہ دوگواہوں یا تین گواہوں کے کہنے سے بات پکی سمجھی جائے "(دیکھو گنتی ۳۵: ۳۰، استشنا ۱۷: ۶ وغیرہ)۔ گویہ معیار قانونی کارروائی اورعدالتی معاملات کےلئے پہلے پہل تجویز ہوا تھا، لیکن اس کو وسعت دے کر جرائم اورگناہوں پر لاگوکردیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ یہی معیار سوشل اورسماجی زندگی پر بھی حاوی تھا۔ چنانچہ متی ۱۸: ۱۵ ۔الخ ۔ میں خطاکار بھائی کو سمجھانے کے لئے یہ اصول لکھا ہے" ہرایک بات دو تین گواہوں کی زبان سے ثابت ہوجائے"۔ ان دوتین گواہوں کا کام کسی الزام کو ثابت کرنا نہ تھا بلکہ سمجھانا تھا تاکہ بھائیوں میں باہم صلح کررہے ۔ مقدس پولوس رسول بھی ۲کرنتھیوں ۱۳: ۱ میں فرماتا ہے " یہ تیسری بار میں تمہارے پاس آتا ہوں۔ دویا تین گواہوں کی زبان سے ہرایک بات ثابت ہوجائے گی "۔ اس سے ظاہر ہے کہ دویا تین گواہوں کا اصول اہل یہود کی سماجی زندگی کا جزوبن چکا تھا کیونکہ اہلِ یہود کی زندگی کا ہر شعبہ تورات کے احکام اورشرع کے اُصول کے ماتحت تھا۔ کاذب گواہ سخت سزا کا مستوجب ہوتا تھا(استشنا ۱۹: ۱۶تا آخر و ۱۷: ۷ وغیرہ)۔

یہی وجہ ہے کہ اناجیلِ متفقہ میں سیدنا مسیح کی دعائیہ زندگی کا ذکر ہے لیکن آپ کے دعاؤں کے الفاظ کا ذکر صرف تب کیا گیا ہے جب دوسرے لوگوں نے ان کو سنا تھا۔ مثلاً گتسمنی باغ میں نیند کے غلبہ سے پہلے رسولوں نے آپ کی دُعا کے الفاظ کو سنا تھا(مرقس ۱۴: ۳۵۔ متی ۲۶: ۳۹۔ لوقا ۲۲: ۴۱)۔

مقدس یوحنا کی انجیل سے بھی گواہوں کی صحت پر روشنی پڑتی ہے ۔ چنانچہ الفاظ " گواہ" اور" گواہی" اس انجیل میں باربار وارد ہوئے ہیں بلکہ اس کے دیباچہ تک میں پائے جاتے ہیں ۔ اس انجیل کے مطابق ابن اللہ کا کام ہی گواہی دینا ہے(۱۸: ۳۷)۔ بیانات کے دینے والے گواہوں کی صحت اورپایہ اعتبار کا بھی ذکر ہے (۱۹: ۳۵۔ ۲۱: ۲۴۔ ۳یوحنا ۱۲ وغیرہ۔ مقابلہ کرو رومیوں ۱: ۹۔ ۲کرنتھیوں ۱: ۲۳۔ فلپیوں ۱: ۸۔ ۱تھسلنیکیوں ۲: ۵ وغیرہ)۔ علیٰ ہذا القیاس سیدنا مسیح کی قیامت کے روزمقدس پطرس اورمصنف انجیل کے بیانات میں

دونوں کی گواہی موجود ہے۔ آنخداوند خودفرماتے ہیں " اگرمیں خود اپنی گواہی دوں تومیری گواہی سچی نہیں۔ ایک اورہے جو میری گواہی دیتا ہے ۔ تم نے یوحنا کے پاس پیام بھیجا اوراس نے سچائی کی گواہی دی ہے" (۵: ۱۹تا آخر)۔ناظرین کو یاد ہوگا کہ فریسی آٹھویں باب میں سیدنا مسیح کو کہتے ہیں" تو اپنی گواہی آپ دیتا ہے۔ تیری گواہی سچی نہیں "۔ جس کے جواب میں سیدنا مسیح فرماتے ہیں " تمہاری تورات میں بھی لکھا ہے کہ دوآدمیوں کی گواہی مل کر سچی ہوتی ہے"۔[1]

پس اناجیلِ اربعہ کے مصنفین نے ہرچشم دید گواہ کے بیانات کی خوب چھان بین اورجانچ پڑتال کی (لوقا ۱: ۱تا ۴)۔ اُنہوں نے کسی ایسے بیان کو قبول نہ کیا جس کی دویا تین دیگر چشم دید معتبر گواہوں نے تصدیق نہ کی۔ پس ان اناجیل کے بیانات صحت کے لحاظ سے بے نظیر ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اناجیلِ اربعہ روایت اوردرایت کے ہر اصول پراوراصولِ منطق پرپوری اترتی ہیں۔ گواہ چشم دید اور معتبر ہیں ۔ ان کے بیانات مشتبہ نہیں ہیں۔ اُن میں کلمتہ اللہ کے اپنے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ درج ہیں ۔ ہربیان کا نہایت معتبراورغیر منقطع تعلق کسی نہ کسی چشم دید گواہ سے ہے جو اس کا اوّل اورآخری راوی ہے ۔ کسی کی سند سماعی نہیں ہے۔ بعض بیانات مختلف لوگوں نے علیٰحدہ علیٰحدہ بیان کئے ہیں اوروہ سب ثقہ اور معتبر ہیں جن میں باہمی تضاد کا نام تک نہیں ۔ اناجیلِ اربعہ نہ صرف اُصولِ روایت کے معیارپرپوری اترتی ہیں بلکہ اصولِ درایت پربھی پوری اترتی ہیں۔ ان کا ہر بیان تاریخ کے مطابق ہے۔ اوروقت وحال کے قرائین کے موافق ہے۔ ان کے بیانات عقل کے عین مطابق ہیں اورہربیان میں حضرت کلمتہ اللہ کی پاک ذات کی جھلک نظرآتی ہے۔ اناجیل اربعہ میں نہ توعجوبہ پرستی ہے اورنہ کے مولفوں نے رطب ویابس جوکچھ سامنے آیا لے لیا۔ یہی وجہ ہے کہ دورِاوّل ہی سے اناجیل اس قدرمستند تھیں کہ ان کے پایہ اعتبار کے سامنے ہر چھوٹے بڑے کام کا سرخم تھا۔

(۳)

ہم نے اس کتاب میں اناجیل اربعہ کی قدامت ، صحت اورپایہ اعتبارپرمختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے اورہرپہلو پر ہم نے تفصیلی بحث کی ہے اوریہ ثابت کردیا ہے کہ اناجیل اربعہ کی

[1] Rev.J.Badcock, Exp.Times Otc.1941

صحت اورپایہ اعتبار کے بلند ہونے میں کسی صحیح العقل شخص کے لئے شک کی گنجائش نہیں رہتی۔

ہم نے یہ ثابت کردیا ہے کہ چاروں کی چاروں اناجیل کوخواہ کسی پہلو سے دیکھو اُن میں فرداً فرداً اورمجموعی طورپر حضرت کلمتہ اللہ ربنا المسیح کی ایک ہی قسم کی تصویر نظر آتی ہے۔ ہم نے ایک ایک انجیل پر تفصیلی نظر ڈال کردیکھا ہے کہ ہر ایک میں منجئ عالمین کی ایک ہی تصویر موجود ہے اورچاروں انجیلوں پر مجموعی نظر ڈال کر بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ چاروں کی چاروں میں آنخداوند کی ایک ہی تصویر نظر آتی ہے ۔ آپ کی جو تصویر ایک انجیل پیش کرتی ہے کوئی دوسری انجیل کے متضاد تصویر پیش نہیں کرتی حالانکہ ان انجیلوں کے لکھنے والوں نے مختلف مقاصد اورنکتہ نگاہ سے اپنی اپنی انجیلوں کو لکھا ہے لیکن ان کے نکتہ نگاہ اور مقاصد کے اختلاف کے باوجود آنخداوند کی جو تصویر انجیلوں میں پائی جاتی ہے وہ نہ صرف تضاد سے پاک ہے بلکہ واحد قسم کی ہے۔ یہ وحدت ثابت کرتی ہے کہ اناجیل اربعہ نہایت مستند اور معتبر کتابیں ہیں جو تنقید کے معیار پرہر پہلو سے پوری اترتی ہیں۔

یہ ایک رنگی اوریک جہتی نہ صرف ہر چہار اناجیل میں فرداً فرداً اورمجموعی طورپر پائی جاتی ہے بلکہ یہ موافقت اُن کے ہر حصہ میں پائی جاتی ہے۔ ہم جلد اوّل کے حصہ دوم میں بتلاچکے ہیں کہ ہر انجیل نویس نے اپنی انجیل کو قدیم تحریری اورزبانی بیانات سے تالیف کیا ہے، جو اس کے ماخذ ہیں۔ انجیل کا ہر حصہ کسی نہ کسی ماخذ سے تالیف کیا گیا ہے۔ پس یہ ہم رنگی اوریک جہتی نہ صرف ہر انجیل میں بلکہ ہرانجیل کے ہر ماخذ میں پائی جاتی ہے۔ جب ہم اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہیں کہ ہرانجیل نویس نے بے شمار ماخذوں میں سے یوحنا۲۱: ۲۵۔ لوقا ۱:۱ وغیرہ) صرف ایسے ماخذوں کا ہی استعمال کیا تھا جواس کے اپنے مقصد کے مطابق اُس کے کام کے تھے (یوحنا ۲۰: ۳۰ وغیرہ)۔توہم پریہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ قدیم ترین تحریری بیانات سیدنا مسیح کی ایک ہی تصویر کو پیش کرتے تھے گویہ بیانات مختلف مقامات میں مختلف اشخاص نے لکھے تھے (لوقا ۱: ۱) ان قدیم ترین بیانات کی موافقت اوریک جہتی ثابت کرتی ہے کہ وہ اوّل درجہ کے معتبر چشم دیدگواہوں کے بیانات تھے جن کا پایہ اعتبار نہایت بلند اورجن کا زمانہ" تحریر نہایت قدیم تھا۔ وہ اس زمانہ میں لکھے گئے تھے جب وہ واقعات رونما ہورہے تھے جن

کا وہ ذکر کرتے ہیں ۔ پس ان کے لکھنے والے حضرت کلمتہ اللہ کے معتبر ہم عصر تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے ان واقعات کو دیکھا تھا اوراپنے کانوں سے آپ کا جانفزا کلام سنا تھا۔ جس سے ثابت ہے کہ آپ کے کلمات کے فرمائے جانے اورواقعات کے ہونے اوران کے احاطہ تحریر میں آنے کے درمیان طویل زمانہ کا فاصلہ حائل نہ تھا۔پس جو کلماتِ زرین اور سیدنا مسیح کے سوانح حیات میں اناجیل اربعہ میں موجود ہیں ، وہ بجنسہ وہی ہیں جوآپ نے فرمائے اورآپ نے کئے اورآپ کے پیش آئے۔ یہ تواتر اور تسلسل ان کےمستند اورمعتبر ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

علاوہ ازیں ہمیں یہ امر کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اناجیل اربعہ کی تالیف کے زمانہ میں عہدِجدید کی دیگر کتُب لکھی جارہی تھیں۔ان کتُب میں اورانجیلی بیانات میں تضاد ہوسکتا تھا،اگر انجیلی بیانات صحیح نہ ہوتے۔ لیکن عہدِ جدید کی تمام کتُب میں اوراناجیل اربعہ کے بیانات میں تضاد کا نشان تک نہیں بلکہ اس کے برعکس ہرجگہ ہم آہنگی اوریک رنگی پائی جاتی ہے جواس حقیقت کا مزید ثبوت ہے کہ اناجیلِ اربعہ صحت کے پایہ کے لحاظ سے آپ اپنی نظیر ہیں[1]۔

(۴)

ہم جلد اوّل کے حصہ دوم میں وہ طریقہ بھی بتلا آئے ہیں جو ہر انجیل نویس اپنے ماخذوں کو استعمال کرتے وقت اختیارکرتا ہے۔ مثال کے طورپر ہم یہ ثابت کرآئے ہیں کہ مقدس متی اورمقدس لوقا دونوں کا ایک ماخذ مرقس کی انجیل تھاجس کو دونوں نے لفظ بلفظ نقل کیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس پہلے تین انجیل نویسوں کا ایک ماخذ رسالہ" کلماتِ خداوندی" تھا جو نبیوں نے لفظ بلفظ نقل کیا ہے۔ اس طریقہ کار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر انجیل نویس اپنے ماخذوں کو لفظ بلفظ نقل کیا کرتا تھا ۔ چونکہ کسی انجیل کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو ان قدیم ترین ماخذوں سے تالیف نہ کیا گیا ہو پس نتیجہ ظاہر ہے کہ ہر انجیل نویس نے اپنے مطلب کے موافق قدیم ترین ماخذ چن کر اُن کو لفظ بہ لفظ نقل کیا ہے جو اناجیلِ اربعہ کی قدامت ،

1

صحت اورپایہ اعتبار کوثابت کرتا ہے۔ ہم سطوربالا میں بتلاچکے ہیں کہ اناجیل کے ان ماخذوں کے احاطہ تحریر میں آنے اوران کے مندرجہ کلمات اورواقعات کے رونما ہونے کے درمیان بہت فاصلہ حائل نہیں تھا ۔ پس آنخداوند کے جو کلماتِ طیبات اورمکالمات اناجیلِ اربعہ میں مذکورہیں وہ قدیم ترین ماخذوں سے لفظ بلفظ نقل ہوکر ہم تک بجنسہ ویسے ہی پہنچے ہیں جیسے آنخداوند کی زبان معجزبیان سے نکلے تھے۔ آپ کے سوانح حیات جواناجیل میں مندرج ہیں وہ بعینہ اسی طرح وقوع میں آئے تھے ، جیسے اناجیل میں مندرج ہیں ،کیونکہ اناجیل کے مولفوں نے اپنے ماخذوں کو لفظ بلفظ نقل کیا ہے۔

(۵)

ہم نے ان تماماباتوں کا جلد اوّل کے حصہ دوم وسوم اوراس جلد کے حصہ چہارم میں ثبوت دیا ہے تاکہ ناظرین پر اناجیلِ اربعہ کے بیانات کی صحت کا پایہ ظاہر ہوجائے۔ ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ تمام ثبوت اناجیل کی اندرونی شہادت پر ہی مبنی ہیں۔ اگرچہ ہمارے پاس ایسے خارجی ثبوت بھی ہیں جو انجیلی بیانات کی صحت پر شاہد ہیں ۔ لیکن ہم نے ان کو پیش کرنے سے پرہیز کیا ہے کیونکہ اندرونی شہادت ہی ایک ایسی زبردست شہادت ہے جس کے سامنے عقلِ سلیم اپنا سر جھکا دیتی ہے۔ اس قسم کی شہادت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ خارجی شہادت کو ثابت کرنے کے لئے مزید ثبوت درکار ہوتے ہیں جن کو قائم کرنے کے لئے دلائل سے کام لینا پڑتا ہے اوران دلائل کو دیگر مزید دلیل کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اوریہ ایک سلسلہ ہوجاتا ہے جس کی ہر کڑی مضبوط ہونی چاہیے اوراگر ایک کڑی بھی کمزور ہو تو تمام استد لال کمزور ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس اندرونی شہادت ایک ایسی زبردست شہادت ہوتی ہے جس کے لئے دلائل دردلائل کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اوراگریہ شہادت ہم رنگ اورہم آنگ ہو اور تناقض وتضاد سے پاک ہوتو وہ نہایت ٹھوس شہادت ہوتی ہے۔ پس ہم نے اس کتاب میں اپنے نتائج کو ہر جگہ اندرونی شہادت کی چٹان پر قائم کیا ہے اوربیرونی خارجی شہادت کا محض ضمنی طورپر کہیں کہیں ذکر کیا ہے تاکہ ناظرین پریہ حقیقت ظاہر ہوجائے کہ انجیلی بیانات کا پایہ اعتبار کس قدررفیع اوربلند ہے۔

(۶)

ناظرین نے (اوربالخصوص ہمارے مسلم برادران نے) یہ ملاحظہ کیا ہوگا کہ اس کتاب میں ہم نے اناجیل اربعہ کو علمِ ادب کے صحیح اصولِ تنقید پر رکھا ہے اوراپنے نتائج پر پہنچے ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں کسی ایک جگہ بھی صرف اُمورایمانیہ پر اپنے دلائل کو قائم نہیں کیا یعنی ہم نے کہیں یہ نہیں لکھاکہ ہر رسول کا قول اورفعل خدا کے ماتحت ہوتا ہے پس دوازدہ رسولوں نے جو تعلیم دی اور انہوں نے جوکچھ سیدنا مسیح کے کلمات اورسوانح حیات وغیرہ کی نسبت بتلایا وہ الہام سے لہذا خطا سے پاک ہے۔ اورچونکہ انجیل نویس ملہم تھے جن کو روح القدس کی تائید حاصل تھی لہذا انہوں نے جوکچھ لکھا وہ امرِ حقیقت تھا پس اناجیل غلطی اورخطا سے کلیتہً پاک ہیں۔ اس قسم کی دلیل صرف ایسے لوگوں کے نزدیک ہی وزن دار ہوسکتی ہے جو مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوکر امورِایمانیہ کی بنیاد پر اپنے عقائد اور دلائل قائم کیا کرتے ہیں۔ اسی قسم کی دلیل ہمارے مسلمان برادران دیا کرتے ہیں کیونکہ یہ امر اُن کے ایمان میں داخل ہے کہ قرآن عربی کا ایک ایک لفظ خطا سے پاک ہے کیونکہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہی قرآن کی حفاظت کرنے والا ہے۔ لیکن جو شخص اسلام کے دائرہ سے باہر ہے، اس کے لئے یہ دلیل کوئی وزن نہیں رکھ سکتی۔ ہم نے اپنی کتاب" صحتِ کتُبِ مقدسہ " میں جمع قرآن عربی کی دردناک حالت بتلاکر ثابت کردیا ہے کہ موجودہ قرآن وہ قرآن نہیں ہے جس کا رسولِ عربی درس دیا کرتے تھے۔مسلم علماء اس قسم کے دلائل بھی پیش نہیں کرسکتے جس قسم کے ہم نے اناجیل اربعہ کی صحت اورپایہ اعتبار کی نسبت اس کتاب میں پیش کئے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے دلائل کا دارومدار اندرونی شہادت پر ہے جو علمِ ادب کے اصولِ تنقید کے مطابق پرکھی جاتی ہے۔ یہ اُصول تمام کتُب کو جانچنے میں کارآمد ہیں خواہ وہ کتُب دینی اورمذہبی ہوں، خواہ وہ ادبی ہوں اورخواہ وہ کسی اورقسم کی ہوں۔ یہ اصول تمام کتُب کو جانچنے میں کارآمد ہیں خواہ وہ کتُبِ دینی اورمذہبی ہوں، خواہ وہ ادبی ہوں اورخواہ وہ کسی اورقسم کی ہوں۔ یہ اصول کسی مذہب ، ملت یا نظریہ کے حامی نہیں ہوتے بلکہ غیر جانبدار ہوتے ہیں اوریہی وجہ ہے کہ ہم نے ان اصولوں کی کسوٹی کا استعمال اس کتاب میں اوررسالہ " صحتِ کتُبِ مقدسہ" میں کیا ہے تاکہ سب پر یہ حقیقت کھل جائے کہ اناجیلِ اربعہ دنیا کی صحیح ترین اورمستند ترین کتُب میں سے ہیں۔

اس کسوٹی پر نہ تو قرآنِ عربی پورا اترتا ہے اورنہ کتُبِ احادیث خواہ وہ شیعوں کی ہوں یا سنیوں کی ہوں۔ اہلِ شیعہ کی پانچ کتُبِ احادیث ہیں جن میں سب سے پہلی کافی ہے جس کو محمد بن یعقوب الکلینی (سنِ وفات ۳۲۸ ہجری) نے جمع کیا اورآخری کتاب طوسی کی ہے جس نے ۴۵۹ ہجری میں وفات پائی ۔ یعنی یہ کتابیں چوتھی اورپانچویں صدی ہجری میں لکھی گئیں۔ اہلِ سنت کی حدیث کی کتابیں بھی اس معیار پر پوری نہیں اترتیں۔ یعنی صحاح ستہ کی احادیث ، خواہ وہ مرفوع ہوں ، موقوف ہوں یا مقطوع ہوں ، کیونکہ ان احادیث کی تدوین کاکام تیسری صدی ہجری میں شروع ہوا اور صحاح ستہ اسی صدی میں مرتب کی گئیں۔ امام بخاری کی تاریخ ۲۵۶ ہجری ہے۔ النسائی نے ۳۰۳ ہجری میں وفات پائی۔ پس صحاح ستہ کی شہادت کوئی اہمیت نہیں رکھ سکتی ۔ چنانچہ پاکستان کی ہائی کورٹ کے جج مسٹر جسٹس محمد منیر اورمسٹر جسٹس ایم۔ آر۔ کیانی اقرارکتے ہیں کہ " زمانہ حاضر کے قوانین شہادت کی رُو سے (جن میں ہمارا قانونِ شہادت بھی شامل ہے) احادیث، سنت کی قابلِ قبول شہادت نہیں ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں سنی سنائی باتوں کی متعدد کڑیاں ہوتی ہیں۔ ہاں شرعی معاملات میں ان سے سند لے سکتے ہیں۔ ان مجموعوں کا اصل فائدہ یہ نہیں کہ (جیسا بہت لوگ خیال کرتے ہیں) ان کے مصنفوں نے پہلی دفعہ یہ فیصلہ کیا کہ بے شمار احادیث میں فلاں حدیث سچی ہے اورفلاں حدیث جھوٹی ہے ۔ بلکہ ان کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ ان مصنفوں نے ان تمام احادیث کو اکٹھا کردیا جو اُن کے زمانہ میں راسخ الاعتقاد مسلمان صحیح خیال کرتے تھے"۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقاتِ فساداتِ پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۲۲)۔

حق تو یہ ہے کہ روئے زمین کے مذاہب کی کوئی کتاب اس معاملہ میں اناجیلِ اربعہ کا مقابلہ نہیں کرسکتی ۔ ہمیں واثق اُمید ہے کہ جن اصحاب نے خالی الذہن ہوکر اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اوراس شہادت پر غورکیا ہے جو ہم نے ان صفحوں میں اُن کے سامنے پیش کی ہے ، اُن پر حقیقت منکشف ہوگئی ہوگی کہ حضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات جو اناجیل اربعہ میں مندرج ہیں بجنسہ وہی ہیں جو آپ کی زبانِ معجزبیان سے نکلے تھے اورآپ کے سوانح حیات اورمعجزات (جو آیاتِ بینات ہیں) جن کا ذکر اناجیل اربعہ میں آیا ہے ، درحقیقت تواریخی واقعات ہیں اورکہ ان کلمات کے فرمائے جانے ، واقعات کے ظہور میں آنے اوران کے اناجیلِ اربعہ

میں لکھے جانے کے درمیانی عرصہ میں نہ صرف کوئی فتور اُن میں واقع نہیں ہوا بلکہ وہ اس کاوش ، محنت اورعرقہ ریزی سے جمع کئے گئے ہیں ، اوراس صحت کے ساتھ اناجیل اربعہ میں لکھے گئے ہیں کہ جہاں تک قدامت اوراصلیت کا تعلق ہے دنیا کی کوئی قدیم کتاب کتابِ اناجیلِ اربعہ کے پایہ کے اعتبارکونہیں پہنچ سکتی۔

حصہ پنجم

اناجیلِ اربعہ کی اصل زبان

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم نے دیباچہ میں لکھا تھا کہ ہم اس کتاب میں دواُمورپربحث کریں گے ۔اوّل۔ ہم اس بات کا ثبوت دیں گے کہ حضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات جو اناجیل میں مندرج ہیں ، وہی ہیں جوآپ کی زبانِ معجزبیان سے نکلے تھے اورکہ جوآپ کے سوانح حیات اُن میں موجود ہیں وہ حقیقی ہیں اورتاریخی حیثیت سے ان کا پایہ اعتبارنہایت بلند ہے ۔ ہم نے گذشتہ چارحصوں میں اس حقیقت پر بحث کرکے ان نکات کو ان ادبی تنقید کے اصول کے مطابق ثابت کردیا ہے کہ ان کلمات کے فرمائے جانے اورواقعات کے رونما ہونے اوران کے اناجیل اربعہ میں لکھے جانے کے درمیانی عرصہ میں ان میں کسی قسم کا فتورواقع نہیں ہوا کہ وہ ساقط عن الاعتبار ہوگئے ہوں۔ اس کے برعکس دنیا بھر کی کوئی قدیم مذہبی کتاب ان تنقیدی اصولوں پراناجیل اربعہ کی طرح پوری نہیں اترتی۔

دوم ۔ ہم نے دیباچہ میں کہا تھا کہ ہم اس بات کا بھی ثبوت دینگے کہ حضرت کلمتہ اللہ کے الفاظ جویونانی لباس میں ہمارے پاس موجود ہیں درحقیقت وہی کلمات ہیں جوآپ نے ارامی زبان میں فرمائے تھے اوران میں ارامی زبان سے یونانی زبان میں ترجمہ ہونے سے کسی قسم کا فتورواقع نہیں ہوا۔ ہم انشاء اللہ اس حصہ میں اس نکتہ کے مختلف پہلوؤں پر مفصل بحث کرکے ثابت کردیں گے کہ آنخداوند کے کلماتِ طیبات بعینہ وہی ہیں جوآپ کی زبان مبارک سے نکلے تھے۔

اس بحث کے دوران میں ناظرین پریہ ظاہر ہوجائیگا کہ اس حصہ کے نتائج اُن نتائج کی تائید اورتصدیق کرتے ہیں جن پرہم اب تک پچھلے چارحصوں میں پہنچے ہیں۔ اوریوں مندرجہ بالا دونوں اُمور کی بحث سے ثابت ہوجاتاہے کہ منجئی عالمین کے زرین اقوال

اورمبارک سوانح حیات جو انجیل جلیل میں مندرج ہیں اوّل درجہ کی معتبر سند کے ہیں۔

باب اوّل

حضرت کلمتہ اللہ کی زبان

ہم نے اپنی مختلف تصنیفات میں ارامی زبان کی تاریخ پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ یہاں یہ بتلانا کافی ہے کہ اہلِ یہود کی اسیری سے پہلے بھی ارامی زبان بین الاقوامی رسل ورسائل کا ذریعہ تھی(۲سلاطین ۱۸: ۲۶)۔ اوربابلی سلطنت میں بابلی زبان کے دوش بدوش وسیع پیمانہ پر استعمال کی جاتی تھی ۔ مفتوح یہودی قیدی اوران کے فاتحین غالباً صرف اسی زبان میں ہی آپس میں بات چیت کرسکتے تھے۔علاوہ ازیں اہل یہود تجارتی اغراض کےلئے غیر یہود سے خریدوفروخت کرنے کے لئے یہی زبان استعمال کرتے تھے۔ جو یہود اسیری سے واپس ارضِ مقدس میں آئے وہ عبرانی سے ایسے واقف نہ تھے جیسے وہ ارامی زبان سے واقف تھے ۔ (نحمیاہ۸: ۲، ۸)۔ جب یہود اسیری میں تھے تو قوم پرستی کے زوال کےباعث اور متعدد اقوام کےباہمی رشتہ ناطہ کرنے کی وجہ سے (عزرا ۹، ۱۰باب) ارامی زبان نے ارضِ مقدس میں اپنے قدم جمالئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسیری کے بعد اہلِ یہود عبرانی اورارامی دونوں زبانیں استعمال کرتے تھے۔ عبرانی زبان قومی روایات، ادبی اورمذہبی ضروریات کی وجہ سے زندہ تھی لیکن ارامی زبان تجارتی اغراض ، بیرونی تاثرات اور روزمرہ کی زندگی کے مشاغل کی وجہ سے روزافزوں ترقی کرتی گئی ۔ حتیٰ کہ پہلی صدی مسیحی میں گوادبیات کے فاضل اورعلماء عبرانی کا استعمال کرتے تھے لیکن یہودی عوام الناس اپنی مقدس زبان عبرانی سے ناواقف تھے اوران کی مادری زبان ارامی ہوگئی تھی۔

(۲)

پہلی صدی مسیحی میں کنعان میں چارزبانیں مروج تھیں:

اوّل: لاطینی زبان جو فاتح رومی حکمرانوں کی زبان تھی۔ یہ سرکاری زبان تھی اور رومی قانون کی ضروریات کو پورا کرتی تھی۔(یوحنا ۱۹: ۲۰)۔ یہ زبان یروشلیم میں بمشکل سنی جاتی تھی۔

دوم: یونانی زبان یہود اورغیر یہود کے درمیان ادبی اورتجارتی معاملات کا وسیلہ تھی۔ تعلیم یافتہ یہودی جویونانیت کے رنگ میں رنگے تھے وہ بھی اس زبا ن کا استعمال کرتے تھے۔ علاوہ ازیں ۔ یہ یونانی مائل طبقہ کی زبان تھی اوراُن لوگوں کی بھی مادری زبان تھی جو غیر

بہودیت پرستی کو ترک کرکے یہودی مذہب کو قبول کرلیتے تھے۔ یہ زبان کنعان کی دفتری زبان بھی تھی۔

سوم: عبرانی زبان اہل یہود کی مقدس کتابوں کی زبان تھی اور فلاحتی اورثقافتی یہودی حلقوں میں ادبی ضروریات کوپوراکرتی تھی۔ یہود کے عمائد اورعلماء کے حلقوں میں عبرانی کا استعمال ہوتا تھا۔ یہ زبان ربیوں کے مکتبوں کی زبان تھی۔

چہارم: ارامی زبان جو کنعان کے عوام الناس یہود کی مادری زبان تھی اُن کی خاطرعبادت خانوں میں عبرانی تورات کا ترجمہ ارامی میں کیا جاتا تھا"۔ بزرگوں کی روایات" کی تعلیم بھی ارامی میں دی جاتی تھی۔ لیکن خدا کے کلام کا اس اقد احترام کیا جاتا تھاکہ" مورخ یوسیفس کہتاہے کہ یہ روایات زبانی حفظ کی جاتی تھیں۔ لیکن شریعت کے الفاظ طومارسے پڑھے جاتے تھے تاکہ عوام سنتے وقت دونوں میں تمیز کرسکیں۔ آنخداوند کے زمانہ میں بھی تحریری " تراجم" موجود تھے جس سے ثابت ہے کہ عبادتِ عمیم میں کتُب مقدسہ ارامی ترجمہ کے بغیرپڑھی نہیں جاتی تھیں[1]۔ ہیکل میں بھی ارامی زبان مستعمل ہوتی تھی۔ خزانہ کے صندوقوں پر کی زبان بھی ارامی تھی۔ ہیکل کی عبادتیں ارامی زبان میں ہوا کرتی تھیں اورقربانیاں بھی ارامی زبان میں گذرانی جاتی تھیں۔

یہ ایک دستورہوگیا تھاکہ ارامی زبان کو" عبرانی" کہا جاتا تھا (یوحنا ۵: ۲۔ ۱۹: ۱۳، ۱۷۔ ۲۰: ۱۶۔ اعمال ۲۱: ۴۰۔ ۲۲: ۲۔ ۲۶: ۱۴۔ اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ آنخداوند کے زمانہ میں زبان کے معاملہ میں یہود کے صوبہ اورگلیل کے صوبہ میں کوئی فرق نہ تھا بلکہ کل قوم یہود جو ارضِ مقدس میں رہتی تھی ارامی زبان ہی بولتی تھی۔ اگر دونوں میں فرق تھا تو صرف لہجہ کا تھا ۔ چنانچہ یروشلیم میں سردارکاہن کے محل میں گلیل کے رہنے والے مقدس پطرس کی شناخت اس کے گلیلی لہجہ کی وجہ سے ہوئی (متی ۲۶: ۷۳۔ مرقس ۱۴: ۷۰)۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ مقدس پولوس نے اگرپا بادشاہ کو ارامی زبان میں مخاطب کیا تھا(اعمال ۲۶: ۱۴) آپ نے یہودی عوام سے بھی ارامی زبان میں ہی خطاب کیا (اعمال۲۲:۱)۔ اعمال کی کتاب میں ہے کہ جب آپ نے رومی افسر سے یونانی میں بات کی تواس نے حیران ہوکر پوچھا " کیا تویونانی جانتا ہے "(۲۱: ۳۶)۔ جس سے ظاہر ہے کہ یروشلیم کے یہودیونانی نہیں بولتے تھے۔

[1] G.Dalman, The Word of Jesus (1902)

یوسیفس (تاریخ پیدائش ۳۷ء) یہودی مورخ کی شہادت بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ پہلی صدی مسیحی میں یہودی عوام کی زبان ارامی تھی۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ جب یروشلیم کو محصور کیا گیا تو یروشلیم کے نگہبان " اپنی زبان میں" اعلان کرتے تھے کہ تیروں کی بوچھاڑ آرہی ہے۔ پھر وہ بتلاتا ہے کہ اس نے محصورین سے " ان کی دیسی زبان میں " گفتگو کی۔ اعمال ۱: ۱۹ میں لکھا ہے" اس کھیت کا نام ان کی زبان میں ہقل دمہ پڑگیا"۔ جس سے ظاہر ہے کہ یروشلیم کے عوام کی زبان ارامی تھی۔ پس ارضِ مقدس کے تمام یہود خواہ وہ شاہ تھے یا گدا عوام تھے یا خواص، یہودیہ کے تھے یا گلیل کے رہنے والے، سب کے سب ارامی بولتے تھے اورارامی اُن کی مادری زبان تھی۔

(۳)

گو گلیل کے صوبہ کے یہود کی مادری زبان ارامی تھی۔ لیکن ان کے لئے یونانی زبان کا علم لوازمات میں سے تھا کیونکہ اس کے بغیر ان کا کاروبار نہیں چل سکتا تھا۔ گلیل کے ماہی گیروں میں اوران تاجروں میں جو مچھلیوں کی تجارت کرکے ان دوردراز ممالك میں بھیجتے تھے باقاعدہ طورپر تجارت قائم تھی۔ متعدد اشخاص مقدس متی کی طرح سرکاری ملازم تھے۔ یونانی دفتری زبان تھی اورقانونی اغراض کو پورا کرنے کےلئے استعمال کی جاتی تھی۔ گلیلیوں کا روزمرہ کی زندگی میں یونانی اوررومی طرزِزندگی اورخیالات وتصورات سے سابقہ پڑتا تھا رومی سکے ہر جگہ گلیل کے یہود کے ہاتھوں میں ہوتے تھے۔ ان کی ارامی زبان میں یونانی الفاظ بھی داخل ہوگئے تھے[1] ساحل سے دکپلس کی طرف سے بہت سڑکیں گلیل کو جاتی تھیں اورآمدورفت عام تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہواکہ گلیل کے یہودی باشندے اپنی مادری زبان ارامی کے علاوہ یونانی زبان سے بھی واقف تھے ۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ یونانی زبان کو کماحقہ ، جانتے تھے۔ اگرایسا ہوتا تو یہودی عبادت خانوں میں عبرانی کُتُب مقدسہ کا یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ (سبعینہ) استعمال کیا جاتا لیکن اس بات کی شہادت کا وجود بھی نہیں ملتا۔

(۴)

حضرت کلمتہ اللہ کی مادری زبان ارامی تھی۔ دورِحاضرہ میں علماء اس امر پر متفق ہیں کہ آپ کی مادری زبان ارامی زبان کی وہ شاخ تھی جو" یہودی کنعانی (جوئیش فلسطینی) کے نام سے موسوم ہے۔ یہ بولی" مسیحی کنعانی (کرسچین فلسطینی) شاخ سے ملتی جلتی ہے

[1] George Adam Smith, Historical Geaography Ch.28

اور دونوں بولیاں ارامی زبان کی شاخیں ہیں۔پہلی بولی مشناہ کی زبان ہے اوردوسری بولی تراجم" مدرراشم اوریروشلیمی تالمود کی زبان ہے[1] ہم کو یہ بات بھی معقول نظرآتی ہے کہ حضرت ابن اللہ یونانی زبان سے بھی کچھ کچھ واقف تھے اوراس زبان کو بول بھی سکتے تھے[2]۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے اہل یہود کویونانی زبان میں تعلیم دی تھی کیونکہ آپ کے سامعین سب کے سب یہودی تھے جن کی اورآپ کی مادری زبان ارامی تھی۔ اہلِ یہود ارضِ مقدس میں یہودی سامعین کے واسطے مذہبی اُموراورتبلیغ کےلئے یونانی استعمال نہیں کرتے تھے اورنہ وہ ایسا کرسکتے تھے کیونکہ وہ یہود جیسے قوم پرست لوگوں کےلئے یہ ایک خلافِ فطرت بات تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مقدس پولوس نے یہودی ہجوموں سے ارامی میں بات کی تھی (اعمال۲۲: ۲)۔ پس گلیل جیسے قوم پرست علاقہ میں آنخداوند کا اپنے لوگوں کو (جن کی مادری زبان ارامی تھی اورجو قومی روایات ، زبان اورثقافت پر مرمٹنے والے انسان تھے، جان بوجھ کر ارامی کو بالائے طاق رکھ کر یونانی میں تعلیم دینا،اوروہ بھی اناجیل کی سی عجیب قسم کی یونانی میں تعلیم دینا ایک ایسا مضحکہ انگیز نظریہ ہے جس کو عقلِ سلیم قبول نہیں کرسکتی ۔ مثال کے طورپر مقدس پطرس نہ صرف یونانی زبان سے واقف تھے بلکہ اس کے مترجم کی مدد کے بغیر تقریر بھی کرسکتے تھے (اعمال۱۰: ۳۴)۔ لیکن جب آپ نے " بھائیوں" (یہودی مسیحیوں) کے سامنے تقریر کی (۱: ۱۵تا ۲۲) تو آیت ۲۰ سے ظاہر ہے کہ آپ نے ارامی زبان میں ہی تقریر کی تھی۔

پس یہ کہنا کہ ملک کنعان میں لاطینی اوریونانی زبان مروج تھیں اورآنخداوند غیراقوام کی زبان سمجھ سکتے تھے، ایک بات ہے ۔ لیکن اس حقیقت سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل دوسری بات ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ نے اپنی مادری زبان کو جو اکثریت کی اورعوام کی زبان تھی اورجو آپ کے سامعین کی بھی زبان تھی دیدہ ودانستہ ترک کرکے یونانی زبان کو اپنی تعلیم کا وسیلہ بنایا۔ آپ کو یہ احساس تھاکہ آپ " اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں" کو صراطِ مستقیم دکھانے کی خاطر بھیجے گئے ہیں۔ پس آپ اُن کو ان کی اپنی زبان میں ہی تعلیم دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام آپ کی باتوں کو" خوشی سے سنتے تھے"۔ چنانچہ اناجیل اربعہ میں (جویونانی میں ہیں) آپ کے منہ کے فرمائے ہوئے ارامی الفاظ ملتے ہیں جس سے یہ قطعی طورپر ثابت

---

[1] W.O.S Oesterely, The Study of Synoptic Gospels, Expositore, Vol 12 July 1905

[2] G.W.Thacher in H.D.G.C art Galilee.

ہوجاتاہے آپ ارامی میں تعلیم دیا کرتے تھے۔ مثلاً " ابا" ،"افتاح"،" تالیتھا قم" وغیرہ۔ صلیب پر سے آپ کاکلمہ " ایلی ،ایلی لماشبقتنی" بھی اس بات کی فیصلہ کنُ دلیل ہے کہ آپ ارامی میں تعلیم دیا کرتے اور قدرتی طورپر ارامی آپ کی مبارك زبان سے نکلی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مقدس پولوس بھی فرماتے ہیں کہ آنخداوند نے آپ کو ارامی زبان میں مخاطب فرمایا تھا(اعمال۲۶: ۱۴)۔ آپ کی زبان سے " رسالہ کلمات" کے شروع میں ارامی لفظ" آمین" ملتاہے جوآپ کاگویہ تکیہ کلام تھا اورجس کی اردو زبان میں ترجمہ" سچ " کیا گیاہے۔ یہ ارامی الفاظ مابعد کے زمانے کی تحریریوں اور نوشتوں میں نہیں پائے جاتے۔ پس ان ارامی اصل الفاظ کا موجودہ یونانی اناجیل میں پایا جانا اس امر کی بین اورقطعی دلیل ہے کہ آنخداوند کےکلمات طیبات کے بولے جانے اوران کے احاطہ تحریر میں آنے کا درمیانی وقفہ نہایت قلیل تھا اورآپ کے اقوال زرین کسی صورت میں بھی مسخ ہونے نہیں پائے[1]۔

پس ثابت ہوگیاکہ حضرت کلمتہ اللہ عہدِ عتیق کے انبیاء کی طرح اہلِ یہود کوجہاں بھی وہ آپ کو ملتے خداکی جانفزانجات کا پیغام ارامی زبان میں دیتے تھے۔ بعض اوقات اپنے زمانہ کے ربیوں کی طرح آپ عبادت خانوں میں وعظ فرماتے تھے۔ (مرقس ۶: ۲۔ لوقا ۴: ۱۶تا ۲۱ وغیرہ)۔ آپ سامعین کو ارامی زبان میں تعلیم دیتے جوگلیلیوں کی مادری زبان تھی۔

(۵)

ہم اوپر بتلاچکے ہیں کہ علماء کی زبان عبرانی تھی لیکن عوام الناس کی زبان ارامی تھی۔ پرلازم ہے کہ ہم پہلی صدی مسیحی کے یہودی علماء کی عبرانی زبان میں اورکتُبِ عہدِ عتیق کی عبرانی زبان میں تمیزکریں۔ سیدنا مسیح کے زمانہ میں عہدِ عتیق کی عبرانی ایک مردہ زبان ہوچکی تھی۔ جو صرف یا توعبادت کے موقعہ پراستعمال ہوتی تھی یا صحفِ مقدسہ کے جاننے کےلئے اس کا مطالعہ کیا جاتا تھا۔ یہودی ربیوں کی عبرانی وہی تھی جو مشناہ اورقدیم ترین مدراشم کی زبان ہے۔ اہلِ یہود صحفِ مقدسہ کی عبرانی " کو کتابِ مقدس کی زبان" اوردوسری عبرانی کو" علماء کی زبان " کہتے تھے۔ علماء کی زبان مکتبوں کی زبان تھی جس کی جڑکتُب عہدِ عتیق کی مردہ عبرانی ہی نہ تھی بلکہ وہ زندہ زبان بھی تھی جو بحث، مناظرہ ، حدوتحدید اور تصریح کے لئے استعمال ہوتی تھی اور جس میں شرعی قیود کی

[1] F.C.Burkitt, the Earliest Sources of the Life of Jesus.

توضیح کی جاتی تھی ۔ اس زبان کے الفاظ اورمحاورات ان مطالب کے لئے نہایت موزوں تھے۔ اس زبان کی ارتقا سالہسال سے چلی آرہی تھی[1]۔ پس ربیوں کی عبرانی زبان ایک جیتی جاگتی زندہ زبان تھی جو سیدنا مسیح کے زمانہ میں صرف ایک محدود طبقہ تک ہی رائج تھی اورمشناہ یا مدراش کے لکھے جانے سے مدتوں پہلے ارضِ مقدس میں موجود تھی ۔ ابن اللہ کے زمانہ میں اسی زبان میں بحث اورمناظرہ ہوا کرتا تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے : کیا آنخداوند اس "علماء کی زبان" سے واقف تھے اورکیا آپ نے کبھی اس کا استعمال فرمایا تھا؟ اناجیل کا غائر مطالعہ صاف ثابت کردیتا ہے آپ اس زبان سے بخوبی واقف تھے اورآپ نے اکثر اوقات اس کا استعمال کیا تھا[2]۔ چنانچہ ذیل کے اُموراس سوال پر روشنی ڈالتے ہیں:

(۱۔) اناجیل میں آنخداوند نے کُتُب عہدِ عتیق سے ۸۷ مقامات کا اقتباس فرمایا ہے۔ ان اقتباسات کا مطالعہ ثابت کردیتا ہے کہ آپ نہ صرف تورات شریف کی پانچوں کتابوں کی عبرانی سے واقف تھے بلکہ آپ نے ۲سیموئیل ،کتب سلاطین، یسعیاہ، یرمیاہ ، حزقی ایل ، ہوسیع ، یوئیل، یوناہ ،میکاہ، صفنیاہ۔ زکریا، ملاکی، ایوب، دانی ایل ،اورمزامیر کا بھی بخوبی مطالعہ فرمایا تھا اورآپ لڑکپن سے ہی اصل عبرانی متن کا مطالعہ کرتے رہے تھے۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ تیمتھیس کی یونانی یہودی ماں اورنانی اس بات کا خاص خیال رکھتی تھیں کہ وہ کُتُب مقدسہ کا علم بچپن سے حاصل کرے (۲تیمتھس ۳: ۱۵۔ ۱: ۵)۔ حالانکہ اس کا باپ بُت پرست تھا۔ کیاہم ارضِ مقدس کے رہنے والی مقدسہ مریم جیسی ماں سے یہ امید نہیں کرسکتے کہ آپ نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہوگا کہ آنخداوند بچپن ہی سے عبرانی صحفِ مقدسہ کا مطالعہ کریں؟ پس یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ آنخداوند کُتُب مقدسہ کیااصل عبرانی زبان سے وسیع اورکماحقہ واقفیت رکھتے تھے۔ جو شخص صحفِ مقدسہ کی اصل عبرانی سے اس قدرواقف ہو اس کے لئے " علماء کی زبان " سے واقف ہونا ایک سہل امر تھا۔

(۲) صرف آپ کے شاگرد آپ کو " ربی" کے معزز خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ (مرقس ۴: ۳۸۔ ۹: ۳۸)۔ بلکہ دیگر یہود بھی آپ کو اسی طرح خطاب کرتے تھے(مرقس ۹: ۱۷)۔ علماء کے گروہ

---

[1] Prof, Moore, Judiaism. 199ff

[2] T.W.Manson, Teaching of Jesus pp.45ff

کے افراد تک آپ کو اسی طرح مخاطب کرتے تھے (مرقس ۱۲: ۱۴، ۳۲)۔ یہودی قوم کے سردار بھی آپ کو" ربی" کے لقب سے ملقب کرتے تھے (یوحنا ۳: ۲)۔ جس سے ظاہر ہے کہ علماء بھی نہ صرف آپ کے علم وفضل کے قائل تھے بلکہ یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ آپ " علماء کی زبان " اور ربیوں کے علوم پر حاوی ہیں اوران کو انہی کے طرزِ استدلال سے ترکی بترکی جواب دے سکتے ہیں (مرقس ۱۲: ۲۸)۔

(۳۔) حضرت کلمتہ اللہ نے اپنی منادی کے شروع میں عبادت خانہ میں تعلیم دی جو فقیہوں کی سی نہ تھی ۔ جس سے ظاہر ہے کہ گو آپ اُن فقیہوں کے طریقہ تعلیم سے بخوبی واقف تھے آپ نے دیدہ ودانستہ اُن کے طریقہ کی پیروی نہ کی ۔ علاوہ ازیں اناجیل سے ظاہر ہے کہ آپ کو عبادت خانوں میں تعلیم دینے کے لئے کھڑا کیا جاتا تھا۔ عبادت خانوں میں دورانِ عبادت صحفِ مقدسہ کی شرح اورمعانی کو بیان کیا جاتا تھا اوران کے منتظم کسی ایسے شخص کو جو ان باتوں کا اہل نہ ہو تعلیم دینے کے لئے ہرگز تجویز نہ کرتے۔

(۴۔) مقدس لوقا ہم کو بتلاتا ہے کہ جب ابن اللہ کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو آپ یروشلیم " ربیوں کے درمیان بیٹھے اوران کی سنتے اوران سے سوال کرتے پائے گئے (۲: ۴۷)۔ پس یہ سوال قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ کیا منادی شروع کرنے سے پہلے آپ نے ان"علماء کی زبان" کو اوران کے علوم اورفنِ مناظرہ وغیرہ کے علم کی تحصیل میں اٹھارہ سال کا درمیانی عرصہ صرف نہ کیا ہوگا؟ کلمتہ اللہ باربار فقہیوں پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے شریعت کے احکام کو مسخ کردیا ہے؟ یہ الزام خود ثابت کرتا ہے کہ آپ نے اُن کو علوم سے کماحقہ واقفیت حاصل کرلی تھی اورمطالعہ کے بعد آپ نے اُن کے طریقوں اوراُن کی تعلیم کو کھوکھلا پایا تھا۔

(۵۔) آنخداوند کا پیشہ بڑھئی کا تھا لیکن یہ پیشہ علوم کی تحصیل کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھا۔ کیونکہ اہلِ یہود میں ربیوں کا علم حاصل کرنے کے لئے اس قسم کی باتیں رکاوٹ کا باعث نہیں ہوتی تھیں۔ حق تو یہ ہے کہ ربیوں کے اکثر چوٹی کے عالم اورسرتاج اپنے ہاتھوں روزی کمانا اوراپنے خاندان کا پیٹ پالنا عارنہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ مقدس پولوس جو ربیوں کے علوم کے ماہر تھے خودایک خیمہ دوز تھے (اعمال ۱۸: ۳تا ۴ وغیرہ)۔

پس انجیلی اندرونی شہادت سے ثابت ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ " علماء کی زبان" سے اوراُن کی کُتُب درس وتدریس سے بخوبی واقف

تھے۔ اوریہ حقیقت نہایت عیاں ہوکر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے جب اناجیلِ اربعہ کےان مقامات کا مطالعہ کیا جاتاہے جہاں آپ علماء اورفقہا سے بحث میں الجھتے ہیں ، ربیوں سے بحث کرنے کے وقت آپ " علماء کی زبان" یعنی ربیوں کی عبرانی" کی زبان میں بحث کرتے ہیں مثلاً مرقس ۷: ۱، ۲۳۔ کے مقام کو لیں جس میں رسمی پاکیزگی اورباطن کی پاکیزگی کا ذکر پایا جاتاہے ۔آات ۶تا ۱۳ میں علماء آپ کے مخاطب ہیں۔ان آیات میں عہدِ عتیق کی کُتُب سے تین اقتباسات اورمتعدد اصطلاحی الفاظ موجود ہیں۔ یہاں بالخصوص لفظ" قربان ، وارد ہواہے (آیت ۱۲)۔جو " ربیوں کی عبرانی" کا اصطلاحی لفظ ہے اورمشناہ میں بھی موجود ہے۔ اس ایک مثال سے یہ واضح ہوجاتاہے کہ یہ مناظرہ ربیوں کی مکتبی زبان میں کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگلی آیت میں مرقوم ہے" اوروہ لوگوں کوپھر پاس بلا کراُن سے کہنے لگا۔ تم سب میری سنو اورسمجھو"(آیت ۱۴)۔ یہ آیت صاف ظاہرکرتی ہے کہ عوام نے نہ تواس بحث میں کوئی حصہ لیا تھا اورنہ وہ بحث کی اصطلاحی باتوں کو سمجھے تھے(متی ۵: ۱تا ۲۰)۔

ڈاکٹر ٹی ۔ ڈبلیو۔ مینسن نے اپنی کتاب میں حضرت کلمتہ اللہ کے اقوال کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔پہلے گروہ میں وہ اقوال جمع کئے گئے ہیں جو آپ نے اپنے رسولوں سے فرمائے تھے۔ دوسرے گروہ میں وہ اقوال ہیں جو آپ نے عوام کو فرمائے تھے اور تیسرے گروہ میں وہ اقوال ہیں جو بحث اورمناظرہ سے متعلق ہیں۔ اس عالم نقاد نے مختلف گروہوں کے اقوال کا مطالعہ کرکے یہ ثابت کردیاہے کہ ہرگروہ میں چند اہم اوردقیع الفاظ پائے جاتے ہیں جو کسی دوسرے گروہ میں نہیں پائے جاتے اورجوایک گروہ کو دوسرے سے تمیزکرتے ہیں[1]۔ یہ تمیز تمام کتاب میں ملحوظ رکھی گئی ہے۔

یہاں جملہ معترضہ کے طورپر ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگراناجیل کے تمام حصص کے قدیم ماخذ تحریری نہ ہوتے تویہ تمیزکس طرح قائم اوربرقرار رہ سکتی تھی؟ یہ ناممکن بات ہے کہ یہ الفاظ سینہ بسینہ زبانی بیانات میں ایسے محفوظ رہ سکتے کہ ان کے یونانی ترجمہ میں بھی یہ تمیز برقراررہ کردلائل کی بناء ہوسکتی!

[1] Ibid. pp. 20-21 and Appendix I.VI pp. 320-2

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کی مادری زبان ارامی تھی[1]۔ جس میں آپ قدرتی طورپر کلام کیا کرتے تھے۔ اسی زبان میں آپ دعا کیا کرتے تھے (مرقس ۱۴: ۳۶ وغیرہ)۔ اسی زبان میں آپ شاگردوں کو تعلیم دیا کرتے تھے لیکن جب آپ فریسیوں کے ساتھ بحث کرتے تو آپ اُن کی طرح مشناہ کی عبرانی بولتے تھے ۔ آپ مختلف طبقوں کے لوگوں سے " اُن کی سمجھ کے مطابق کلام" کرتے تھے (مرقس ۴: ۳۳)۔ اوراپنے مخاطب ربیوں کی زبان، اُن کی اصطلاحات اورانہی کا طرزِاستدلال استعمال کرکے اُن کو منہ توڑ جواب دیتے تھے۔(مرقس ۱۱، ۱۲باب)۔

باب دوم

حضرت کلمتہ اللہ کاکلامِ بلاغت نظام

ہم نے گذشتہ باب میں یہ بتلایا ہے کہ حضرت ابن اللہ اپنی مادری زبان ارامی سے واقف ہونے کے علاوہ یونانی زبان سے بھی واقف تھے اگرچہ آپ نے یونانی کو اپنی تعلیم دینے کا وسیلہ نہ بنایا تھا۔ علاوہ ازیں آپ اپنی صحفِ مقدسہ کا اصل زبان یعنی عبرانی میں مطالعہ کیا کرتے تھے اورآپ کوان کُتب کا بیشتر حصہ عبرانی میں حفظ تھا۔ اس کے علاوہ آپ ربیوں کی عبرانی زبان سے بھی کماحقہ واقف تھے اوراُن کی تعلیمات ،تاویلات اورطرزِاستدلال کاآپ کواعلیٰ درجہ کا علم حاصل تھا۔

اس باب میں ہم انشاء اللہ یہ بتلائینگے کہ آپ کا کلامِ معجزنظام فصاحت اوربلاغت سے پرُ ہے۔مرحوم کینن برنی نے ثابت کردیا ہے کہ عبرانی نظم کی صنعتیں اورخصوصیات، سب کی سب حضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات میں پائی جاتی ہیں[2]۔ مرحوم کی کتاب اس کی وفات کے بعد ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی۔ پروفیسر مرحوم عبرانی زبان کے یکتا عالم تھے۔اُنہوں نے ایك ایسی تحقیق کی بنیاد ڈالی جس پر موجودہ زمانہ کے علماء اپنے نظرئیے قائم کررہے ہیں اوراب علماء اس حقیقت پر متفق ہیں کہ حضرت کلمتہ اللہ کا فرمودہ کلام فصاحت وبلاغت سے پُر ہے۔ ہم ذیل میں مشتے نمونہ ازخروارے مختلف صنعتوں کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

---

[1] See also Dalman's Words of Jesus, Jesus –Jeshua and Sacred Sites and Ways.

[2] C.F. Burney. The Poetry of Our Lord.

(۱)

متوازیت: عبرانی نظم میں متوازیت کی صنعت خاص طورپر پائی جاتی ہے ۔ ہم جلداوّل صفحہ ۱۰۰ پر اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ مرقس ۱۳باب کی آیات ۹تا ۱۳ آنخداوند کے کلمات پر مشتمل ہیں۔ یہ آیات منظوم ہیں اوران میں متوازیت کی صنعت موجود ہے[1]:

لوگ تم کو عدالتوں کے حوالہ کریں گے
اورتم عبادت خانوں میں پیٹے جاؤ گے
اورحاکموں اوربادشاہوں کے سامنے
تم میری خاطر حاضر کئے جاؤ گے
اورجب وہ تم کو گرفتارکریں
اورلے جاکر حوالہ کریں
توپہلے سے فکر نہ کرنا
کہ تم کیا کہو گے۔
بلکہ جوکچھ اس گھڑی تم کو بتلایا جائے
تم وہی کہنا۔
کیونکہ کہنے والے تم نہیں ہو
بلکہ روح القدس ہے۔
اوربھائی حوالہ کرے گا
بھائی کو قتل کے لئے اورباپ بیٹے کو
اوربیٹے کھڑے ہوں گے
اپنے والدین کے خلاف اوراُن کو مرواڈالیں گے۔
اورسب لوگ تم سے نفرت کریں گے
میرے نام کی خاطر۔
وہی نجات حاصل کرے گا۔

مقدسہ بی بی مریم کے گیت میں (لوقا ۱: ۴۶تا ۵۵) اورزکریا کے گیت (لوقا ۱: ۶۸تا ۷۹) میں ہر جگہ متوازیت کی صنعت موجود ہے جو اردو ترجمہ میں بھی نظر آتی ہے۔

آنخداوند کے کلام میں متوازیت کی صنعت خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہے۔ اوراس قدر غالب عنصر ہے کہ پروفیسر برنی کہتا ہے کہ " ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کلمات جن میں عبرانی نظم کے عروض پائے جاتے ہیں سیدنا مسیح کی اپنی زبان سے نکلے ہیں"۔

ذیل کی آیات اردو ترجمہ میں بھی شاعرانہ پیرایہ ظاہر ہے:

---

[1] Vincent Taylor, The Apocalyptic Discourse of Mark XIII.ExpTimes Jan.1949

اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔
جو تم سے عداوت رکھیں ان کا بھلا کرو۔
وغیرہ وغیرہ (لوقا ۶: ۲۷تا ۳۸)۔

حق تو یہ ہے عبرانی نظم کی صنعتیں اوزان ، قافئے اورعروض وغیرہ آنخداوند کے اقوال میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس قسم کی شاعری ابتدائی کلیسیا کے مسیحیوں میں موجود نہ تھی لہذا یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ آنخداوند کے اقوال جواناجیل اربعہ میں مندرج ہیں اصلی ہیں ۔ وہ آپ کے ہی منہِ مبارک سے نکلے ہیں اورآپ کے شاعرانہ تخیل اورشاعرانہ طبعیت کا نتیجہ ہیں[1]۔

(۲)

مترادف متوازیت[2]۔ اس میں نظم کے مصرعوں میں ہم معنی الفاظ پائے جاتے ہیں اورایک ہی خیال کو دومختلف شکلوں میں ادا کیا جاتا ہے:

(۱۔) کوئی چیز چھپی نہیں کہ ظاہر نہ ہوجائے گی
کوئی بھید نہیں جوظہورمیں نہ آئے گا (مرقس ۴:۲۲)

(۲۔) اپنے دشمنوں سے محبت رکھو
جو تم سے عداوت کریں ان کا بھلا کرو
جو تم پر لعنت کریں اُن کے لئے برکت چاہو
جو تم کو بے عزت کریں اُن کے لئے دعا کرو
(لوقا ۶: ۲۷،متی ۵: ۴۴)[3]

(۳۔) خدا اپنے آفتاب کو بدوں اورنیکوں دونوں پر چمکاتا ہے
وہ راستبازوں اورناراستوں ، دونوں پر مینہ برساتا ہے (متی ۵:۴۵)

(۴۔) اپنی جان کا فکر نہ کروکہ ہم کیا کھائیں گے
نہ اپنے بدن کا کہ ہم کیا پہنیں گے
کیونکہ جان خوراک سے بڑھ کر ہے
اوربدن پوشاک سے (لوقا ۱۲: ۲۲۔ متی ۶: ۲۵)۔

(۵۔) جومیری طرف نہیں، وہ میرے خلاف ہے
جومیرے ساتھ جمع نہیں کرتا، وہ بکھیرتا ہے (لوقا ۱۱: ۲۳)۔

(۶۔) یہ تیرا بھائی مُردہ تھا،اب زندہ ہوا
کھویا ہوا تھا،اب ملا ہے۔ (لوقا ۱۵: ۳۲)۔

[1] A.Richardson, The Gospel in the Making , S.C.M pp.126-128
[2] Synonymous Parallelism.
[3] T.W.Manson, The Teaching of Jesus Ch3

اگرناظرین مقدس لوقا کے ذیل کے مقامات کو غور سے پڑھیں تواُن کو یہ صنعت ملے گی:

(۱۔) ۶: ۲۷تا ۲۹۔ (۲۔)۶: ۳۵۔(۳۔)۶: ۴۰۔ (۴۔)۱۱: ۹تا ۱۰۔

(۵۔)۱۱: ۲۳۔ (۶۔) ۱۱: ۴۷۔ (۷۔)۱۲: ۲۲تا ۲۳۔ (۸۔)۱۲: ۴۶۔

(۹۔)۱۶: ۱۶۔ اگرناظرین ان مقامات کے حوالہ جات مقدس متی کی انجیل میں دیکھیں تو وہاں بھی یہ صنعت پائیں گے۔[1]

(۱۰۔) اُس کا چھاج اُس کے ہاتھ میں ہے

اور وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے گا۔(لوقا ۳: ۱۷)۔

(۱۱۔) میرے بعد وہ شخص آنے والا ہے جو مجھ سے اعلیٰ ہے۔

میں اس لائق نہیں کہ جھک کر اُس کی جوتیوں کا تسمہ کھولوں(مرقس۱: ۷)۔

(۱۲۔) انسان کچھ نہیں پاسکتا۔

جب تک اس کو آسمان سے نہ دیا جائے (یوحنا ۳: ۲۷)۔

(۱۳۔)میں مسیح نہیں ہوں۔

بلکہ اُس کے آگے بھیجا گیا ہوں۔(یوحنا ۳: ۲۸)۔

(۱۴۔) باپ بیٹے سے محبت رکھتا ہے

اس نے سب چیزیں اُس کے ہاتھ میں دے دی ہیں۔(یوحنا۳: ۳۵)

(۳)

صنعتِ تضاد[2]: اس صنعت میں دوسرا مصرعہ پہلے مصرعہ کا مقابل خیال پیش کرتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

(۱۔) جو کوئی بچانی چاہے اپنی جان وہ اسے کھوئے گا

لیکن جو کوئی کھوئے اپنی جان وہ اسے بچائے گا(مرقس۸:۳۵)

(۲۔)کوئی اچھا درخت نہیں جو لائے بُرا پھل

(کوئی بُرادرخت نہیں جو لائے اچھا پھل(لوقا ۶: ۴۳۔ متی۷: ۱۷)۔

ہر اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے۔

لیکن بُرا درخت بُرا پھل لاتا ہے

(۳۔) اپنا مال اسباب بیچ کر خیرات کردو۔۔۔۔ دل بھی لگا رہیگا(لوقا۱۲: ۳۳)۔

(۴۔) کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے۔۔۔۔ جدائی کرانے(لوقا ۱۲: ۵۱)۔

(۵۔) جو بیٹے پر ایمان لاتا ہے ہمیشہ کی زندگی اُسی کی ہے

لیکن جو بیٹے پر ایمان نہیں لاتا وہ زندگی کو نہ دیکھے گا(یوحنا ۳: ۳۶)۔

---

[2] Rev.F.Bussby,"Q an Aramaic Document". Exp Times June 1954

(۶۔)میں تم کو پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں
لیکن وہ تم کو روح القدس سے بپتمسہ دے گا۔(مرقس ۱۱: ۸)۔
(۷۔)وہ اپنے گیہوں کو کھتے میں جمع کرے گا
لیکن بھوسی کو اُس آگ میں جلائیگا جو بجھنے کی نہیں۔(لوقا ۳: ۱۷)۔

یہ صنعت مقدس یوحنا کی انجیل میں باربار آتی ہے۔ چنانچہ پروفیسر برنی مرحوم کہتا ہے کہ" صنعتِ تضاد کا وجود خاص طور پر اُن خطبات کی اصلیت پر مُہرِ تصدیق ثابت کردیتا ہے جو انجیل چہارم میں مندرج ہیں[1]۔

اَب چار رُکنی بحر کے شعر کی مثال لیں جس میں صنعتِ تضاد پائی جاتی ہے۔

مت سمجھو کہ میں توریت منسوخ کرنے آیا ہوں
منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔(متی ۵: ۱۷)۔

ذیل کی اعلیٰ پایہ کی نظم سات اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں صنعتِ تضاد کے دو ہم قافیہ مثلث موجود ہیں:

اپنے واسطے زمین پر خزانہ جمع نہ کرو
جہاں کیڑا کھاتا ہے اور زنگ
اورجہاں چور نقب لگاتے اور چرُاتے ہیں
بلکہ اپنے لئے آسمان پر خزانہ جمع کرو
جہاں چور نہ نقب لگاتے ہیں اور نہ چُراتے ہیں
کیونکہ جہاں تیرا خزانہ ہے وہیں تیرا دل بھی ہوگا(متی ۶: ۱۹ تا ۲۱)۔

(۴)

مرکب متوازیت[2]: اس صنعت میں پہلے مصرعہ کے خیال کا تکملہ دوسرے مصرعہ میں پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱۔)تم اپنے باپ ابلیس سے ہو
اوراپنے باپ کی خواہشوں کوپورا کرتے ہو۔(یوحنا ۸: ۴۴)۔
(۲۔)میں زمین پر آگ لگانے آیا ہوں۔
اورآگ لگ چکی ہوتو میں کیا ہی خوش ہوتا۔(لوقا ۱۲۔ ۴۹)۔
(۳۔)وہ اپنے تعویز بڑے بناتے ہیں
اوراپنی پوشاک کے کنارے چوڑے رکھتے ہیں۔(متی ۲۳: ۵)۔

بعض اوقات دوُسرے مصرعہ میں پہلے کی تشریح کی گئی ہے۔ مثلاً

[1] Anti-thetic Parallelism.

[2] Poetry of Our Lord p.84

زمین پرکسی کو اپنا باپ نہ کہو
کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانوں پر ہے (متی ۲۳: ۹)۔

یہی صنعت مقدس لوقا کی انجیل میں ذیل مقامات میں پائی جاتی ہے۔

(۱۔) ۱۰: ۱۳تا ۱۵۔ (۲۔) ۱۱: ۳۰تا ۳۲۔ (۳۔)۱۲: ۲۴تا ۲۷۔ (۴۔) ۱۳: ۱۸تا ۲۰۔ (۵۔)۱۷: ۲۶تا ۳۰۔

علیٰ ہذا القیاس مقدس متی کے اُن مقامات میں بھی یہ صنعت موجود ہے، جہاں مذکورہ بالا آیات کے حوالہ جات ہیں۔

(۵۔)

زینہ بزینہ متوازیت[1]: اس صنعت میں ایک مصرعہ کا خیال دوسرے مصرعہ میں موجود ہوتا ہے اورپہلے الفاظ کو دہراکر خیال قدم بہ قدم زینہ بزینہ ترقی کرتا ہے۔ اس صنعت میں ہر مصرعہ اپنے ماقبل مصرعہ سے تاثیر میں بڑھا ہوا ہوتا ہے اوریوں عروجِ کمال کوپہنچتا ہے۔مثلاً ملاحظہ ہو:

(۱۔) جو کوئی میرے نام سے اس بچے کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے جو کوئی مجھے قبول کرتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے (مرقس ۹: ۳۷)۔

(۲۔)جو تم کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے
جو مجھے قبول کرتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے (متی ۱۰: ۴۰)۔

اگر ناظرین مقدس لوقا کی انجیل میں ذیل کے مقامات کو غور سے پڑھیں تو یہ صنعت ان کو نظر آجائیگی۔ ۶: ۳۴(۱۰: ۴۶)(۱۱: ۲۹)(۱۲: ۵) انہی مقامات کے حوالہ جات کو مقدس متی کی انجیل میں مطالعہ کریں تو یہ صنعت وہاں بھی پائیں گے۔

مقدس یوحنا کی انجیل میں یہ صنعت ملاحظہ ہو:

(۷۔) جو بیٹے پر ایمان لاتا ہے ہمیشہ کی زندگی اُس کی ہے۔
لیکن جو بیٹے پر ایمان نہیں لاتا وہ زندگی کو نہ دیکھیگا
بلکہ خدا کا غضب اُس پر رہتا ہے۔(یوحنا ۳: ۳۶)۔

(۸۔)جس کی دلہن ہے وہی دلہا ہے۔
جو کھڑا ہوا اُس کی سنتا ہے وہ دلہا کا دوست ہے۔
وہ دلہے کی آواز سے نہایت خوش ہوتا ہے۔(یوحنا ۳: ۲۹)۔

[1] Synthetic Parallelism.

(۹۔) ضُرور ہے کہ وہ بڑھے
ضرور ہے کہ میں گھٹوں
پس یہ میری خوشی پوری ہوگئی ہے ۔(یوحنا ۳: ۳۰)
(۱۰۔)اُس میں زندگی تھی
اوروہ زندگی آدمیوں کا نُورتھا
اوروہ نورتاریکی میں چمکا تھا
اورتاریکی اس کی تابندگی کو پوشیدہ نہ کرسکی
وہ اپنے کے پاس آیا
اوراس کے اپنوں نے اسے قبول نہ کیا۔
ہم نے اس کا جلال دیکھا
ایسا جلال جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔
وہ فضل اورسچائی سے معمورتھا
جس کی معموری سے ہم نے پایا[1] ۔ (یوحنا۱: ۴تا ۱۵)۔

اب دوہم قافیہ مثلث ملاحظہ ہوں جو متوازیت کی کامل مثال ہے:
(۱۔) مانگو تو تم کو دیا جائے گا
ڈھونڈو تو پاؤ گے
کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا
(۲۔) کیونکہ جو کوئی مانگتا ہے اُسے ملتا ہے
اورجوڈھونڈتا ہے ، وہ پاتا ہے ۔
اورجو کھٹکھٹاتا ہے اُس کے واسطے کھولا جاتا ہے(متی۷: ۷تا ۸)۔

(۶۔)

ہم نے مندرجہ بالا مثالوں میں متوازیت کی مختلف اقسام کو لیا ہے کیونکہ یہ صنعت عہدِ عتیق کی کتُب عبرانی کی نظموں اوراناجیلِ اربعہ کی نظموں میں خاص طورپر موجود ہے۔ حضرت کلمتہ اللہ کے کلامِ معجز نظام میں ایک اورقسم کی صنعت موجود ہے جس میں متوازیت صرف کسی ایک تصوراوراس کے الفاظ میں ہی نہیں پائی جاتی بلکہ یہ متوازیت تصورات کے سلسلہ اورتمام عبارت میں موجود ہے۔ مثلاً:

لوقا ۱۷: ۲۶تا ۳۰آیات ملاحظہ ہوں:
(الف۔)
(۱۔) جیسا نوح کے دنوں میں ہوا تھا

[1] Step-Parallelism.

(۲۔) ویسا ابنِ آدم کے دنوں میں ہوگا

(۳۔) وہ کھاتے پیتے تھے

وہ بیاہتے تھے اور بیاہے جاتے تھے۔

(۴۔) اُس دن تک جب نوح کشتی میں گیا۔

(۵۔) اور طوفان آیا اور سب کو ہلاک کرگیا۔

(ب۔)

(۱۔) جیسا لوط کے دنوں میں ہوا تھا

(۲۔) وہ کھاتے پیتے تھے

وہ خرید و فروخت کرتے تھے

وہ درخت لگاتے اور گھر بناتے تھے۔

(۴۔) لیکن جس دن لوط سدوم سے نکلا۔

(۵۔) آسمان سے آگ اور گندھک کی بارش نے سب کو ہلاک کردیا۔

ایک اور مثال لیں (لوقا ۱۱: ۳۱تا ۳۲)۔

(الف)

(۱۔) دکھن کی ملکہ اس زمانہ کے آدمیوں کے ساتھ عدالت کے دن اٹھ کر اُن کو مجرم ٹھہرائے گی۔

(۲۔) کیونکہ وہ دنیا کے کنارے سے سلیمان کی حکمت سننے کو آئی۔

(۳۔) اور دیکھو یہاں وہ ہے۔ جو سلیمان سے بھی بڑا ہے۔

(ب)

(۱۔) نینوہ کے لوگ اس زمانہ کے لوگوں کے ساتھ عدالت کے دن کھڑے ہو کر ان کو مجرم ٹھہرائیں گے۔

(۲۔) کیونکہ انہوں نے نینوہ کی منادی پر توبہ کرلی۔

(۳۔) اور دیکھو یہاں وہ ہے جو یوناہ سے بھی بڑا ہے۔

ایک اور مثال لیں جس میں خدا کی پروردگاری کا ذکر ہے (لوقا ۱۲: ۲۴تا ۲۸، متی ٦: ۲٦تا ۳۰)۔

(الف)

(۱۔) کوؤں پر غور کرو

(۲۔) وہ نہ بوتے ہیں اور نہ کاٹتے ہیں

نہ ان کا کھتہ ہوتا ہے، نہ کوٹھی

(۴۔) اور خدا اُن کو کھلاتا ہے۔

(٦۔) تمہاری قدر تو پرندوں سے کہیں زیادہ ہے۔

(ب)

(۱۔) سوسنوں پر غور کرو کہ کس طرح بڑھتے ہیں

(۲۔) وہ نہ محنت کرتے اور نہ کاتتے ہیں۔

(۳۔) توبھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی شان وشوکت کے ان میں سے کسی کی مانند ملبس نہ تھا۔

(۴۔) پس جب خدا گھاس کو ایسی پوشاک پہناتا ہے ۔

(۵۔) جوآج میدان میں ہے۔

اورکل تنورمیں جھونکی جائے گی ۔

(۶۔) تواے کم اعتقادو۔ تم کوکس قدربہترنہ پہنائے گا ؟

علیٰ ہذا القیاس اگر آپ گم شدہ بھیڑ کی یا گم شدہ سکہ کی تمثیلوں کو اوررائی کے دانہ کی یا خمیر کی تمثیل کولیں تو اُن کی تشکیل بھی یہی صنعت ظاہر کرے گی۔

حق تو یہ ہے کہ آپ اناجیل کے کسی موضوع کولیں جس میں تصورات کےسلسلہ میں متوازیت پائی جاتی ہوتو آپ خود دیکھ لیں گے کہ یہ صنعت مختلف اقسام کے تصورات اورجذبات میں موجود ہے اوران کو اس طورسے ادا کرتی ہے کہ سونے پر سہاگہ کا کام دے کر اُن کے گہرے قلبی جذبات کو ایسی کمالیت سے ادا کرتی ہے کہ کوئی اور صنعت ان کو ویسے ادا نہیں کرسکتی[1]۔ اسی قسم کی دیگر مثالوں کے لئے ذیل کے مقامات ملاحظہ ہوں:

(۱۔) مرقس ۲: ۲۱تا ۲۲۔ (۲۔) مرقس ۹: ۴۳تا ۴۸۔ (۳۔) لوقا ۱۲: ۲۴تا ۲۸۔ متی ۶: ۲۶تا ۳۸۔ (۴۔) لوقا ۱۳: ۱۸تا ۲۱۔ متی ۱۳: ۳۱تا ۳۳۔ (۵۔)لوقا ۱۰: ۱۳تا ۱۵۔ متی ۱۱: ۲۱تا ۲۳۔ (۶۔)لوقا ۴: ۲۵تا ۲۷۔ (۷۔)لوقا ۱۳: ۲تا ۵۔ (۸۔) لوقا ۱۴: ۲۸تا ۳۳۔ (۹۔) لوقا ۱۵: ۴تا ۱۰۔ (۱۰۔) متی ۱۳: ۴۴تا ۴۶۔ (۱۱۔) ۲۳: ۱۶تا ۲۱ وغیرہ)۔

عبرانی نظم میں بعض اوقات ہر مصرع میں چھ رُکن ہوتے ہیں جس میں تین تاکیدی ہوتے ہیں۔ حضرت کلمتہ اللہ بھی کثر ہم قافیہ مصرعے زبان مبارک سے فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً تین ہم قافیہ مصرعے ملاحظہ ہوں؛

(۱۔) تم ربی نہ کہلاؤ
کیونکہ تمہارا ربی ایک ہی ہے۔
اورتم سب بھائی ہو۔
(۲۔) کسی کو اپنا باپ نہ کہو
کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے۔
وہ جوآسمان پر ہے۔
(۳۔) تم ہادی نہ کہلاؤ
کیونکہ تمہارا ہادی ایک ہی ہے۔

[1] Burney,Aramaic Origin of the Fourth Gospel 1922,p.42-43

جو تم میں بڑا ہے وہ تمہارا خادم ہے ۔(متی ۲۳: ۸تا ۱۲)۔

(۷۔)

مندرجہ بالا اقسام متوازیت کی صنعت کی اقسام ہیں جو عبرانی کُتُبِ مقدسہ سے مخصوص ہیں۔ اورآنخداوند کے کلام میں مختلف مقامات میں پائی جاتی ہیں۔ اناجیل میں صنعتِ حسنِ تعلیل کا بھی استعمال کیا گیا ہے ۔ مثال کے طورپر ملاحظہ ہو:

اگرتم آدمیوں کے قصورمعاف کروگے ۔
توتمہاراآسمانی باپ بھی تم کو معاف کرے گا ۔
اگرتم آدمیوں کے قصورمعاف نہ کروگے ۔
تو تمہارا آسمانی باپ بھی تمہارے قصور معاف نہ کرے گا(متی ۶: ۱۴)۔

(۸۔)

ارامی زبان کی ایک اورصنعت ہے جس میں حرف عطف نہیں ہوتا۔ یہ صنعت خاص طورپر انجیلِ مرقس اورانجیلِ یوحنا میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اگرہم حضرت کلمتہ اللہ کے اُن اقوال پر غورکریں جوایک جگہ جمع ہیں مثلاً مرقس ۱۳: ۶تا ۹۔ تو ہم پر یہ صنعت عیاں ہوجاتی ہے ۔ اس مقام میں سات فقرے ہیں اورچار مقامات میں یہ صنعت موجود ہے[1]۔

(۹۔)

ایک اورصنعت ہے جس کو ارامی اصطلاح میں " قل وخمر" کہتے ہیں[2]۔ اس میں کمی اور زیادتی کا حساب ہوتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

(۱۔) توکیوں اپنے بھائی کی آنکھ کےتنکے کودیکھتا ہے
اوراپنی آنکھ کے شہتیرپر غورنہیں کرتا؟
جب تو اپنی آنکھ کے شہتیرکو نہیں دیکھتا
تواپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے
بھائی لا، اس تنکے کو جو تیری آنکھ میں ہے نکال دوں؟
(لوقا۶: ۴۱تا ۴۲)۔

(۲۔) جب تم بُرے ہوکر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہوتو آسمانی باپ اپنے مانگنے والوں کو روح القدس کیوں نہ دیگا؟
(لوقا ۱۱: ۱۳)۔

---

[1] Manson, The Teaching of Jesus Ch.3

[2] Dr.Mathew Black An Aramaic Approach to the Gospels & Acts p.48

(۱۰۔)

عبرانی کتُبِ مقدس بہت مقامات ایسے ہیں جن کے فقرے اس طرز پر ڈھالے گئے ہیں:

"۔۔۔۔۔۔نہ۔۔۔۔۔۔ بلکہ ۔۔۔۔۔۔۔۔"

یہ صنعت انجیلوں میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

" فانی خوراک کے لئے محنت نہ کرو اُس خوراک کے لئے جوابدی زندگی کے لئے قائم رہتی ہے (یوحنا ۶: ۱۷)۔

(۱۱۔)

حضرت کلمتہ اللہ کے کلامِ معجز بیان میں اوزان بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ اوزان عبرانی نظم سے مخصوص ہیں ۔ مشتے نمونہ ازخروارے ،تین تال کا وزن ملاحظہ ہو:

(۱۔) اے باپ ۔ آسمان اور زمین کے مالک ۔۔۔ بیٹا اُسے ظاہر کرنا چاہے (لوقا ۱۰: ۲۱تا ۲۲)۔

(۲۔) تیرے بدن کا چراغ تیری آنکھ ہے۔۔۔ تجھے روشن کرتا ہے (لوقا ۱۱: ۳۴تا ۳۵)۔

آنخداوند کے مبارک اقوال میں قافیہ بندی بھی ہے۔ چنانچہ مرحوم ڈاکٹر برنی لکھتے ہیں کہ آنخداوند قافیہ بندی کو اکثر استعمال کرتے تھے اورجب آپ کے اقوال کا ارامی زبان میں دوبارہ ترجمہ کیا جاتا ہے تو اکثر مقامات میں قافیہ بندی ظاہر ہوجاتی ہے[1]۔ یہی وجہ تھی کہ عوام الناس آنخداوند کے کلام کو زبانی یاد بھی رکھ سکتے تھے۔

(۱۲)

اناجیلِ اربعہ میں جا بجا دیگر اقسام کی صنعتیں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً بعض مقامات میں مختلف الفاظ کی ایک ہی حرف سے ابتدا ہوتی ہے ۔ جو سرحرفی صنیعت ہے۔ بعض مقامات میں ہم صوتی کی صنعت پائی جاتی ہے۔ ان میں یجبنیس صوتی ہے اورالفاظ ہم آواز ہیں۔ بعض مقامات میں صنعتِ ایہام موجود ہے جس میں رعایت لفظی ہوتی ہے۔مثلاً اگر متی ۱۱: ۱۷۔ ۱۰: ۳۰۔ ۶: ۲۴لوقا ۱۶: ۱۳ وغیرہ مقامات کی یونانی زبان کا دوبارہ ارامی میں ترجمہ کیاجائے تو یہ صنعیتیں فوراً نظر آجاتی ہیں[2]۔ تجنیس صوتی جس میں الفاظ کے پہلے حروف ہم آواز ہوتے ہیں اور صنعتِ ایہام اوراصوات کی دیگر صنعیتیں حضرت کلمتہ اللہ کے اقوال کی خصوصیات میں سے ہیں۔ یہ صنعیتیں ہر چہار اناجیل میں سیدنا مسیح کے کلماتِ طیبات

---

[1] Bussby, Exp. Times June 1954

[2] See F.V. Filson Origin of the Gospels pp.85-88

میں موجود ہیں اورقریب قریب صرف آپ کے کلمات میں ہی پائی جاتی ہیں۔ بلکہ ایک مقام میں توتجینس صوتی نے ایسا کام دیا ہے کہ انجیل کے مولف نے آنخداوند کے ایسے اقوال کو ان اصوات کی بناء پر ایک جگہ جمع کردیا ہے جن میں اورکوئی دوسرا تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ مرقس ۹: ۳۸تا ۴۱ کے بعد ایات ۴۲تا ۴۸ اسی بنا پر جمع کی گئی ہیں۔ دونوں مقامات کے نفسِ مضمون میں اورکوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ ان آیات کی ترتیب ارامی الفاظ کے حروف اوراصوات کی بناء پر کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنخداوند کے کلماتِ طیبات انسانی سینوں کی الواح پرکالنقس فی الحجرہوجاتے تھے۔ جب ہم ان کلمات کو ارامی میں دوبارہ ترجمہ کرکے پڑھتے ہیں تو ہم پر عیاں ہوجاتا ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ اپنے اقوالِ مبارک کوتول کر اپنی زبان سے نکالتے تھے۔ آپ کے الفاظ بالعمد ہوتے تھے جو بے سوچے سمجھے یونہی منہ سے نہیں نکلتے تھے۔ کیونکہ وہ جنچے تلے الفاظ ہوتے تھے۔ آپ کے اقوال کی طرزاورعظمت یسعیاہ نبی کی سی ہے۔ اُن کی عبارت ایسی ہے جس کے الفاظ اوراصوات نہایت موزون طورپر جذبات اور تصورات کی خوبی کو سروں کے اورترنم کے ذریعہ انسانی ذہن پرنقش کردیتے ہیں۔ لُطف یہ ہے کہ الفاظ کی اصوات حسب موقعہ اور موضوع کے مطابق ہیں۔ مثلاً متی ۱۱: ۲۸تا ۲۹ میں نرم، دھیمے اورنازک اصوات والفاظ ہیں لیکن مرقس ۹: ۴۳تا ۴۸ میں یہ اصوات سخت اورکرخت ہیں کیونکہ یہاں ٹھوکروں کا ذکر ہے۔ جن مقامات میں حضرت کلمتہ اللہ ریاکاروں کا ذکر کرتے ہیں وہاں آپ کے الفاظ حروف حلق سے نکلتے ہیں یا سسکارنے والے ہیں اور سسکاری سے اس طورپر ادا ہوتے ہیں جس میں تضحیک اوراستہزا کا گمان پایا جاتا ہے[1]۔ تجنیسِ صوتی کی دیگرمثالیں ذیل کے مقامات میں بھی پائی جاتی ہیں (۱۔)لوقا ۶: ۲۷تا ۳۶۔ (۲۔) ۶: ۴۰۔(۳۔)لوقا ۷: ۸۔(۴۔) لوقا ۷: ۳۲۔ (۵۔) لوقا ۱۲: ۷۔ (۶۔)لوقا ۱۲: ۳۴۔ ناظرین کو یہی صنعت مقدس متی کے اُن مقامات میں بھی ملیگی جن میں یہی موضوع ہیں۔

سیدنا مسیح کی تمثیلوں میں (جوبجائے خودایک صنعت ہیں)اصوات کی مختلف صنعتیں پائی جاتی ہیں۔ جب ان تمثیلوں کا یونانی سے ارامی زبان میں لفظی ترجمہ کیا جاتا ہے تو یہ صنعتیں صاف نظرآتی ہے ۔ چنانچہ ذیل کے مقامات میں اصوات کی مختلف

---

[1] Black Aramaic Approach Part 111 Ch VI.

صنعتیں موجود ہیں۔ مرقس ۴: ۱تا ۹، ۲۶تا ۲۹، ۳۰تا ۳۲۔ متی ۱۳: ۱تا ۹لوقا ۸: ۴تا ۸۔ متی ۱۳: ۳۱تا ۳۲۔لوقا ۱۳: ۱۸تا ۱۹۔

اصوات کی یہ صنعتیں اناجیلِ اربعہ کے دیگر مقامات میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہولوقا ۲: ۸تا ۱۴۔ ۱۴: ۵۔ یوحنا ۷: ۸۔ مرقس ۹: ۳۸تا ۴۱۔ لوقا ۹: ۴۹تا ۵۰۔مرقس ۹: ۴۲تا ۴۸۔ متی ۱۸: ۶تا ۹۔ لوقا ۱۷: ۱تا ۲۔ یوحنا ۱: ۸تا ۹۔ لوقا ۱۴: ۱تا ۷ تا ۱۰۔ مرقس ۱۱: ۱۷۔ متی ۲۱: ۱۳۔ لوقا ۱۹: ۴۶۔ متی ۶: ۱تا ۸۔ ۱۹تا ۲۰، ۲۵تا ۳۴۔لوقا ۱۲: ۳۳تا ۳۴، ۲۲تا ۳۱۔ ۲۲: ۳۶۔ متی ۵: ۴۳تا ۴۸۔ لوقا ۶: ۲۷تا ۳۷۔ ۷: ۳۶تا ۵۰۔ متی ۱۱: ۲۸تا ۳۰۔ ۱۸: ۱۲تا ۱۴۔ لوقا ۱۵: ۳تا ۷۔

تمثیلوں میں سے بطورمشتے نمونہ ازخروارے ، ہم صرف ایک تمثیل پیش کرتےہیں جو جاذبِ توجہ نظم ہے اورعبرانی عروض میں کئی حصوں میں منقسم ہے۔ ۲۵: ۳۱تا ۴۶میں بھیڑوں اوربکریوں کی تمثیل ہے۔ ڈاکٹر برنی مرحوم کہتےہیں[1]۔ یہ امر دلچسپی کا مُوجب ہے کہ جب اس تمثیل کو عہدِ عتیق کی کُتُب کی عبرانی زبان میں ترجمہ کیاجاتا ہے تو وہ ایک نظم کی صورت اختیارکرلیتی ہے جو وزن ،ترنم، اوردانی کے لحاظ سے عہدِ عتیق کی منظوم کتابوں کی طرح توجہ کو اپنی جانب خواہ مخواہ کھینچ لیتی ہے"۔اس عالم نے اس تمثیل کا عبرانی منظوم ترجمہ کیاہے جس کاپہلا حصہ حسبِ ذیل ہے:

جب ابنِ آدم اپنے جلال میں آئے گا
اورسب فرشتے اُس کے ساتھ ۔
وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا
اورسب قومیں اُس کے سامنے جمع کی جائیں گی
اوروہ ایک کو دوسرے سے جدا کرتا ہے۔
اوروہ بھیڑوں کو اپنے دہنے ہاتھ کھڑا کرے گا
لیکن بکریوں کو اپنے بائیں ہاتھ

یہ نظم ایک مقفی نظم ہے جو ابتدا میں عبرانی میں منظوم تھی۔اس عالم نے اس تمثیل کوارامی زبان میں بھی ترجمہ کرکے ثابت کردیاہے کہ" ارامی زبان میں اس تمثیل کی قافیہ بندی بہت حد تک ضائع ہوجاتی ہے" پس یہ عالم کہتاہے کہ یہ تمثیل عہدِ عتیق کی کُتُب کی عبرانی نظم کے طرزپر تھی اورآنخداوند کے عبرانی کلام کا ایک نمونہ ہے[2]۔

---

[1] Ibid.

[2] Burney, Journal of Theological Studies April 1913 pp. 414-424

حضر ت کلمتہ اللہ کی تمثیلوں میں تشبہیات ، مماثلت ، استعارے، نقش ونگار اورکنایہ ہیں۔ اوران کا طرز بیان ایسا ہے کہ آنکھوں کے سامنے سماں بندھ جاتاہے۔ یہ بیانات جیتی جاگتی تصویر ہوجاتے ہیں ، جن کے وسیلے روحانی حقائق غبی سے غبی شخص پر بھی منکشف ہوجاتے ہیں۔ ان تمثیلوں کا مطالعہ یہ ظاہر کردیتاہے کہ یہ تمثیلیں ارضِ مقدس کے مختلف مقامات میں پاروں میں تھیں۔ ان کی خصوصیات ثابت کردیتی ہیں کہ وہ حضرت کلمتہ اللہ کے منہ کی فرمودہ ہیں۔ان کا شاعرانہ اندازثابت کردیتا ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کے دماغ نے خلق کی ہیں جو عرشِ معلیٰ کی بلندیوں سے واقف ہے۔ اُن پر جتنا زیادہ غور کرو اتنا ہی اُن کی خاصیت اورپایہ اعتبار ثابت ہوجاتاہے ۔ وہ زبانِ حال سے پکارکر کہتی ہیں کہ وہ کسی معمولی دماغ کی اختراع نہیں ہیں بلکہ اصلی اور تواریخی ہیں[1]۔ اناجیل اربعہ کے مولفوں نے تیس بڑی تمثیلوں اورچند ایک چھوٹی چھوٹی تمثیلوں کو جمع کیاہے۔ پہلی تین اناجیل میں استعاروں کی تعداد ساٹھ ہے گو آنخداوند کےکلام میں اور چھوٹے چھوٹے استعارے بھی پائے جاتے ہیں۔ ان ساٹھ استعاروں میں ۱۷تشبہیات بھی ہیں جو آپ کے کلام کو لطف اندوز دریافت انگیزی بنادیتی ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

"اے یروشلیم ،اے یروشلیم۔۔۔کتنی بارمیں نے چاہا کہ جس طرح مرُغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کرلیتی ہے اُسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کروں۔۔۔ الخ (متی ۲۳: ۳۷)۔

(۳)

مذکورہ بالا سطورمیں ہم نے آنخداوند کے کلام بلاغت نظام سے چند ایک صنعتوں کے نمونے ناظرین کےسامنے پیش کئے ہیں۔ اس مضمون پر مستقل کتابیں لکھی جاسکتی ہیں لیکن جونمونے ہم نے پیش کئے ہیں ناظرین اُن سے حضرت کلمتہ اللہ کے کلام کا اعجاز قیاس کرسکتے ہیں ۔ع قیاس کُن زگلستانِ من بہارمرا

اناجیلِ اربعہ میں دیگر اقسام کی صنعتیں بھی موجود ہیں جن کو بخوفِ طوالت نظر اندازکردیا گیا ہے۔ مثلاً صنعتِ سوال وجواب۔ صنعتِ احتجاج ، بالیل ، صنعت موقوف ۔ صنعتِ مراعات النظیر۔ صنعتِ لف ونشر، صنعتِ تجنیس، صنعتِ والجز الی الصدر۔ صنعتِ شبہ اشقاق ، صنعتِ قطارالبعیر وغیرہ پائی جاتی ہیں۔آپ کے کلام میں لطافت استعارہ اندرت تشبیہ، وزن کی خوش آہنگی، مصفٰے

[1] St. Matthew (Cent. Bible)pp.55-57

عبارت اورقافیوں کی دلکشی،زبان کی سلامت، روانی اورترنم، تناسب، اور ترتیب، جدت اورنفاست ، مناسباتِ کلمات، شوکتِ الفاظ، رعایت اصطلاحات ، بلندی مضامین، سادگی تراکیب وغیرہ وغیرہ، حقائق ومعارف کی گہُرپاشی اورسفتگی کے ساتھ ساتھ پائی جاتی ہے۔ حضرت کلمتہ اللہ کے زرین اقوال میں تلمیح بھی ہے اورترصیح بھی۔۔۔ اُن میں سجع اورموزانہ ہے۔ آپ کے کلمات سلیس رنگین ہیں یعنی معنی سہل ہونے کے ساتھ ادائے مطلب ہیں مناسبات الفاظ کی رعایت ہے۔ زبان میں سلامت اوردلنشینی ایسی ہے جس نے آپ کے کلام کو ایک دفعہ سن لیا وہ کبھی بھول نہ سکا۔ یہ خصوصیات آنخداوند کے کلام کے تاردپود میں ہیں ایسا کہ یونانی زبان کے شفاف پردہ میں سے بھی صاف نظر آتی ہے چنانچہ پروفیسر مین سین کہتا ہے" سیدنا مسیح کے اقوال اورمکالمات میں عبرانی نظم کی تمام صنعتیں موجود ہیں اورسچ پوچھو توآپ کی شاعری کی اصل خصوصیات ہی یہ ہے کہ آپ کے کلام میں متوازیت کی مختلف اقسام کی روانی اوزان کا ترنم پایا جاتاہے شاعری کی دنیا میں یہ آپ ہی کا خاص حصہ ہے[1]۔

ہمیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ گو مختلف اقسام کی صنعتیں وغیرہ آنخداوند کے کلامِ بلاغت نظام میں موجود ہیں لیکن آخر یہ صنعتیں ، قافئے اوروزن وغیرہ محض الفاظ اورزبان جیسے خارجی اُمور کے ساتھ ہی تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن سیدنا مسیح کے اقوال میں جو خیالات اورتصورات موجود ہیں،اُن تصورات میں بھی ہر جگہ شاعرانہ تخیل موجود ہے، جس کا تعلق الفاظ سے زیادہ اُن کے معانی کے ساتھ ہے اوریہ تخیل خواہ نثرمیں ہو خواہ نظم میں ہو، درحقیقت شاعری کی روُحِ رواں ہے۔

علاوہ ازیں زبان اور بیان کے معاملے میں چھوٹے چھوٹے مختصر فقرے اور جُملے جو ہیئت میں کم لیکن معانی میں وسیع ہوں، بلاغت کی جان ہوتے ہیں۔ آپ اناجیلِ اربعہ کے اور بالخصوص اناجیلِ متفقہ کے کلمات کا جو حضرت کلمتہ اللہ کی زبانِ فصاحت بیان سے نکلے ہیں، مطالعہ کریں ۔آپ اس قسم کے چھوٹے، مختصر لیکن پرُمغز فقرے ہر جگہ پائینگے(مثلاً متی ۱۶: ۲۴تا ۲۷)۔ جو پڑھنے والے کے لئے آبِ حیات کا درجہ رکھتے ہیں اورفوراً حافظہ اوردل میں گھر کرکے انسان کی اخلاقی اورروحانی زندگی کی بلندپروازی کا باعث بن جاتے ہیں۔

---

[1] Vincent Taylor, The Formation of Gospel Tradtion.(1933) pp.100-110

حضرت کلمتہ اللہ کے کلام میں جو فصاحت اوربلاغت پائی جاتی ہے وہ اس حقیقت کو بھی ثابت کرتی ہے کہ اناجیلِ اربعہ میں آپ کے جو کلماتِ طیبات زرین اقوال اورمبارک مکالمات پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب آپ کی زبانِ معجزبیان سے ہی نکلے تھے اوران کی اصلیت میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ صنعتوں کے جونمونے ہم نے اس باب میں دئے ہیں وہ کسی ایک انجیل سے نہیں لئے گئے بلکہ چاروں انجیلوں سے لئے گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا مسیح کے اُن اقوال کی اصلیت میں جو پہلی تین انجیلوں میں درج ہیں اورآپ کے ان مکالمات کی اصلیت میں جو انجیل چہارم میں موجود ہیں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہوسکتا کیونکہ چاروں انجیلوں کے کلام میں یہ صنعتیں وزن اورقافئے وغیرہ موجود ہیں[1]۔ چاروں کی چاروں انجیلوں کے کلماتِ طیبات حضرت کلمتہ اللہ کے فرمودہ ہیں اورانجیلوں میں درج ہونے کے وقت تک ان میں کسی قسم کا فتورواقع نہیں ہوا بلکہ وہ من وعن محفوظ رہے۔

[1] F.N.Filson, the Origin of the Gospels. pp.87-88

باب سوم

اناجیلِ اربعہ کے ماخذوں کی زبان

اس حصہ کے پہلے باب میں ہم ثابت کرآئے ہیں کہ حضرت کلمتہ اللہ کی مادری زبان ارامی تھی جس میں آپ ارضِ مقدس کے یہود کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ گذشتہ باب میں ہم نے آپ کےکلماتِ طیبات کی صوری اورخارجی شکل پر بحث کرکے ثابت کردیا ہے کہ اناجیل اربعہ کی یونانی ایک شفاف پردہ ہے۔ اورپسِ پردہ آپ کے کلام معجز نظام میں عبرانی نظم کے عروض ہرجگہ موجود ہیں۔ آپ کا مبارک کلام فصاحت وبلاغت ، صنائع وبدائع ، مقفٰی عبارت اور رباعیات وغیرہ سے پُر ہے۔

مندرجہ بالا حقیقتوں سے چند ایک نتائج مستنبط ہوتے ہیں:

اوّل: جیسا ہم اُوپر لکھ چکے ہیں ، حضرت کلمتہ اللہ کا کلام لفظ بلفظ صحت کے ساتھ محفوظ رہا ہے اوراس کا پایہ کاعتبار اوّل درجہ کی سند کا ہے۔ اس کتاب کے پچھلے چار حصوں میں ہم اناجیلِ اربعہ کی اندرونی شہادت سے بعینہ اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ اب اناجیل کی اصل زبان پر غورکرنے سے اس نتیجہ کی تائید اور تصدیق

ہوجاتی ہے۔ چنانچہ پروفیسر ونسنٹ ٹیلر کہتے ہیں " حقیقت تویہ ہے کہ علمِ تنقید کے اُصول کے ذریعہ ہم یہ معلوم کرسکتے ہیں کہ سیدنا مسیح کے کسی خاص قول کا اصل کیا تھا اوردوسروں تک پہنچنے میں اس قول میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے یا کہ نہیں۔اوّل تو آنخداوند کے متعد اقوال دویا تین انجیلوں میں پائے جاتے ہیں اوریوں ہم کو پتہ لگ سکتا ہے کہ آپ کے اقوال کے اصل الفاظ کیا تھے۔ دوم۔ اگرصرف ایک ہی انجیل میں آپ کے کوئی اقوال درج ہوں تو آپ کی تعلیم کے دیگر حصص سے مقابلہ کرکے ہم ان اقوال کی اصلیت کو معلوم کرسکتے ہیں۔ اس طرزِعمل سے علماء اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آنخداوند کی تعلیم کے الفاظ بجنسہ محفوظ ہیں اوردنیا کے دیگر معلموں کے اقوال سے کہیں زیادہ صحت کے ساتھ محفوظ رہے ہیں "[1]۔ اب آنخداوند کے کلمات کی زبان کا مطالعہ سونے پر سہاگہ کا کام کرتا ہے اورآپ کے کلام کی صحت کو ایسا ثابت کردیتا ہے کہ کسی صحیح العقل شخص کے لئے شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

[1] Vincent Taylor, Formation of Gospel Tradtion (1933) pp.110-113

دوم۔ یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ جن ماخذوں کو اناجیل کے مصنفوں نے استعمال کیا تھا وہ نہایت قدیم تھے۔ وہ اُس زمانہ سے معلق ہیں جب حضرت کلمتہ اللہ نے اپنے کلمات کوفرمایا تھا اورجب ابھی آپ کی زندگی کے واقعات رونما ہورہے تھے۔ ہم جلد اوّل میں ماخذوں کی بحث میں یہ نکتہ دیگر دلائل سے ثابت کرآئے ہیں ۔ اب زبان کی دلیل بھی اس حقیقت کی تائید کرتی ہے کہ یہ ماخذ قدیم تریں زمانہ کے ہیں، لہذا نہایت معتبر ہیں۔

سوم۔ یہ ماخذ ارامی زبان میں تھے۔ ہم باب اوّل میں بتلاچکے ہیں کہ اوّلین ایام میں مسیحی کلیسیا صرف اُن لوگوں پر مشتمل تھی جو پہلے یہودی تھے، اورمنجئی عالمین پر ایمان لا کر نجات ابدی سے بہرہ اندوز ہوگئے تھے ۔ پس اوّلین کلیسیا کے شرکاارامی بولتے تھے اورارامی لکھتے تھے۔ قدرتاً چشم دید گواہوں نے اپنے بیانات کو جواُن کی آنکھوں دیکھے اورکانوں سنے تھے ارامی زبان میں دوسروں تک پہنچایا اورارضِ مقدس کے مختلف مقامات کی کلیسیاؤں کے پاس یہ بیانات ارامی زبان میں ہی محفوظ تھے۔ چنانچہ پروفیسر مین سین کہتا ہے : " علماء کی ایک کثیر تعداد کا اب اس امر پر اتفاق ہے کہ اناجیل متفقہ میں سیدنا مسیح کی تعلیم مندرج ہے اوروہ بیانات جن

کا تعلق آنخداوند کی زندگی کے پہلے واقعات سے ہے وہ سب ارامی زبان میں تھے خواہ یہ حصص تحریری یازبانی بیانات پر مشتمل تھے۔ اس امر پر سب کا اتفاق ہے"[1]۔

اس حقیقت کا ایک زبردست ثبوت یہ ہے کہ حصرت کلمتہ اللہ کے اقوال اورمکالمات کا اوردیگر حصص کا جواب ہمارے پاس یونانی زبان میں ہیں ، اُن کا نہایت آسانی سےدوبارہ ارامی زبان میں ترجمہ ہوسکتا ہے اوریوں آنخداوند کے اصل ارامی الفاظ کا علم ہوجاتا ہے۔ مثلاً مرقس ۸: ۱۷، ۱۸، اورمتی ۱۶: ۹آیات کا جب ارامی میں دوبارہ ترجمہ کیا جاتا ہے تو آنخداوند کے اصل قول کا فوراً پتہ لگ جاتاہے ۔ علیٰ ہذا القیاس جب لوقا۶: ۲۷تا ۲۸ اورمتی ۵: ۴۴ کا ارامی ترجمہ کیا جاتا ہے تو آنخداوند کے اقوال کے اصل الفاظ کا علم ہوجاتا ہے[2]۔ پروفیسر ڈلمن کی کتاب اس امر کو ثابت کردیتی ہے کہ اناجیل اربعہ کے ماخذ ارامی زبان میں لکھے گئے تھے[3]۔ حق تو یہ ہے کہ کوئی وجہ نظرنہیں آتی کہ اناجیل کے ماخذ ارامی کی بجائے یونانی زبان میں لکھے جاتے ۔ یہودی مسیح موعود کی آمد کا تصوریونانی بولنے والے غیر یہود والے مسیحیوں کےلئے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ مثال کے طورپراُن میں سے کوئی شخص بھی مرقس ۸: ۲۹ سے متاثر نہ ہوتا[4]۔ ہم انشاء اللہ اس نکتہ پر آگے چل کر مفصل بحث کریں گے۔

چہارم۔ ہم نے جلد اوّل کے باب چہارم کی فصل اوّل میں اس نظریہ کی تردید کی تھی کہ اناجیل کے ماخذ صرف زبانی بیانات تھے جو سینہ بسینہ نصف صدی تک چلے آئے تھے۔ ہم نے مختلف دلائل سے یہ ثابت کیا تھا کہ اناجیل اربعہ کے ماخذ، اگر سب کے سب تحریری نہیں تھے تو اُن کا اکثر وبیشتر حصہ تحریری تھا جو ارضِ مقدس کے مختلف مقامات کی کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں موجود تھا (لوقا ۱: ۱تا ۴۔ یوحنا ۲۰: ۳۰ وغیرہ)۔ اب زبان کی بحث اورعبرانی صنعتوں کا وجود ثابت کرتا ہے کہ جن ماخذوں سے اناجیلِ اربعہ کے لکھنے والوں نے حضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات، اقوال زرین اورمبارک مکالمات کو اپنی انجیلوں میں جمع کیا تھا وہ سب کے سب ارامی تحریری ماخذ تھے ۔ عقلِ سلیم اس مفروضہ کو نہیں مان سکتی کہ وہ تمام صنعتیں ، وزن ،قافئے ، تجنیس صوتی وغیرہ آپ کے

---

[1] T.W.Manson"The Problem of Aramaic Sources" Exp. Times Oct. 1935 pp.7-11 Black Aramaic Approach , Moulton, Grammer of NT. Greek.II3

[2] T.W. Manson, The Teaching of Jesus p.53

[3] Dalman the Word of Jesus.

[4] C.C.Torrey, The Four Gospels pp. 256-7

(b) T.W.Manson,"The Problem of Aramaic Sources in the Gospels"Exp. Times Oct. 1935

کلام میں پائی جاتی ہے، نصف صدی بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ کے لئے سینہ بسینہ زبانی بیانات میں محفوظ رہ سکتی ہیں۔ یہ صنعتیں ارامی زبان کی ہیں۔ جو اہلِ یہود کی زبان تھی لیکن آنخداوند کی وفات کے صنف صدی بعد کلیسیا کے شرکاء کی اکثریت غیریہود یونانی بولنے والوں کی تھی جن کی زبان کی نظموں میں نہ تو یہ صنعتیں پائی جاتی تھیں اورنہ عبرانی وزن اورعروض پائے جاتے تھے۔ اُن کے لئے یہ اُمور غیر مانوس تھے ۔ وہ کس طرح ایک غیر زبان کی ان خصوصیات کو اس طورپر حفظ کرسکتے تھے کہ یہ خصوصیات من وعن قائم اور برقرار رہتیں؟ اوراُن میں زیروزبر کا بھی فرق نہ ہوتا کیونکہ بعض صنعتیں انہی باریک نکتوں پر ہی منحصر ہیں۔ مثال کے طورپر ہم پچھلے باب میں بتلاچکے ہیں کہ جن مقامات میں آنخداوند ریاکاروں کی مذمت کرتے ہیں وہاں حلق سے اُن الفاظ کے حروف سسکاری سے اس طور پر ادا ہوتے ہیں کہ اُن سے تضحیک اور استہزاپایا جاتاہے ۔ اب کون ہوشمند کہیگا کہ غیریہود مسیحی ، حلق سے اس قسم کے الفاظ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک زبانی رٹتے رہے اوردوسروں کو رٹاتے رہے!

حق تو یہ ہے کہ زبانی بیانات کا مفروضہ اس قدرغلط ہے کہ اب علماء متفقہ طورپر تسلیم کرتے ہیں کہ رسالہ کلمات تحریری شکل میں مقدس لوقا اور مقدس متی کے سامنے موجود تھا[1]۔ حالانکہ پچاس سال پہلے علماء اس حقیقت پراتفاق نہیں کرتے تھے ۔ اب متعدد علماء اس بات کو تسلیم کرنے کو تیارہیں کہ اناجیلِ متفقہ میں جو مقامات آنخداوند کےکلماتِ طیبات پر مشتمل ہیں وہ تحریری ماخذوں سےلئے گئے تھے[2]۔ عبرانی عروض ، صنعتوں اور وزنوں کا وجود یہ ثابت کردیتا ہے کہ "آنخداوند کے اقوال اصل وزنوں کی شکل میں ارامی زبان میں محفوظ تھے"[3]۔

ڈاکٹر بلیک ایک مضمون میں لکھتا ہے[4]۔ " اناجیل کی یونانی میں ارامی زبان کا عنصر موجود ہے جوکوئنی زبان کی وسعت اورسامی زبان کے باوجود پایا جاتاہے۔ ۔۔۔۔یہ عنصر مقدس مرقس کی انجیل میں موجود ہے۔ اس میں عہدِ عتیق کے اقتباسات ثابت کرتے ہیں کہ ان کا تعلق کنعان کے عبادتخانوں سے ہے۔ جس طرح ہم جانتے ہیں کہ اس انجیل نویس کے سامنے رسالہ کلمات بوقت تصنیف

---

[1] Peak Commentary (Supplement).
[2] F.V.Filson, Origin of the Gospels pp. 85-88
[3] Black,"The Problem of Aramaic Element in the Gospels"Exp.Times April 1948
[4]

موجود تھا جو غالباً اس وقت ارامی سے یونانی میں ترجمہ ہوچکا تھا اسی طرح ہم وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے سامنے ارامی کے ماخذ موجود تھے۔ مثلاً صرف اس انجیل میں ہی آنخداوند کی تمثیلوں کا ترجمہ ارامی زبان سے یونانی میں کیا گیا ہے، اگرچہ یہ ترجمہ لفظی نہیں ہے ۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس انجیل کے چوتھے باب کی تمثیلیں اورنویں باب کے کلمات کسی ایسے ارامی ماخذ سے لئے گئے ہیں جس میں اُن کے علاوہ اورباتیں بھی لکھی تھیں۔ مرقس کی انجیل کے جوحصے بیانات پر مشتمل ہیں اُن میں ہر جگہ ارامی زبان موجودہے۔ جس سے ثابت ہےکہ یہ مقامات ارامی ماخذوں سے حاصل کئے گئے ہیں ۔ یہ بات نہایت اغلب ہے کہ آنخداوند کی زندگی کے واقعات بالخصوص صلیبی واقعہ کا بیان اوردیگر چند کلمات کا ابتدائی کلیسیاؤں میں ارامی زبان میں رواج تھا۔ علیٰ ہذا القیاس مرقس ۳۰:۶ تا ۴۴ سامی الفاظ اورمحاورات موجود ہیں"۔

"مقدس لوقا کی انجیل میں بھی جو حصے بیانات پر مشتمل ہیں حتیٰ کہ جن مقامات میں ایسے کلمات ہیں جو آنخداوند کے منہ سے نہیں نکلے ،اُن میں بھی سامی الفاظ اورمحاورات پائے جاتے ہیں۔اس انجیل میں پیدائش اورطفولیت کے بیانات سیدھے عبرانی اورارامی ماخذوں سے لئے گئے ہیں۔دیباچہ کو چھوڑکر باقی انجیل کی یونانی زبان سے ثابت ہے کہ ان حصوں کے ماخذ ارامی زبان کے تھے۔ جن کا لوقا سیپٹواجنٹ کی یونانی زبان کی سی یونانی میں ترجمہ کرتا ہے"۔

" مقدس یوحنا کے سامنے بھی رسالہ کلمات کی طرح کاایک مکالمات کا رسالہ تھا ۔ اس انجیل میں جو مکالمات ہیں وہ یہودی ربیوں کے سے ہیں اوران کا منظوم شکل میں ہونا ثابت کرتا ہے کہ اُن میں حضرت کلمتہ اللہ کے اپنے منہ کے فرمائے ہوئے کلمات محفوظ ہیں"۔

اس باب میں ہم اناجیل کے مختلف ماخذوں پر بحث کرکے ثابت کرینگے کہ یہ ماخذ اناجیل میں درج ہونے سے پہلے ارامی زبان میں موجود تھے۔

فصل اوّل

رسالہ کلمات کی زبان

ہم اس رسالہ" کلماتِ خداوندی" کا مفصل ذکر جلد اوّل میں کرآئے ہیں ۔ لہذا ان تفصیلات کا اعادہ ضروری نہیں سمجھتے۔ اس فصل میں ہم اس رسالہ کی زبان پرہی بحث کرینگے۔ ناظرین پر انشاء اللہ یہ ظاہر ہوجائے گا کہ بحث کا یہ پہلو ان تمام نتائج کی تائید اور تصدیق کرتا ہے جن پرہم جلد اوّل میں پہنچے تھے۔

(۱)

جو بیان بشپ پے پئس نے رسالہ کلمات کے متعلق دیا ہے" وہ بشپ مذکور کے دنوں سے بھی کہیں زیادہ قدیم ہے اوریہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے نقاد ایسے زوداعتقاد بشپ کے بیان کو بغیر چون وچرا تسلیم کرتے ہیں ۔ چنانچہ یہ رسالہ اناجیل کا قدیم ترین ماخذ ہے جو مقدس متی نے حضرت کلمتہ اللہ کی حینِ حیات میں لکھا تھا۔ مقدس پولوس کے خطوط بھی یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ رسالہ آپ کے ہاتھوں میں تھا، اورآپ کی تعلیم کابنیادی پتھر تھا۔ مثال کے طورپر لوقا ۱:۱۰تا ۲۲ - ۶: ۲۷تا ۴۹ اورمتی ۱۰: ۱۶ کا مقابلہ پولوس رسول کے خطوط اورتقریروں (اعمال ۲۰: ۲۹) سے کریں تویہ حقیقت ہم پر عیاں ہوجاتی ہے[1]۔ اورہم پریہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ رسالہ قدیم ترین زمانہ میں کلیسیا کے ہادیوں کے ہاتھوں میں تھا۔

(۲)

بشپ پے پئس کے بیان کے مطابق یہ رسالہ" عبرانی میں لکھا گیا تھا، اگرچہ چند ایک علماء کا خیال ہے کہ اس رسالہ کی زبان عبرانی تھی[2]۔ لیکن نقادوں کی اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بشپ مذکور کا لفظ" عبرانی" سے مطلب ارامی تھا(اعمال۲۱: ۴۰- ۲۲: ۲)۔ جو ارضِ مقدس میں بولی جاتی تھی۔ چنانچہ مرحوم ڈاکٹر مینسن کہتا ہے کہ" مضبوط ترین دلائل سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ یہ رسالہ ارامی زبان میں لکھا گیا تھا"[3]۔

(۳)

(۱۔) مرحوم ڈاکٹر سٹریٹر کے مطابق رسالہ کلمات میں حسبِ ذیل مقامات تھے[4]۔ یہ مقامات ہم نے مقدس لوقا کے

---

[1] W.Argyle," Paralles Between Pauline Epistles & Q,"Exp Times of Aug.1949 & Feb.1951.p.157
[2] Dr.Briggs. Wisdom of Jesus, the Messiah. Exp.Times Vol.8.(pp.393-398, 492-496)Vol.9 pp.69-75
[3] Manson, The Problem of Aramaic Sources"Exp Times Oct.1935.pp7-11
[4] Streeter, The Four Gospels.p.291

حوالوں سے دیئے ہیں اور مقدس متی کی انجیل میں بھی موجود ہیں۔ ناظرین اُن حوالوں کو خود ملاحظہ کرلیں:

(۱۔)۳: ۲تا ۹۔(۲۔)۳: ۱۶تا ۱۹۔(۳۔)۳: ۲۱تا ۲۲(۴۔)۴: ۱تا ۱۶۔(الف۔)(۵۔)۶: ۲۰تا ۴۹۔ (۶۔)۷: ۱تا ۱۰۔(۷۔)۷: ۱۸تا ۳۵۔(۸۔)۹: ۵۷تا ۶۰۔(۹۔)۱۰: ۲تا ۲۶۔ (۱۰۔)۱۰: ۲۱تا ۲۴۔(۱۱۔)۱۱: ۸تا ۵۲۔(۱۲۔)۱تا ۱۲۔(۱۳۔)۱۲: ۲۲تا ۵۹۔(۱۴۔)۱۳: ۱۸تا ۳۵۔(۱۵۔)۱۴: ۲۶تا ۲۷۔(۱۶۔)۱۴: ۳۴تا ۳۵۔(۱۷۔)۱۶: ۱۳۔(۱۸۔)۱۶: ۱۶تا ۱۸۔(۱۹۔)۱۷: ۱تا ۶۔ (۲۰۔) ۱۷: ۲۰تا ۳۷۔(۲۱۔) ۱۹: ۱۱تا ۲۷۔

(۲۔) مذکورہ بالا مقامات کا سطحی مطالعہ بھی یہ ظاہر کردیتا ہے کہ یہ مقامات شاعرانہ تخیل سے معمورہیں۔ ارامی زبان کے ماہرین ہم کو بتلاتے ہیں کہ ان مقامات میں عبرانی نظم کی مختلف اقسام اورصنعتیں پائی جاتی ہیں ۔ مثلاً ان میں سٹروفی ہے۔ "بازگرداں اشعار" ہیں ، " متوازیت " کی مختلف اقسام ہیں۔ترجیع ہے، جوہر بند کے آخر میں آتی ہے[1]۔ ہم نے گذشتہ باب میں اس منظوم رسالہ میں سے مثالیں دے کر ثابت کردیا ہے کہ اس میں متوازیت کی تمام قسمیں اوردیگر قسم کی صنعتیں پائی جاتی ہیں۔ ان کا وجود یہ ثابت کردیتا ہے کہ یہ رسالہ ارامی میں تھا اوریونانی الاصل نہیں تھاکیونکہ یونانی نظم کا ان صنعتوں سے دورکا بھی تعلق نہیں۔ ان کا لطف اردوترجمہ میں بھی موجود ہے مثلاً لوقا ۱۲: ۲تا ۹۔ متی ۱۰: ۲۶تا ۳۳۔

(۳۔) رسالہ کلمات کے بعض مذکورہ بالا مقامات میں ارامی الفاظ کو یونانی حروفِ تہجی کا لباس پہنایا گیا ہے۔ مثلاً آمین۔ بعلز بول ، جہنم، میمن (جس کا ترجمہ اردو انجیل میں " دولت "کیا گیا ہے) فریسی ، شیطان، ساطون (لوقا ۱۳: ۲۱۔ سیو کے می نوس (۱۷: ۶)۔ جس کا اردو ترجمہ " توت کا درخت" کیا گیا ہے جو غلط ہے۔ کیونکہ اس کے پتے توت کے درخت کے اورپھل انجیرکا سا ہوتا ہے۔ مقدس لوقا نے ان ارامی الفاظ کویونانی حروف میں لکھا ہے۔

(۴۔) رسالہ میں مقامات کے نام۔ یہ نام زیادہ تر صوبہ گلیل کے ہیں ۔ لیکن ارضِ مقدس کے دوسرے مقامات کے نام بھی ہیں۔ مثلاً نینوہ، صیدا، سدوم، صور، اسرائیل، یردن، یروشلیم، ایک اورمقام کانام بھی ہے جس کا ذکر صرف اس رسالہ میں پہلے پہل آیا ہے یعنی خوارزین (جوجیروم کے مطابق کفرنحوم سے دومیل تھا اورطالمود کے مطابق گیہوں کے لئے مشہور تھا)۔ بیت صدا، کفر نحوم،

---

[1] B.W.Bacon, The Story of Jesus (1928) p.180

ناصرت، آخری دومقامات کا ذکر بھی پہلے پہل اسی رسالہ میں آیا ہے۔یہ نام بھی یونانی حروف میں لکھے گئے ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس اس رسالہ میں شخصی نام بھی موجود ہیں۔ مثلاً یوحنا،یسوع، ہابل، ابراہام، اضحاق، یعقوب،نوح،سلیما،زکریاہ، یہ نام بھی یونانی حروف تہجی میں لکھے گئے ہیں[1]۔

(۵۔) رسالہ کلمات کی آیات کے بعض ارامی الفاظ کا غلط یونانی ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہم نے اپنے رسالہ" اناجیلِ اربعہ کی زبان اورچند آیات کا نیا ترجمہ" میں اس کی مثالیں دی ہیں۔ ان مثالوں سے بھی یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ رسالہ کلمات کی اصل زبان ارامی تھی۔

(۶۔) رسالہ کلمات میں ہر جگہ خالص ارامی محاورے پائے جاتےہیں۔ مثلاً دعائے ربانی میں آیا ہے" جس طرح ہم اپنے قرضدار وں کو معاف کرتےہیں تو بھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر"(متی۶: ۱۲)۔ اس مقام میں " قرض "گناہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جو خالص ارامی محاورہ ہے۔ یہ محاورہ عبرانی زبان کا بھی محاورہ نہیں ہے[2]اورنہ یونانی زبان کا محاورہ ہے اورثابت کرتا ہے کہ اناجیل کا یہ ماخذ پہلے پہل ارامی زبان میں لکھا گیا تھا۔

---

[1] Rev.F.Bussby,Q An Aramaic Dcoument, Exp Times June 1954

[2] M.Black, the Problem of Aramaic Element in the Gospels. Exp.Times April.1948

مذکورہ بالا دلائل اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ رسالہ کلمات کی اصل زبان ارامی تھی۔ بعض اصحاب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہماری یونانی اناجیل میں رسالہ کلمات کے بعض مقامات میں جو عہدِ عتیق کے اقتباسات پائے جاتے ہیں وہ یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ سےلئے گئے ہیں لہذا یہ رسالہ ارامی میں نہیں لکھا گیا تھا،بلکہ پہلے پہل یونانی میں ہی لکھا گیا تھا۔

لیکن مذکورہ بالا دلائل یہ ثابت نہیں کرتی کہ یہ رسالہ ارامی میں نہیں لکھا گیا تھا۔کیونکہ اگریہ اقتباسات ارامی زبان سے یونانی میں کسی ایسے مترجم نے کئے ہوں جو سیپٹو اجنٹ سے بخوبی واقف ہو تو ظاہر ہے کہ وہ یونانی زبان میں ترجمہ کرتے وقت ان اقتباسات کو سیپٹواجنٹ ترجمہ سے نقل کرے گا۔ پس ہم یہ دلیل نہیں دے سکتے کہ اگرکسی مقام میں یونانی اناجیل میں ترجمہ سیپٹواجنٹ کے متن کے مطابق ہوا ہے تو وہ ارامی اصل سے ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ ہم اس کوایک مثال سے واضح کرتے ہیں[3]۔ بشپ ربولہ نے سکندریہ کے بشپ سرل کی ایک یونانی تصنیف کا سریانی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

---

[3] Exp.Times Jan.1954 p.125

اب یہ کتاب دونوں زبانوں یعنی اصل یونانی اورسریانی میں موجود ہے اوردونوں کا مقابلہ ظاہر کردیتا ہے کہ بشپ ربولہ نے بشپ سرل کے یونانی انجیلی اقتباسات کو اُس سریانی انجیلی ترجمہ سے اخذ کیا ہے جو اُس کے دنوں میں مروج تھا۔

دُور کیوں جائیں۔ جب کوئی انگریزی خواں مسیحی کسی انگریزی کتاب کا (جس میں انجیلی آیات لکھی ہوں) اُردو میں ترجمہ کرتا ہے تو وہ انجیل کا وہ اردو ترجمہ نقل کرتا ہے جو اُس کے روزانہ استعمال میں آتا ہے ۔ چنانچہ رام الحروف نے اس کتاب میں ہر جگہ وہ اردو ترجمہ استعمال کیا ہے جو ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا تھا۔ صرف جلداوّل کے ایک مقام میں انجیل لوقا کے دیباچہ (۱: ۱تا ۴) کا ترجمہ اس ایڈیشن سے مختلف ہے۔ان آیات کا بھی دیگر تمام مقام میں وہی ترجمہ نقل کیا گیا ہے جو ۱۹۴۹ء کی ایڈیشن میں ہے۔

پس اس اعتراض کی درحقیقت کوئی بنیاد نہیں ہے۔ مضبوط دلائل نے یہ ثابت کردیا ہے کہ رسالہ کلمات کا ماخذ جس کو انجیل اوّل وسوم کے مصنفوں نے لفظ بلفظ نقل کیا ہے پہلے پہل ارامی زبان میں لکھا گیا تھا۔

فصل دوم

اناجیلِ اربعہ کے دیگر ماخذوں کی زبان

(۱)

"رسالہ کلماتِ خداوندی" کے بعداناجیلِ اربعہ کا قدیم ترین ماخذ" رسالہ اثباتِ مسیح موعود" ہے جس کے مضامین اورتالیف کا ذکر ہم جلد اوّل میں حصہ اوّل کے باب سوم اورباب پنجم کی فصل دوم میں مفصل طورپر کرآئے ہیں۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ یہ رسالہ دورِ اوّلین کے مسیحی اُستادوں اورمعلموں کے فاضل گروہ نے لکھا تھا تاکہ حضرت ابن اللہ کی مسیحائی کو صحفِ عہدعتیق سے ثابت کرے۔ یہاں ہم اس رسالہ کی اصل زبان پر ہی بحث کرینگے۔

چونکہ یہ رسالہ عبرانی صحفِ مقدسہ کی آیات پر مشتمل تھا لہذا قدرتاً اس کی زبانِ صحفِ مقدسہ کی عبرانی تھی۔ اس میں عہدِ عتیق کی وہ پیشینگوئیاں جمع کی گئی تھیں جن کا تعلق مسیح موعود کی آمد اورمشن کے ساتھ تھا۔ جب ہم ان کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ اُن کا عبرانی متن موجودہ مسوراہی متن سے مختلف تھا۔ چنانچہ ہماری موجودہ یونانی انجیل متی میں ان

عبرانی آیات کا ترجمہ اکثر سیپٹواجنٹ کے ترجمہ سے نقل نہیں کیا گیا۔ بلکہ مترجم نے سیدھا عبرانی متن کا خود یونانی زبان میں ترجمہ کیا ہے[1]۔ پس یہ یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ کے ترجمہ کے مطابق نہیں ہے۔ مثلاً متی ۲: ۱۵ کی بناء وہ عبرانی متن ہے جس کا اقتباس ہوسیع ۱۱: ۱ سے کیا گیا ہے اوراس آیت کا یونانی متن سیپٹواجنٹ کے یونانی متن سے مختلف ہے بلکہ اس کا اصل متن " تارگم" سے بھی اختلاف رکھتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس متی ۲۷: ۹۔ میں " یرمیاہ نبی" کا نام ہے لیکن اس کی بناء زکریا ۱۱: ۱۳ ہے۔ اس کی بناء دوعبرانی الفاظ ہیں جن کا ترجمہ" کمہار" اور" خزانہ" ہے۔ سیپٹواجنٹ کی قرات اس سے مختلف ہے اورتارگم میں "کمہار" خزانہ کا افسردہ بنادیا گیا ہے جس سے ہم کویہ اقتباس عبرانی متن سے لیا گیا ہے اوریہ عبرانی متن رسالہ" اثباتِ مسیح موعود" سے اخذ کیا گیا تھا جس میں انبیائے سلف کے نام ان کی پیشینگوئیوں کے ساتھ درج نہ تھے ورنہ انبیا کے نام لکھنے میں غلطی واقع نہ ہوتی۔

اس ماخذکی قدامت اُس کی عبرانی زبان سے ظاہر ہے کیونکہ پہلی صدی کے اواخر میں مسیحی کلیسیا کے لئے عبرانی صحفِ مقدسہ سربمہر کتابیں ہوچکی تھیں۔ عبرانی زبان ۷۰ء کے بعد یہودی جماعت اورمسیحی کلیسیا کے قطعی الگ ہوجانے کی وجہ سے کلیسیا کے لئے ایک مردہ زبان ہوچکی تھی۔ کلیسیا عہدِ عتیق کی کُتب سے صرف سیپٹواجنٹ ترجمہ کے وسیلے سے ہی واقف تھی[2]۔

اس حقیقت کا تعلق اناجیلِ اربعہ کی تاریخ تصنیف کے ساتھ بھی ہے۔اگراناجیلِ اربعہ کے مولفوں نے عبرانی آیات کا استعمال کیا ہے توظاہر ہے کہ یہ ۷۰ء سے بہت پہلے احاطہ تحریر میں آچکی تھیں۔ پس اس پہلو سے بھی ہمارے اُن نتائج کی تصدیق ہوتی ہے جن پر ہم پہلی جلد میں حصہ سوم میں پہنچ تھے۔

اس حقیقت سے یہ امر بھی مسلم ہوجاتاہے کہ اگر حضرت کلمتہ اللہ کے زرین اقوال کا یونانی ترجمہ " سیپٹواجنٹ کے یونانی ترجمہ کے مطابق نہیں ہے اوروہ عبرانی سے سیدھا لیا گیا ہے تووہ اقوال خودآنخداوند کی زبان مبارک سے نکلے ہیں اوران کی اصلیت میں کسی قسم کے شک کی گنجائش ہی نہیں رہتی ۔ مثال کے طورپر مقدس متی آنخداوند کی زبانی " میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں"(متی ۱۲: ۷۔ ۹: ۱۳) ہوسیع نبی (۶: ۶) سے اقتباس کرتا ہے۔ یہ

---

[1] F.C.Burkitt. Gospel History & Its Transmission (1907) pp.124-126

[2] Burkitt, The Earliest Sources of the Life of Jesus (1910)

قول عبرانی متن کے مطابق ہے لیکن سیپٹواجنٹ کے ترجمہ سے مختلف ہے جس میں لکھا ہے" میں رحم کو قربانی پر ترجیح دیتا ہوں"۔ یہ الفاظ صاف طورپر ثابت کردیتے ہیں کہ یہ قول آنخداوند کی مبارک زبان کا فرمودہ ہے اوراس کی اصلیت میں کسی قسم کا شک نہیں[1]۔

(۲)

تمام نقاد اورعلماء اس ایک امر پر متفق ہیں کہ انجیل مرقس قدیم ترین انجیل ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اس انجیل کے ماخذ ابتدائی کلیسیا کے دورِاوّلین کے ماخذ ہیں اوریہ ماخذ ارامی زبان میں تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر بلیک لکھتا ہے[2]" انجیل مرقس ہی ایک انجیل ہے جس میں اس بات کی شہادت پائی جاتی ہے کہ اس میں نہ صرف سیدنا مسیح کے اقوال کے ماخذ ارامی زبان کے ہیں بلکہ اس کے وہ حصص بھی ارامی ماخذوں سے لئے گئے ہیں، جوبیانات پر مشتمل ہیں"۔یہی مصنف ایک اورمضمون میں لکھتا ہے " مرقس کی انجیل کے بیانات ارامی زبان سے معمورہیں ایسا کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان بیانات نے ارامی الفاظ اورمحاورات کا ٹھیکہ لے رکھا ہے"[3]۔ اس انجیل میں عبرانی محاورے بہت کم ملتے ہیں۔

ہم گذشتہ باب میں بتلاچکے ہیں کہ ارامی زبان میں ایک صنعت ہے جس میں حرفِ عطف نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر بلیک کہتا ہے" مرقس کی انجیل کی خصوصیات اُس کی لا عطفی ہے۔ اس میں عموماً حرفِ عطف نہیں ملتا۔ اس میں اکثر" مقامات" ایسے پائے جاتے ہیں جہاں فقرے کے فقرے بغیرکسی حرفِ ربط کے" تصریفی طورپر ملے ہوئے ہیں ۔ انجیل مرقس ہی ایک واحد انجیل ہے جس کے بیانات کے حصوں میں متوقعانہ طورپر ضمائر استعمال کیا گیا ہے۔ ہم مختلف شہادتوں کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ انجیل مرقس کے جن حصوں کا تعلق بیانات کے ساتھ ہے اُن کے ماخذ بھی ارامی ہیں"۔ اس کی تصدیق اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ اس انجیل میں ارامی الفاظ بھی موجود ہیں جن میں سے بعض کا یونانی میں ترجمہ کیا گیا ہے (مرقس ۷: ۱۱)۔

ہم جلد اوّل کے حصہ اوّل کے باب سوم میں بتلاچکے ہیں کہ فارم کرٹک نقادوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ قدیم ترین زمانہ میں ہی

---

[1] Black, Aramaic Approach ch.IX pp.206-7
[2] Black, the Problem of Aramaic Element in the Gospels. Exp. Times April 1948 & J.M.Creed, Gospel according to St.Luke (pp.LXXVI.LXXXI)
[3] G.A.Barton, Prof , Torrey's Theaory of Aramaic Origin of the Gospels".J.Th.S. Oct.1935

کلیسیا کو اس بات کی ضرورت درپیش آئی تھی کہ منجئی جہان کے صلیبی واقعہ کے بیانات کو جمع کرے۔ یہ بیانات ارامی زبان میں تھے جو اُن لوگوں کی مادری زبان تھی جنہوں نے بیانات کو اکٹھا کیا تھا اورجن کے لئے یہ بیانات اکٹھے کئے گئے تھے۔ ان بیانات کو جمع کرنے والے سیدنا مسیح کی صحبت سے فیضیاب ہوچکے تھے اوران کو بہترین طورپر جمع کرنے کے اہل بھی تھے۔ یہ ارامی بیانات مقدس مرقس کی انجیل کے ماخذ تھے[1]۔

ہم جلد اوّل کے حصہ دوم کے باب اوّل کی فصل اوّل میں انجیل مرقس کے ماخذوں کی بحث میں ثابت کر آئے ہیں کہ اس کا ایک ماخذ۱۳باب میں ہے۔ یہ ماخذ تحریری تھا اورارامی زبان میں تھا[2]۔

پروفیسر مین سن کا خیال ہے کہ مرقس ۴: ۲تا ۳۴ کا مقام ایک بڑے مجموعہ کا حصہ ہے جو تمثیلوں پر مشتمل تھا۔ اورکہ مقدس مرقس نے اس مجموعہ میں سے اپنی تمثیلوں کو لیا تھا۔ یہ مجموعہ بھی ارامی زبان میں تھا۔ پروفیسر مذکور کہتا ہے کہ مرقس ۶باب میں

[1] T.W.Manson,"The Problem of Aramaic Sources in the Gospels' Exp. Times Oct. 1935 See also Black Problem of Aramaic Element". Exp Times April 1948.
[2] Black, Exp. Times April 1948

یوحنا بپتسمہ دینے والے کی شہادت کا ذکر" بلاشک وشبہ ارامی زبان میں تھا"[3]۔ ڈاکٹر بلیک کہتا ہے" جس طرح ہم وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسالہ کلمات کی اصل زبان ارامی تھی اُسی وثوق کے ساتھ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مقدس مرقس کے سامنے ایک ایسا ارامی ماخذ تھا جس میں آنخداوند کے کلمات درج تھے۔ رسالہ کلمات کے علاوہ مرقس کی انجیل میں سب سے زیادہ ارامی ماخذ استعمال کئے گئے ہیں[4]" ہر عاقل شخص جس نے ہماری جلد اوّل کے حصہ دوم کی فصل اوّل کا غور سے مطالعہ کیا ہے، ڈاکٹر موصوف کے نتیجہ کی تصدیق کریگا۔ ارامی زبان کی خصوصیات انجیلِ مرقس میں اسی قدرموجود ہیں کہ جیسا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے متعدد علماء کا یہ نظریہ ہے کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی زبان میں ہی لکھی گئی تھی۔

(۳)

انجیلِ متی کے ماخذوں پر اس انجیل کی خصوصیات پر ہم جلد اوّل کے حصہ دوم باب دوم کی فصل اوّل اوردوم میں اوراس انجیل کے پس منظر پر ہم حصہ سوم کے باب چہارم کی فصل اوّل

[3] Manson, Problem of Aramaic Sources, Exp. Times Oct.1935
[4] W.O.E.Oesterely, Study of the Synoptic Gospels Expositor, Vol.12July 1905

میں مفصل بحث کرآئے ہیں۔ ان فصلوں کے مطالعہ نے ناظرین پر ظاہر کردیا ہوگا کہ اس انجیل کے ماخذوں کی فضا صرف یہودیت سے ہی تعلق رکھتی ہے۔ یہ انجیل اہلِ یہود کے لئے لکھی گئی تھی جن کی مادری زبان ارامی تھی۔یہ ماخذکلیسیا کی زندگی کے دورِاوّلین سے متعلق تھے جب غیر یہودابھی کسی بڑی تعداد میں سیدنا مسیح کے حلقہ بگوش نہیں ہوئے تھے۔ ان ماخذوں کی خصوصیات مثلاً انجیل کی اعداد کے بناء پر تقسیم ،یہودی محاورات کی کثرت ، ارامی الفاظ ربیوں کے سے دلائل ، انجیل کا عام پلان، وغیرہ سب اس بات کا ثبوت ہیں کہ انجیل کے مصنف نے قدیم ترین ماخذوں کا استعمال کیا تھا جو ارامی زبان میں تھے۔

ہم نے اس باب میں انجیل متی کے تین بڑے ماخذوں پر یعنی رسالہ کلمات ، رسالہ اثبات اورانجیل مرقس کے ماخذوں کا مطالعہ کرکے یہ ثابت کردیا ہے کہ یہ ماخذ ارامی زبان میں پہلے پہل لکھے گئے تھے۔ اگر قارئین جلد اوّل میں حصہ دوم باب دوم کی فصل اول کا غور سے مطالعہ کریں تو یہ حقیقت ظاہر ہوجائے گی کہ اس انجیل کے ماخذ ارامی زبان کے ہیں۔ پروفیسر مین سن کہتا ہے کہ " متی کی انجیل میں جو مقامات صرف اسی انجیل میں پائے جاتے ہیں ، ان میں ربیوں کی متعدد اصطلاحات موجود ہیں ۔ ان مقامات میں سیدنا مسیح کے اقوال بھی ایسے الفاظ اورفقرات سے پُرہیں جو یہودی ربیوں کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں ۔ اُن تمام مقامات کا پسِ منظر ارضِ مقدس کنعان کا ہے[1]۔

ہم ناظرین کی خاطر چند عام فہم مثالیں دیتے ہیں جن سے مقدس متی کے ماخذوں کے ارامی الاصل ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱۔) ۱۹: ۳۰میں ہے" بہت سے اوّل آخر ہوجائیں گے اورآخر اوّل"یہاں جس لفظ کا "آخر" ترجمہ کیا گیا ہے اس کے " مسیحی کنعانی" بولی میں معنی ہیں " ایڑی کو پکڑنا"۔ یوں یہ آیت معنی خیزہوجاتی ہے کہ کیونکہ اس سے عیسو اوریعقوب کا قصہ فوراً ذہن میں آجاتا ہے[2]۔

(۲۔) متی ۲: ۲۳ میں تجنیس صوتی موجود ہے یعنی عبرانی لفظ" نصر" اور" ناصری" (دیکھومیرا رسالہ " اناجیلِ اربعہ کی زبان" صفحہ ۹)۔

(۳۔) ۱: ۲۱ میں (جو حضرت کلمتہ اللہ کی پیدائش کا ماخذ ہے) صنعتِ تجنیس اورایہام کا استعمال صاف پتہ دیتا ہے کہ

[1] Oesterely Ibid.
[2] H.F.D.Sparks,"The Semetisms of St. Luke's Gospel in J.Th.S.July-Oct 1943

یہاں ایک ارامی ماخذ موجود ہے۔ یہاں عبرانی الفاظ" یسوع" اور" نجات" میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

(۴۔)علیٰ ہذا القیاس اس انجیل میں آنخداوند کا نسب نامہ(۱: ۱تا ۱۷)۔ چودہ چودہ پشتوں کے تین حصوں میں لکھا گیا ہے ۔ اس کی بناء حضرت داؤد کے نام کے تین عبرانی حروف (د۔و۔د) ہیں ان تین حروف کی وجہ سے مسیح موعود کے نسب نامہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ چونکہ ابجد کے حساب سے ان تین حروف کی جمع ۱۴ ہوتی ہے لہذا ہر حصہ میں ۱۴پشتیں گنائی گئی ہیں تاکہ کہ سیدنا عیسیٰ جو مسیح موعود تھے وہ ابنِ داؤد تھے۔

(۵۔) متی ۵: ۲۱ میں لفظ" راکا" آیا ہے جس کا ترجمہ اردو میں" پاگل" کیا گیا ہے۔ یہ لفظ یونانی نہیں ہے۔ عبرانی میں اس کا مادہ وہ لفظ ہے جس کے معنی " تھوکنا" ہے جس سے اہلِ یہود کو نفرت کا اظہار کرنا مقصود ہوتا تھا اس کو " راکا" کہا جاتا تھا جس طرح ہم اردو میں کہتے ہیں " میں فلاں پر تھوکتا ہوں" ۔ پس اس لفظ سے غصہ کی وہ حالت مُراد تھی جس میں غضب اورنفرت دونوں شامل ہوں۔

(٦۔) لفظ " آگ کا جہنم" عبرانی محاورہ ہے۔ یہاں یہ بات ملاحظہ کرنے کے قابل ہے کہ اس مقام میں (۵: ۲۲) " جہن کی آگ" نہیں کہا گیا بلکہ" آگ کا جہنم" یا " آگ کی جائے حنوم" کہا گیا ہے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ وادیِ حنوم یروشلیم کے جنوب کی طرف واقع تھی جہاں بادشاہ آخز اور منسہ نے اپنے بچوں کی آگ میں قربانیاں گزارنی تھیں۔ بعد میں یہ جگہ مجرموں کو پتھراؤ کرنے کے بعد اُن کی لاشوں کو جلانے اوردیگر مُردوں کو جلانے کے لئے استعمال ہوتی رہی۔ حفظانِ صحت کے خیال سے وہاں آگ ہمیشہ جلتی رہتی تھی۔ رفتہ رفتہ اہل یہود میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ جس طرح" جائے حنوم" میں مجرموں کی لاشیں جلتی ہیں اسی طرح لگے جہان میں بھی ایک ایسی جگہ ہے جہاں روحیں بدن سے جدا ہوکر رہتی ہیں، جس کو عالم ارواح یا" شیول" کا نام دیا گیا ہے۔ اہلِ یہود کے خیال میں وہاں کی آگ غیر یہود اورغیر اقوام کو جلادیتی ہے لیکن یہوداس عالم ارواحم میں سے نکل کر باغِ عدن یا فردوس کو جاتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جوزناکارہیں یا جو اپنے بھائیوں کو گالی دیتے ہیں۔ یہودی روایات میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ یہ گالی کیا تھی لیکن غالباً یہ " مورہ" تھی جس کا ترجمہ" احمق" کیا گیا ہے لیکن یہ لفظ دراصل" خدا کے خلاف بغاوت

"کا مطلب ریکھتا ہے اورکفر کے مترادف ہے۔ یہی وہ الزام تھا جو صدر عدالت نے سیدنا مسیح پر لگایا تھا اورآپ پر موت کا فتویٰ دیا تھا[1]۔

اُمید ہے کہ اب ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ انجیل متی کا تاروپودعبرانی اورارامی الفاظ، خیالات، تصورات اورعقائد پر مشتمل ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر متعدد علماء کا یہ نظریہ ہے کہ اناجیلِ متفقہ میں جو مقامات صرف انجیل متی میں پائے جاتے ہیں وہ ارامی زبان کے تحریری ماخذ تھے[2]۔بلکہ جیسا ہم آگے چل کر بتلائینگے یہ علماء کہتے ہیں کہ انجیل متی پہلے پہل ارامی زبان میں تصنیف کی گئی تھی۔

(۴)

قارئین کو یاد ہوگا کہ ہم نے جلد اوّل کے حصہ اوّل کے باب پنجم اورحصہ دوم کے باب سوم کی فصل اوّل میں یہ ثابت کردیا ہے کہ مقدس لوقا نے رسالہ کلمات کو لفظ بلفظ نقل کیا ہے اورکہ یہ رسالہ اس کے بڑے ماخذوں میں سے ایک ہے۔ ہم نے اس باب کی فصل اوّل میں یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ یہ قدیم ترین ماخذ ارامی زبان میں لکھا گیا تھا ، ہم عبرانی عروض اور فصاحت وبلاغت اورعبرانی شاعری کی مختلف اقسام کی مثالوں سے ثابت کرآئے ہیں کہ وہ اس رسالہ کلمات کی خصوصیات میں سے ہیں۔ پس یہ رسالہ قدیم ترین زمانہ میں آنخداوند کی حینِ حیات میں ارامی زبان میں لکھا گیا تھا۔

(۲۔) ہم جلداوّل میں یہ بھی ثابت کرآئے ہیں کہ مقدس لوقا نے انجیل مرقس کا استعمال کیا تھا۔ تمام نقاداس امر پر متفق ہیں کہ جیسا ہم سطور بالا میں بتلاچکے ہیں انجیل مرقس کے تمام ماخذ ارامی زبان کے تھے۔ حتیٰ کہ بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی میں لکھی گئی تھی۔

(۳۔) مقدس لوقا کی انجیل کے پہلے دوباب کے بیانات بالکل اسی قسم کے ہیں جو عہدِ عتیق کی کُتُب تواریخ (بالخصوص سیموئیل کی پہلی کتاب) کے ہیں[3]۔ ان ابواب کے محاورات عبرانی صحفِ مقدسہ کے ہیں اورانجیل کا یونانی ترجمہ بھی سیپٹواجنٹ کا سا ہے۔ پس ان دو ابواب کا ماخذ عبرانی الاصل ہے جس کا ترجمہ سیپٹواجنٹ کے الفاظ کے مطابق کیا گیا ہے۔

[1] Creed, Gospel According to St.Luke.p.265

[2] T.W.Manson The Problems of Aramaic Sources in the Gospels. Exp Times Oct.1935.p.7.

[3] Ibid.

(۴۔) عشائے ربانی کے تقرر کا بیان (۲۲: ۱۵تا ۲۰) بعض نقادوں کے مطابق ایک عبرانی ماخذ سے لیا گیا ہے جس میں منجئی عالمین کے مصائب کا بیان درج تھا۔ اگر آیات ۱۵ اور۱۶ آنخداوند کے مبارک الفاظ ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ اس موقعہ پر عبرانی میں فرمائے گئے تھے جن کا ترجمہ سیپٹواجنٹ کی زبان میں کیا گیا ہے[1]۔

(۵۔) انجیلِ لوقا میں مسئلہ معاد کا بیان (۲۱: ۵۔۳۶) ہے۔ اگر اس میں سے وہ آیات خارج کردی جائیں جو مصنف نے انجیلِ مرقس سے نقل کی ہیں تو وہ ایک مستقل اورکامل پارہ بن جاتا ہے جو ارامی زبان میں لکھا گیا تھا[2]۔

(۶۔) لوقا ۱۵: ۱تا۱۹: ۱۰ میں ایسے مقامات ہیں جو صرف اسی انجیل میں پائے جاتے ہیں ۔ ان مقامات کو" گنہگاروں کی انجیل" کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی ایک مستقل جُدا ارامی ماخذ تھا[3]۔

(۷۔) لوقا ۱۴: ۱۳تا ۳۵ میں آنخداوند کا قیامت کے بعد شاگردوں کو پہلے نظر آنے کا واقعہ درج ہے۔ ولہاسن نے ثابت کردیا ہے کہاس مقام میں ہر جگہ ارامی رنگ موجود ہے اوراس کا اصل ایک ارامی ماخذ ہے۔ چنانچہ گوگل، روڈم،بارٹن، کورف اورپیری[4] کا یہ نظریہ ہے کہ یہ بیان قدیم یروشلیمی ماخذ سے لیا گیا ہے۔ شمیڈل بھی کہتا ہے کہ یہ بیان نہایت معتبر رپورٹ ہے جو ہمارے پاس موجود ہےجس کی بناء ایک حقیقی تواریخی واقعہ ہے اورمرحوم کرسپ لیک اس کے ساتھ اتفاق کرتا ہے ۔ ڈبیلیس کہتا ہے کہ اس مقام میں اصل بیان اپنی اُس شکل میں موجود ہے جو ایک نہایت قدیم ماخذ تھا۔ تمام قدامت پسند نقاد یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قابلِ قدربیان ہر قسم کے مبالغہ اوررنگ آمیزی سے پاک ہے[5]۔

(۸۔) بعض علماء کہتےہیں کہ مقدس لوقا میں جو مقامات صرف اسی انجیل میں پائے جاتے ہیں وہ ایسے ماخذوں سے لئے گئے ہیں" جو اوّل درجہ کی سند" کے ہیں[6]۔ یہ مسالہ فلپس اوراس کی بیٹیوں کی مدد سے قیصریہ میں جمع کیا گیا تھا(اعمال۲۱: ۸)۔ جب مقدس لوقا وہاں مقیم تھے[7]۔ فلپس اُن یہودی مسیحیوں میں سے تھا جو پراگندہ ہوکر تتر بتر ہوگئے تھے۔ گو اس کی مادری زبان یونانی تھی لیکن

---

[1] Goguel, T.K.Rordam, G.A. Barton.T.Korfl Perry. Schmiedel. Lake Dibelius.
[2] R.D.Sawyer.Exp.Times,Dec 1949.p.91
[3] Streeter, The Four Gospels p.202
[4] Barton,"Prof Torrey's Theory of the Aramaic Origin of the Gospels J.Th.S.Oct 1935
[5] H.E.111.4
[6] Creed.The Gospel According to St.Luke.p.LXX
[7] Eduard Meyer quoted in Exp.Times Dec,1949.

جن لوگوں سے اُس نے بیانات حاصل کئے تھے وہ ارامی بولنے والے تھے۔

یوسی بئیس ایک روایت کا ذکرکرتا ہے[1]۔ جس کے مطابق مقدس لوقا انطاکیہ کے رہنے والے تھے۔ اس شہر میں سُریانی زبان بولی جاتی تھی۔ اگریہ روایت سچ ہے تو مقدس لوقا سُریانی زبان کوبخوبی جانتے تھے ۔ سریانی زبان ارامی سے متعلق ہے پس مقدس لوقا ارامی زبان سے واقف تھے۔ عبرانی اورارامی زبانیں ایک دوسرے بہت ملتی جلتی ہیں۔ گوہم وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مقدس لوقا عبرانی جانتے تھے کیونکہ وہ عہدِ عتیق کی عبرانی اصل کی جانب رجوع نہیں کرتے بلکہ سیپٹواجنٹ کا استعمال کرتے ہیں۔ پروفیسر کریڈ ہم کو بتلاتا ہے کہ انجیل لوقا میں عبرانی زبان کے الفاظ کے کم ازکم سات محاورات پائے جاتے ہیں اور دس قسم کے ارامی زبان کے محاورات موجود ہیں"(دیباچہ تفسیرلوقاصفحہ ۸۱)۔

سٹریٹر مرحوم کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ مقدس لوقا نے اپنے ارامی ماخذ زیادہ تر قیصر سے جمع کئے تھے۔ اس شہر میں سریانی کے علاوہ یونانی زبان بھی بولی جاتی تھی اوروہ کنعان کا دیوانی دارالحکومت بھی تھا[2]۔ جس میں مقدس پطرس رسول کے پہلے غیر یہود مرید رہتے تھے۔ پس اس نظریہ سے ہم کو انجیل لوقا کے ماخذوں کے پسِ منظر کاعلم ہوجاتا ہے اوریہ پسِ منظر لوقا کے خاص ماخذوں سے مطابقت بھی رکھتا تھا۔ قیصریہ کی کلیسیا سے یہ اُمید بھی کی جاسکتی ہے کہ اس میں اہلِ یہود کی قومی تمنائیں موجود ہوں اوراس کے ساتھ ساتھ غیریہود میں انجیل کے پرچار کا جذبہ بھی ہو اوریہ دونوں باتیں جیسا ہم اس انجیل کی خصوصیات کی بحث میں بتلاچکے ہیں انجیل لوقا کا جزواعظم ہیں۔

(۹۔) ہم جلد اوّل میں بتلاآئے ہیں کہ مقدس لوقا کے صلیبی واقعہ کا بیان ایک جدا مستقل ماخذ تھا۔ ہم سطوربالا میں اورجلد اوّل کے حصہ اوّل کے باب سوم میں بتلاآئے ہیں کہ دورِاوّلین کے مسیحی معلموں کے فاضل گروہ نے صلیبی واقعہ کے مختلف بیانات کو جمع کیا تھا۔ پس مقدس لوقا کا یہ مستقل ماخذ ارامی زبان میں لکھا گیا تھا۔

(۱۰۔) اگر ناظرین جلد اوّل کے حصہ دوم کے باب سوم کی فصل اوّل کا غورسے مطالعہ کریں تواُن پریہ ظاہرہوجائیگا کہ مقدس

[1] Livy and Polybius.

[2] The Beginnings of Christianity Part1 the Acts of the Apostels Vol2 Prolegomena 2 Criticism.

لوقا کے تمام ماخذ قدیم ترین زمانہ سے ہی تعلق رکھتے ہیں ۔ اس فصل میں ان ماخذوں کے مضامین پر بحث کی گئی تھی لیکن یہ مضامین اُن کی زبان پربھی روشنی ڈالتے ہیں اورہم پر ظاہر کردیتے ہیں کہ ان ماخذوں کی زبان ارامی تھی۔ ان ماخذوں کاارامی زبان میں ہونا نہ صرف ان کی قدامت پر دلالت کرتاہے بلکہ اس انجیل کے پایہ اعتبار کا بھی شاہد ہے۔ چنانچہ مشرقی ممالك کی تاریخ کا ماہر ایڈورڈ مائر جیسا زبردست مستند مصنف کہتا ہے[1] کہ لوقا نہایت مستند مورخ ہے جس کا پایہ اعتبار ویسا ہی ہے جیسا لوی اورپولی بئس کا ہے[2]۔

مقدس لوقا کی انجیل یہ ثابت کردیتی ہے کہ اس کا مصنف نہ صرف ایک محتاط مورخ تھا بلکہ ایك زبردست مولف اورادیب بھی تھا۔ جس خوبی اورطریقہ سےاُس نے اپنے مختلف ماخذوں کی تالیف کرکے ان کو اپنالیا ہے وہ اس حقیقت کا گواہ ہے۔ مثلاً مرقس ۱۶: ۷ سے ظاہر ہے کہ اس بیان کے بعد وہ بیان تھے جن میں قیامت کے بعد آنخداوند کا رسولوں سےگلیل میں ملاقات کرنے کا ذکر تھا۔ مقدس لوقا نے سیدنا مسیح کے رسولوں کو یروشلیم کے نزدیك دکھلائی دینے کے بیان کو انجیل مرقس کے بیان کے ساتھ اس خوبی سے پیوستہ کردیا ہے کہ اگر ہمارے پاس انجیل مرقس نہ ہوتی تو ہمارے خواب وخیال میں بھی نہ آتا کہ انجیلِ لوقا کا بیان دوبیانوں پر مشتمل ہے[3]۔

(۵)

مقدس یوحنا نےبغیرکسی شک وشبہ کے ارامی ماخذوں کا استعمال کیا ہے۔ ان ماخذوں کی ارامی زبان ایسی نمایاں ہے کہ وہ انجیل کی یونانی زبان کے شفاف پردے کے پیچھے صاف نظر آتی ہے۔ یہ حقیقت ایسی واضح ہے کہ متعدد علماء اورنقاد یہ کہتے ہیں کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اس پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

پروفیسر ڈرائیورکا خیال ہے کہ اس انجیل میں حضرت کلمتہ اللہ کے جو اقوال اورمکالمات درج ہیں وہ ارامی زبان میں مسیحی حلقوں اورکلیسیاؤں میں مروج تھے[4]۔ ڈاکٹر بلیك کا خیال ہے کہ اس انجیل کے مکالمات آنخداوند کے ارامی کلمات کے الہامی" تارگم" ہیں

[1] G.R.Driver, "The Original Language of the Fourth Gospel.Jewish Gurdian 1923
[2] Black, Aramaic Approach.p.208

[3] Black,"The Problem of the Aramaic Element in the Gospels" Exp Times, April 1948
[4] F.V.Filson Origin of the Gospels p.205

جو ابتدائی ایام میں یونانی میں ترجمہ کئے گئے تھے جس طرح رسالہ کلمات یونانی میں ترجمہ کیا گیا تھا ۔ یہی مصنف اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ ۲: ۳۱تا ۳۳ میں یوحنا بپتسمہ دینے والے کے اقوال سے ظاہر ہے کہ اس مقام کا ماخذ ارامی تھا جو غالباً تحریری شکل میں موجود تھا[1]۔ اسی صفحہ پر ڈاکٹر بلیک کہتا ہے کہ ایک پارہ دستیاب ہوا ہے جس میں یوحنا ۵: ۳۹ کی ایک قرات لکھی ہے۔ یہ قرات خواہ صحیح ہو یا غلط کم ازکم یہ ثابت کردیتی ہے کہ آنخداوند کے اس قول کا ماخذ ارامی زبان میں موجود تھا۔ ایک اورمقام میں یہ مصنف کہتا ہے کہ مقدس یوحنا کے سامنے انجیل لکھتے وقت رسالہ کلمات کا سا ایک اورارامی رسالہ تھا جس میں وہ طویل مکالمات درج تھے جو اس انجیل مندرج ہیں۔پھر وہ کہتا ہے کہ اس انجیل میں یہودی ربیوں کے سے مکالمات ہیں جو منظوم ہیں۔ ان کی نظم یہ ثابت کردیتی ہے کہ ان میں حضرت کلمتہ اللہ کے اپنے منہ کے کلمات محفوظ ہیں۔

فلسن جیسا محتاط مصنف کہتا ہے" ایک لازمی طورپر تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ کوئی نظریہ قبول کرنے کے لائق نہیں جو یہ زمانے کے انجیل چہارم کے تحریری یا زبانی ماخذ ارضِ مقدس کنعان کے ہیں۔ ہم کو یہ عنصر ماننا پڑیگا خواہ ہم اس انجیل کی اصل زبان کو ارامی مانیں یا یونانی مانیں"[2]۔ مورخ اولم اسٹیڈ اس بات پر زوردیتا ہے کہ انجیل چہارم کے وہ حصص جو بیانات پر مشتمل ہیں ۴۰ء سے پہلے ارامی زبان میں لکھے گئے تھے جن کا بعد میں یونانی زبان میں ترجمہ ہوا۔

[1] Albright. The Archaeology of Palestine.

باب چہارم

اناجیلِ اربعہ کی یونانی زبان کی خصوصیات

ہم نے گذشتہ تین ابواب میں یہ ثابت کیا ہے کہ ہماری موجودہ یونانی اناجیل کے ماخذ قدیم ترین زمانہ کے ماخذ تھے جو ارامی زبان میں تھے۔ جب ہم اناجیل اربعہ کی یونانی زبان کا مطالعہ کرتےہیں توہم پر یہ حقیقت نہایت وضاحت کے ساتھ ظاہر ہوجاتی ہے۔ان اناجیل کی زبان خوداس امر کی پکارپکارکر گواہی دیتی ہے کہ ان کے ماخذ ارامی زبان کے تھے جن کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا گیا ہے۔

جب ہم کسی کتاب یا تحریر کا ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے ہیں تو عموماً ہم ذیل کے طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کا استعمال کرتے ہیں:

(۱۔) ہم بعض اوقات اس کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں ۔ لیکن یہ طریقہ عام طورپر استعمال نہیں ہوتا کیونکہ زبانوں کے محاورے انکی صرف ونحو کے قواعد، ان کے جملوں کی ساخت اورترکیبوں میں بہت فرق ہوتا ہے ۔ لفظی ترجمہ اصل الفاظ کی صحت کو توبرقرار رکھتا ہے لیکن نحوی پابندیوں اورمحاوروں وغیرہ کی طرف سے لا پرواہ ہوتا ہے۔ مثال کے طورپر شاہ عبدالقادرکا اردوترجمہ قرآن لفظی ہے لیکن بامحاورہ نہیں ہے۔ اردوجملوں کی ساخت اورفقروں کی ترکیبیں اردو صرف ونحو کے مطابق نہیں ہیں۔ لہذا ترجمہ بے ڈول اوربھدا ہے لیکن اس میں اصل الفاظ کی صحت کا ایسا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی عربی خوان اس لفظی ترجمہ سے قرآن کے اصل عربی الفاظ کا پتہ لگاسکتا ہے اوروہ نہایت آسانی سے دوبارہ عربی زبان میں ترجمہ کرسکتا ہے۔ اوریہ ترجمہ قرآن کے اصل الفاظ کے مطابق ہوگا۔ پس گو لفظی ترجمہ زبان کے لحاظ سے اعلیٰ پایہ کا نہیں ہوتا، تاہم اس قسم کاترجمہ اصل الفاظ کی صحت کوبرقرار رکھتا ہے اور اصل الفاظ کومعلوم کرنے میں بڑے کام کا ہوتا ہے۔

(۲۔) بعض اوقات ترجمہ بامحاورہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً حافظ نذیر احمد دہلوی کا اردو ترجمہ قرآن ۔ مرحوم نے اس ترجمہ میں اردو زبان کی ہر طرح سے رعایت رکھی ہے اورایک ایسا ترجمہ کیا ہے جس کی زبان ٹکسالی ہے۔لیکن کوئی عربی خواں(جو قرآن کا حافظ نہ ہو) اس اردو ترجمہ سے قرآن کے اصلی الفاظ میں دوبارہ دیسی

آسانی اورخوبی سے ترجمہ نہیں کرسکتا، جس خوبی سے وہ شاہ عبدالقادردہلوی کے ترجمہ سے کرسکتا ہے۔

(۳۔) اکثر اوقات ہم اصل تحریر کا ترجمہ نہ تو لفظی کرتے ہیں اورنہ بامحاورہ ترجمہ کرتے ہیں بلکہ کتاب کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کردیتے ہیں جس سے اصل کی تشریح اورتوضیح ہوجاتی ہے لیکن اس طریقہ سے اصل اوراس کے ترجمہ میں بہت فرق پیدا ہوجاتا ہے ایسا کہ بعض اوقات اس قسم کے ترجمہ کو اصل کتاب کا ترجمہ نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً انگریز مترجم فیٹز،جیرلڈ کا رباعیاتِ عمر خیال کا انگریزی ترجمہ۔

(۲)

جب ہم اناجیل اربعہ کی یونانی زبان کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم یہ حقیقت فوراً واضح ہوجاتی ہے کہ یہ زبان خالص ٹکسالی اورادبی یونانی زبان نہیں ہے۔ گواس کے فقرے یونانی صرف ونحو کی غلطیوں سے پاک ہیں لیکن اس کے فقروں کی ترکیبیں اورمحاورے یونانی زبان کے نہیں ہیں۔ اس کے جملے اورترکیبیں یونانی زبان میں بھدی، بدوضع اورغیر موزوں ہیں۔ یہ زبان بھونڈی بےڈول اورگنواری قسم کی ہے ل یکن اس کے لکھنے والے گنوار نہ تھے ۔ چنانچہ مقدس لوقا اپنی انجیل کا دیباچہ (۱: ۱تا ۴) اعلیٰ پایہ کی ٹکسالی یونانی زبان میں لکھتا ہے لیکن پانچویں آیت سے کتاب کے آخر تک کی یونانی، ادب کے لحاظ سے نہایت ناقص ہے۔ یہی حال چاروں کی چاروں انجیلوں کا ہے۔ پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقدس لوقا جیسے ادیب اورقادرالکلام شخص کی تصنیف میں اور دیگر اناجیل کی زبان میں اس قسم کی عجیب یونانی کا وجود کیسے آگیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اناجیل کی یونانی زبان کے لکھنے والوں نے اپنے ماخذوں کا جو ارامی میں تھے یونانی زبان میں لفظی ترجمہ کیا ہے۔ اوریہ ترجمہ ایسے الفاظ اورفقرات میں کیا گیا ہے کہ ماخذوں کے اصل الفاظ کی صحت کو برقرار اورقائم رکھا گیا ہے اورارامی محاوروں کا لفظی ترجمہ کیا گیا ہے اورترجمہ کا کام اس خوبی سے نبھایا ہے ارامی زبان کے محاورے اورصنعتیں وغیرہ(جیسا ہم باب دوم میں بتلاچکے ہیں) صاف نظر آتی ہیں۔ ہر انجیل کا مترجم ایک قادرالکلام شخص ہے۔ گوفقروں کی ساخت گنواری اوربھونڈی ہے لیکن اناجیل اربعہ میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو گنواروں اورجاہلوں کی بولی کا ہو۔ اناجیل اربعہ میں ہر قسم کی اصطلاحات ، ادبی، منطقیانہ ، فلسفیانہ الفاظ اوردینیات کی اصطلاحات موجودہیں۔ ان

کا مطالعہ ثابت کردیتا ہے کہ مترجمین نے جو الفاظ صفت اور متعلق فعل کے طورپر استعمال کئے ہیں اورجو فعل جذبات اورافعال کو بیان کرنے کے لئے مستعمل ہوئے ہیں وہ نہایت احتیاط اورصحت کے ساتھ استعمال کئے ہیں۔ ایسا کہ ہم معنی اورمترادف الفاظ کے معانی کےباریک فرق میں تمیز موجود ہےجس سے یہ ثابت ہے کہ وہ نہ صرف اصل ارامی کے ماہر تھے بلکہ جس یونانی زبان کے الفاظ وہ لکھ رہے تھے اُن کے معانی سے بھی وہ بخوبی واقف تھے اس یونانی زبان کے محاورات ارامی ہیں۔

یہ مترجم اصل عبارت کوالہامی اورلاثانی مانتے تھے جواُن کے ایمان کی بنیاد اورنجات کے لئے ضروری تھی (یوحنا ۱۸: ۹)پس انہوں نے ازحد کوشش کی ہے کہ جہاں تک ہوسکے وہ اصل الفاظ کا بغیر کسی تبدیلی یا کمی بیشی کے ترجمہ کریں۔ وہ کوئی ایسی یونانی نہیں لکھ رہے تھے جو بولی جاتی تھی ، جس طرح شاہ عبدالقادر کوئی ایسی اردو نہیں لکھ رہے تھے جودہلی میں بولی جاتی تھی۔ مترجمین کا مقصد یہ تھا کہ وہ ایسے الفاظ استعمال کریں جو یونانی پڑھنے والے سمجھ سکیں اوراس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اصل ارامی زبان کے الفاظ اورمحاورات کوبھی جو ہاتھ سے نہ دیا۔ انہوں نے اصل کا لفظی ترجمہ یونانی میں کردیا۔ وہ ارامی اوریونانی دونوں زبانوں کے عالم تھے اورغلط ترجمہ کے خطروں سے بخوبی آگاہ تھے۔ پس انہوں نے ہر لفظ کا یونانی ترجمہ نہایت حزم اوراحتیاط کے ساتھ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے علماء جو ارامی اوریونانی زبانوں کے ماہر ہیں، اناجیل اربعہ کے موجودہ یونانی ترجمہ سے اصل ارامی الفاظ میں دوبارہ ترجمہ کرسکتے ہیں ۔جس[1]طرح شاہ عبدالقادر کے اردو ترجمہ سے دوبارہ عربی میں ترجمہ کرکے اصل قرآنی متن کاعلم ہوسکتا ہے۔

(۳)

اس طریقہ کار کے لئے ان مترمین کے سامنے عبرانی صحفِ سماوی کے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ کی نظیر موجود تھی۔ ان مترجمین کے سامنے وہی دقت پیش تھی جوسیپٹواجنٹ کے مترجمین کے سامنے تھی کہ سامی محاورات کو کس طرح احسن طورپر یونانی الفاظ میں ادا کیا جائے۔ سیپٹواجنٹ ترجمہ کا مفصل ذکر ہم نے اپنی کتاب" صحتِ کتُبِ مقدسہ" میں کیا ہے۔ یہ ترجمہ کتُبِ عہدِ عتیق کا بالعموم لفظی ترجمہ ہے۔جس کے الفاظ

[1] C.C.Torrey. The Four Gospels pp.237-245

گویونانی ہیں لیکن فقروں کی ترکیب یونانی نحو کے مطابق نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر اس ترجمہ کے الفاظ یونانی ہیں لیکن نحوی ترکیب عبرانی ہے۔ سیپٹواجنٹ کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس میں اصل عبارت کی صرف توضیح کی گئی ہو یا اصل عبرانی کا صرف مفہوم یونانی زبان میں ادا کیا گیا ہو اوریہ بات عہدِ عتیق کی تمام کُتُب پر صادق آتی ہے[1]۔ گو مترجمین نے ہر جگہ عبرانی محاوروں کا لحاظ رکھاہے تاہم انہوں نے جا بجا یہ کوشش کی ہے کہ ایسے الفاظ اورمحاورات کا ایسا لفظی ترجمہ نہ ہو جواُن کے زمانہ کے لوگ نہ سمجھ سکیں۔

پس اناجیلِ اربعہ کے ماخذوں کے مترجمین نے سیپٹواجنٹ کی نظیر کواپنے سامنے رکھ کر اپنے ارامی ماخذوں کا اس کے نمونہ کے مطابق اس طورپر لفظی ترجمہ کیا ہے کہ گوالفاظ یونانی ہیں لیکن ان کی نحوی ترکیب ارامی ہے۔ مثال کے طورپر مقدس لوقا کو لیں۔ یہ فاضل ادیب یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ سے واقفیت نامہ رکھتا تھا اوراس کو ایک مقدس کتاب مانتا تھا۔ پس اس نے اپنی انجیل کے ترجمہ کو دیدہ ودانستہ سیپٹواجنٹ کی زبان اورطرز پر ڈھالا۔اس حقیقت کے ثبوت میں ہم ذیل کے پانچ اُمورپیش کرتے ہیں[2]:۔

(۱۔) مقدس لوقا کی انجیل میں عہدِ عتیق کی کُتُب کے اقتباسات سے ثابت ہوتاہے کہ وہ ان کا بالعموم سیپٹواجنٹ کےترجمہ سے اقتباس کرتاہے۔ لیکن جائے غور ہے کہ جب وہ مقدس مرقس یا رسالہ کلمات کے اقتباسات کو لیتاہے تو وہ سیپٹواجنٹ کےترجمہ کو استعمال نہیں کرتا۔ (مثلاً مرقس ۱: ۳۔لوقا ۳: ۴۔مرقس ۱۱: ۱۰۔ لوقا ۷: ۳۷) جب وہ کسی ایسے اقتباس کو کھول کر بیان کرتاہے جواُن سے ماخوذ ہے تو وہ سیپٹواجنٹ کی نقل کرتاہے (مثلاً لوقا ۳: ۵تا ۶۔ جب ان اقتباسات کا انحصارماخذوں پر نہیں ہوتا تو وہ سیپٹواجنٹ کا استعمال کرتاہے(۲۳: ۳۰)۔

(۲۔) انجیلِ لوقا میں عہدِ عتیق کے عبرانی ناموں کی تشکیل وہی ہے جو سیپٹواجنٹ کے یونانی ترجمہ میں ہے۔ ان میں ایک مثال خاص طورپر قابل ذکرہے۔ لوقا ۴: ۲۶ میں " ملک صیدا" کے لئے یونانی لفظ " سائڈن"آیا ہے وہ تمام یونانی علم ادب میں کہیں نہیں

---

[1] Ibid.pp.247-8 also T.R.Glover World of NT.pp.94-98

[2] Sparks"The Semetisms of St.Luke's Gospel.J.Th.S.July-Oct.1943

پایا جاتا، سوائے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ کے مقام پہلاسلاطین ۱۷: ۹ کے جس کی جانب مقدس لوقا میں اشارہ پایا جاتا ہے۔

(۳۔) مقدس لوقا کے بعض خاص الفاظ سیپٹواجنٹ کے ترجمے کے مرہون منت ہیں۔ مثلاً ۱: ۷۸ میں یونانی لفظ کا اردو میں " آفتاب" ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس مقام میں سیدنا مسیح کی جانب اشارہ ہے۔ یہی لفظ سیپٹواجنٹ میں یرمیاہ ۲۳: ۵، اورزکریا ۳: ۸۔ ۶: ۱۲ میں موجود ہے جس میں مسیحِ موعود کی طرف اشارہ ہے، جہاں اس لفظ کا ترجمہ اردو میں " شاخ" کیا گیا ہے۔

(۴۔) علیٰ ہذا القیاس مقدس لوقا کے خصوصی جملے اور فقروں کے حصے بھی سیپٹواجنٹ سے لئے گئے ہیں (لوقا ۲۱: ۸، واستشنا۶: ۱۴۔پہلاسیموئیل۲۵: ۳۲۔ لوقا ۱: ۲۷۔ ۱۰: ۳۷ کا مقابلہ پیدائش ۱۴: ۱۲۔قاضی ۱: ۲۴ ۔ لوقا ۹: ۵۱۔ یرمیاہ ۳: ۱۲۔ حزقی ایل ۶: ۲۔ لوقا ۲۲: ۲۴۔ کا مقابلہ یسعیاہ ۳: ۲۵۔ یرمیاہ ۲۱: ۷ وغیرہ سےکرو)۔

(۵۔)مقدس لوقا نے متعدد مقامات میں مرقس کی انجیل کو نقل کرتے وقت اس کے الفاظ کو سیپٹواجنٹ کے مطابق ڈھالا ہے۔مثلاً مرقس ۴: ۱تا ۹ کا مقابلہ لوقا ۸: ۴، ۸، سے کرو۔ جوترجمہ سیپٹواجنٹ کے زیادہ قریب ہے۔ مرقس ۹: ۳۱ کا مقابلہ ۹: ۴۴ اورخروج ۱۷: ۱۴۔ یرمیاہ ۲۳: ۱۵۔ ملاکی ۲: ۲ سے کرو۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مقدس لوقا جب انجیل مرقس (۱۲: ۱۴) کو نقل کرتا ہے تو وہ عبرانی محاورہ(جس کا اردو ترجمہ" توکسی آدمی کا طرفدارنہیں" کیا گیا ہے) کے الفاظ کو(۲۰: ۲۱) میں سیپٹواجنٹ کے مطابق کردیتا ہے(احبار۱۹: ۱۵)۔

(۴)

ہم نے مقدس لوقا کی انجیل کو نمونہ کے طورپر پیش کیا ہے۔ تمام اناجیلِ اربعہ کی یونانی سیپٹواجنٹ کی یونانی کی سی ہے۔ چنانچہ یہی حال مقدس متی کی انجیل کا ہے۔ اس کی یونانی بھی ویسی ہے جیسی سیپٹواجنٹ کے ترجمہ کی ہے[1]۔ انشاء اللہ آگے چل کرہم اس حقیقت پر زیادہ روشنی ڈالیں گے کہ تمام کی تمام اناجیلِ اربعہ کی یونانی زبان سیپٹواجنٹ کی سی یونانی ہے ، جس کا ترجمہ لفظی ہے۔ یہاں ہم چند عام فہم مثالیں دیتے ہیں تاکہ ناظرین اناجیلِ اربعہ کی یونانی زبان کے لفظی ترجمہ سے واقف ہوجائیں:

(۱۔) مرقس ۴: ۱ کے یونانی متن میں ہے" وہ کشتی میں گیا اور جھیل میں بیٹھا"۔یہ ارامی محاورہ ہے جس کا لفظی ترجمہ کیا گیا ہے[2]

---

[1] W.C.Allen,J.Th.S.April 1946 p. 49
[2] Exp.Times March 1915.

اس کا ترجمہ اردو میں یوں ہے " وہ جھیل میں ایک کشتی میں جا بیٹھا"۔

(۲۔) لوقا ۵: ۱، ۱۷ وغیرہ میں الفاظ " اورایسا ہوا" وارد ہوئے ہیں۔ یہ عہدِ عتیق میں بھی باربارپائے جاتے ہیں اورعبرانی صحفِ سماوی کی طرح اس کے بعد حرفِ جار اورمصدر اورضمیر شخصی موجود ہے۔ علاوہ ازیں تمام فقرے میں کوئی فعل نہیں ۔ پس مقدس لوقا کے ماخذ میں نہ صرف ارامی الفاظ ومحاورات ہیں بلکہ وہ ایسے محاورات اورجملے ہیں جو عہدِ عتیق کی عبرانی زبان کے مطابق ہیں۔ اس مقام کا تمام فقرہ نہایت آسانی سے لفظ بلفظ عبرانی میں ترجمہ کیا جاسکتا ہے ۔ جس طرح یہاں فقرہ کی ساخت عبرانی ہے اسی طرح متعدد دیگر مقامات کی ساخت عبرانی وضع کی ہے[1]۔

مقدس مرقس کو لفظ " فی الفور" بہت مرغوب ہے جس کا وہ جاوبے جا استعمال کرتا ہے (۱: ۱۰، ۱۲، ۲۱، ۲۹ وغیرہ)۔ مقدس متی لفظ" پھر" اکثر استعمال کرتا ہے جوارامی زبان سے مخصوص ہے (۱۳: ۴۵، ۴۷، ۱۵: ۲۱، ۲۹ وغیرہ)۔

(۳۔) انجیل لوقا میں ہر جگہ ارامی وعبرانی محاورات پائے جاتے ہیں مثلاً دونوں خدا کے حضورراست بازاورخداوند کے سب احکام وقوانین پر بے عیب چلنے والے" تھے (۱: ۶)۔ " فریسی گھات میں رہے تاکہ اُس کے منہ کی کسی بات کا شکارکریں" (۱۱: ۵۴)۔ وہ دن اُن پر جو تمام روئے زمین پر بیٹھے ہیں پھندے کی طرح آپڑے" (۲۱: ۳۴)۔ " عالم بالا سے قوت کا لباس نہ ملے" (۲۴: ۴۹)۔ حق تویہ ہے کہ اس انجیل میں مرقس اورمتی کے مقابلہ میں نہ صرف سامی الفاظ ومحاروات زیادہ ہیں بلکہ متعدد ایسے جملے اورترکیبیں ہیں جو صرف اسی انجیل کے ماخذوں میں پائی جاتی ہیں اورجن کا یونانی ترجمہ نہایت بدوضع معلوم دیتا ہے یہ ترکیبیں اس انجیل کے تمام حصوں میں پائی جاتی ہیں[2]۔

(۴۔) لوقا ۱۲: ۱۵ کے یونانی متن میں ہے" کیونکہ اگرآدمی کے پاس کثرت سے بھی ہو پھر بھی اس کی زندگی اس کے مقوضات سے نہیں نکلتی" ہم نے یہاں یونانی آیت کا جو ترجمہ اردو میں کیا ہے وہ یونانی اصل سے زیادہ بامحاورہ ہے! مقدس لوقا جیسے ادیب کے قلم سے اس قسم کی یونانی کی امید نہیں ہوسکتی۔لیکن اس قسم کے یونانی

[1] Sparks. Op.cit.

[2] *(b)*.Toreey.Four Gospels,p.268

ترجمہ نے سیدنا مسیح کے اصل ارامی کلمہ کو صحت کے ساتھ محفوظ رکھا ہے[1]۔

(۵۔) مرقس ۹: ۱ اور لوقا ۹: ۲۷ میں " خدا کی بادشاہی کو قدرت کے ساتھ آتا ہوا"۔ " موت کا مزہ چکھنا" وغیرہ ارامی محاورات ہیں جن کا لفظی ترجمہ یونانی میں کیا گیا ہے۔

(۶۔) متی ۱۰: ۲۸ ولوقا ۱۲: ۴ کی یونانی میں فعل" ڈرو" کے بعد حرفِ جار آیا ہے اور مفعول " جو قتل کرتے ہیں" حالتِ اضافی میں ہے" جوارامی اورعبرانی زبان کی خصوصیت ہے۔ اس قسم کی مثالیں اناجیل میں متعدد مقامات میں پائی جاتی ہیں اورثابت کرتی ہیں کہ مصنفوں نے اپنے ماخذوں کا لفظی ترجمہ کیا ہے ۔ الفاظ یونانی ہیں لیکن ترکیبیں سامی ہیں[2]۔

(۷۔) لوقا کی انجیل میں ہے" اس نے ایک زیادہ نوکر بھیجا" اور" تیسرے کو زیادہ کرکے بھیجا" (۲۰: ۱۱)۔ جس طرح یہ اردو محاورہ نہیں ہے اسی طرح یہ یونانی محاورہ بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ لفظی ترجمہ آنخداوند کے قول کو صحت کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے ۔

[1] Black, the Problem of Aramaic Element in the Gospels.Exp. Times April.1948

[2] (b) Hoskyns & Davey, Riddie of N.T.

اسی قسم کی دیگر مثالیں مرقس ۵: ۱۲، ۱۸ ۔ لوقا ۴: ۳۶ ، ۲۰: ۱۹ وغیرہ ثابت کرتی ہیں کہ انجیل نویسوں نے اصل ارامی زبان کو لفظی ترجمہ کا لباس پہنا کرنہایت صحت کے ساتھ محفوظ رکھا ہے[3]۔

(۸۔) مقدس مرقس نے ۸: ۳۵ اورمقدس لوقا نے ۱۷: ۳۳ میں سیدنا مسیح کے مشہورقول کا لفظی ترجمہ کرکے آپ کے اصل الفاظ کو محفوظ رکھا ہے۔

(۹۔) انجیلِ مرقس میں بونے والے کی تمثیل ارامی زبان کا لفظی ترجمہ ہے۔

(۱۰۔) دُورکیوں جاؤ۔ سیدنا مسیح کے دعا کے الفاظ کو لے لو" باپ جوآسمان پر ہے"، " تیرا نام پاک مانا جائے"، " تیری بادشاہی آئے"، " مرضی آسمانوں پرپوری ہوتی ہے "، روزکی روٹی " وغیرہ سب کے سب ارامی محاورے ہیں جن کا مقدس متی نے لفظی ترجمہ یونانی زبان میں کیا ہے"۔ جس طرح ہم نے اپنے قرض داروں کو معاف کیا ہے توبھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر"۔ اس آیت میں " گناہ" کے لئے قرض" کے لفظ کا استعمال خالص ارامی محاورہ ہے جو نہ تویونانی زبان کا اورنہ عبرانی زبان کا محاورہ ہے[4]۔ ان تمام عبرانی

[3] Black Op. Cit.

[4] Streeter Four Gospels pp.238 ff.

محاوروں کا مقدس متی کی انجیل میں لفظی ترجمہ کیا گیا ہے اوریوں حضرت کلمتہ اللہ کے مبارک الفاظ کو نہایت صحت سے محفوظ رکھا گیا ہے۔

مذکورہ بالا مثالیں بطور مشتے نمونہ ازخروارے ، پیش کی گئی ہیں تاکہ یہ حقیقت ناظرین کے ذہن نشین ہوجائے کہ انجیل نویس کے سامنے تصنیف کرنے کے وقت ارامی زبان کے ماخذ تھے جن کو انہوں نے نہایت ایمانداری کے ساتھ نقل کیا اورمترجمین نے ان ماخذوں کی ارامی زبان کا نہایت احتیاط کےساتھ لفظی ترجمہ کرکے اُن کے الفاظ کو صحت کےساتھ ایسا محفوظ رکھا ہے کہ اب یونانی اورارامی زبانوں کے قادراکلام ماہر اورحضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات اورمکالمات کو موجودہ یونانی زبان سے دوبارہ ارامی زبان میں واپس ترجمہ کرکے آپ کے اصل الفاظ کو معلوم کرسکتے ہیں۔

(۵)

اناجیلِ متفقہ کے ارامی ماخذوں میں قدرتی طوپر رسالہ" کلماتِ خداوندی" بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں مقدس متی نےآنخداوند کی حینِ حیات میں ہی آپ کےکلمات بابرکات کو جمع کردیا تھا۔اوراس کی قدامت اورمستند پایہ کی وجہ سے پہلی تینوں اناجیل کے لکھنے والوں نے اس کو استعمال کیا ہے۔ یہ ارامی ماخذدورِ اوّلین میں یہودی مسیحیوں کی جماعتوں کے لئے جو ارضِ مقدس کے مختلف مقامات میں تھیں، ارامی زبان میں نقل ہوتارہا۔ چند عرصہ کے بعد جب " یونانی مائل یہودی" آنخداوند کے حلقہ بگوش ہوگئے تو یہ ضرورت درپیش آئی کہ اُن کے لئے اُن کی مادری زبان یونانی میں منجئی عالمین کے کلمات کا ترجمہ کیا جائے تاکہ وہ آپ کی تعلیم سے کماحقہ واقف ہوسکیں۔ چنانچہ بشپ پے پئس (تاریخِ پیدائش ۶۰ء) ہم کو بتلاتاہے کہ" ہر شخص نے اپنی لیاقت کے مطابق اُن کلمات کا (یونانی زبان میں) ترجمہ کیا"۔ چونکہ دورِاوّلین کے معلموں اورمبلغوں کو اس قسم کے ترجمہ کی اشدضرورت تھی لہذا یہ ترجمہ کلیسیا کی زندگی کے ابتدائی مراحل اورمنازل میں ہی کیا گیا۔

رسالہ کلمات کے یونانی ترجمہ سے ظاہر ہے کہ اس کا مترجم ازحد کوشش کرتا ہے کہ آنخداوند کے ارامی کلمات کا لفظی یونانی ترجمہ ایسے پیرایہ سے کرے۔ کہ اُن کا مفہوم ہاتھ سے نہ کھودے مثلاً جب وہ سیدنا مسیح کے مبارک کلمہ" مبارک ہو تم جو غریب ہو" کےارامی اصل یونانی میں ادا کرنا چاہتا ہے تو وہ" دل کے غریب" سے

ادا کرتا ہے کیونکہ لفظ" غریب" کا مطلب ہی اُن لوگوں سے تھا جو بدی کی طاقتوں کے نیچے دبے ہوئے خدا کی نجات کے منتظر تھے اور صبر سے موجودہ دور کے ظلم واستبداد کو وفاداری سے برداشت کرتے تھے[1]۔

مقدس لوقا رسالہ کلمات کے قدیم ترین ترجمہ کا استعمال کرتا ہے[2]۔ یہ ترجمہ ایک مدت تک اُن کلیسیاؤں میں مروج رہا جن کے شرکاء کی مادری زبان یونانی تھی۔ پھرایک وقت ایساآیا جب کسی اورمترجم نے یا انجیل کے مترجم نے خوداس رسالہ کی یونانی زبان کااصل ارامی زبان سے مقابلہ کرکے" اپنی لیاقت کے مطابق" ایک نیا ترجمہ کیااورگویا پہلے ترجمہ کی نظر ثانی کی ۔اس دوسرے ترجمہ کو مقدس متی کی انجیل میں استعمال کیا گیا ہے۔ ان دونوں انجیلوں میں آنخداوند کےکلمات کے الفاظ میں (جورسالہ کلمات خداوندی سے ماخوذ ہیں) جو فرق بعض اوقات نظرآتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ یونانی الفاظ دونوں انجیلوں میں دومختلف ترجموں سے نقل کئے ہیں۔ ڈاکٹرمین سن اخبارایکس پوزیٹری ٹائمزبابت اکتوبر۱۹۳۵ء میں ان دومختلف ترجموں کی مثال دانی ایل کی کتاب کے دومختلف یونانی ترجموں کی دیتا ہے یعنی سیپٹواجنٹ کا ترجمہ اور تھیوڈوشئن کا یونانی ترجمہ ۔ ان دونوں ترجموں" میں اتفاق بھی ہے اوراختلاف بھی ہے۔ ایک ترجمہ سیپٹواجنٹ کا ہے اوردوسرا وہی سیپٹواجنٹ کا ترجمہ ہے لیکن تھیوڈوشئن نے اصلی عبرانی کے ساتھ مقابلہ کرکے اس کی تصحیح کی ہے۔

علاوہ ازیں مرحوم ڈاکٹرسٹریٹرکا یہ نظریہ بھی صحیح معلوم ہوتا ہے[3] کہ مقدس متی نے رسالہ کلمات کے اقوال کے ساتھ سیدنا مسیح کےدیگر ایسے اقوال بھی اکٹھے کردئیے ہیں جو رسالہ کلمات کے اقوال کے مشابہ اورمتوازی ہم اصل اقوال تھے۔ یہ دوسرے اقوال اس کے دیگر ماخذوں میں تھے۔ ان دووجوہات کے باعث دونوں انجیلوں کے مشابہ اورہم اصل اقوال میں فرق نظرآتا ہے ۔ مثال کے طورپر اگر ہم مقدس متی کی انجیل کی مبارک بادیوں (۵: ۳تا ۱۲) اورمقدس لوقا کی انجیل کی مبارک بادیوں(۶: ۲۰تا ۲۳) کا مقابلہ کریں تویہ نکتہ ہم پرواضح ہوجاتا ہے۔

بہر حال ان دونوں انجیلوں میں جب ہم ان مقامات کا مطالعہ کرتےہیں جو رسالہ کلمات سے ماخوذ ہیں توہم پریہ حقیقت

[1] Swete,Apocalypse CXXIV n.I
[2] A.T. Robertson Grammer of Greek Testament,1990 P.91

[3] Creed Gospel According to St.Luke P.XXVI and Rev.R.M.pope “The Greek Style of St.Paul.”Exp Times Sept.1938 p.534

واضح ہوجاتی ہے کہ ان کے ارامی الفاظ کا یونانی زبان میں اس طورپر لفظی ترجمہ کیا گیا ہے کہ گو الفاظ یونانی ہیں لیکن فقروں اورجملوں کی نحوی ترکیب ارامی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان یونانی الفاظ کے پیچھے عبرانی اورارامی زبان کے الفاظ ، محاورے، عروض، صنعتیں، ترکیبیں وغیرہ صاف نظرآتی ہیں جن کی مثالیں ہم گذشتہ ابواب میں تفصیل دےآئے ہیں۔

(٦)

ہم سطورِبالا میں مفصل بیان کرچکے ہیں کہ اناجیل اربعہ کی بھدی اور بے ڈول زبان کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے ماخذوں کی ارامی زبان کا یونانی میں لفظی ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس صدی کے شروع میں جب ارامی زبان کا مطالعہ ابھی ابتدائی منازل میں ہی تھا توعلماء نے اناجیل کی عجیب یونانی کے مسئلہ کو حل کرنے کےلئے یہ نظریہ قائم کیا تھاکہ اناجیل" کوئنی" زبان میں لکھی گئی ہیں جو سامی زبان کی ایک شاخ تھی لیکن جُوں جُوں ارامی زبان کا مطالعہ ترقی کرتا گیا۔ یہ نظریہ کمزوراور بے دلیل ثابت ہوتا گیا۔ اب یہ حقیقت عموماً تسلیم کی جاتی ہے کہ (۱) اناجیلِ اربعہ کی یونانی کے جو الفاظ ہیں وہ وہی ہیں جو رومی سلطنت میں عام طورپر مروج تھے (۲) یہ نظریہ کہ " کوئنی" کوئی خاص سامی زبان کی شاخ تھی اب غلط ثابت ہوگیا ہے۔ یہ امر معنی خیز ہے کہ کوئنی زبان کے متعلق ہمیں جو کچھ معلوم ہے وہ ملک مصر سے حاصل ہوا ہے جہاں اہلِ یہود کی بڑی بڑی بستیاں مدت مدید سے آباد تھیں۔ ان یہودیوں کی یونانی کو قدرتی طورپر عبرانی کُتُب مقدسہ کے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ کی زبان نے متاثر کررکھا تھا اوران کی زبان نے مصر کی کوئنی پر لا محالہ اثرڈالا ہوا تھا۔

ڈاکٹر سویٹ بھی کہتا ہے کہ مصر کے چند کاغذات کی زبان سے ہم یہ دلیل نہیں لاسکتے کہ اناجیل کے مصنفوں کی یونانی ، عبرانی اور ارامی زبانوں کا اثر بہت کم تھا۔ ہم مستقل کتابوں کی زبان کا مقابلہ چند کاروباری خطوط اورحساب کتاب کے کاغذات اوراس قسم کے دیگر عارضی اورچند روزہ مقصد کے کاغذات سے نہیں کرسکتے اورپھر اس قسم کا مقابلہ کرکے بھی کسی مستقل، اورپائدار نتیجہ پرنہیں پہنچ سکتے ۔ بہر حال ہم کو یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ان کاغذات کے ایسے الفاظ یونانی بولنے والے یہود کی روزانہ بول چال کی وجہ سے ہوسکتے ہیں[1]۔

---

[1] Expositor, Third Series Vol.3 pp.260-61

ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گو سیپٹواجنٹ کی یونانی ایک لفظی ترجمہ ہے تاہم اس کی زبان کے الفاظ سکندریہ کے یونانی بولنے والے اہلِ یہود کی روزانہ بول چال کے ہیں اوریہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہوگی اگراس ترجمہ کی زبان نے سکندریہ کی کوئنی پر اثر ڈالا ہوکیونکہ جیسا ہم بتلاچکے ہیں اہلِ یہود سکندریہ میں کثرت سے بستے تھے[1]۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اگرچہ مصر کے یہودی سیپٹواجنٹ (جس کی یونانی زبان اناجیل کی سی ہے) کااستعمال کرتے تھے وہاں کے مصنف انجیل کی یونانی کی سی عجیب اورطُرفہ زبان اورنحوی ترکیبیں استعمال نہیں کرتے تھے ۔ مثلاً یہودی فلاسفر فائلو اپنی کُتبِ مقدسہ سے صرف یونانی زبان میں ہی واقف تھا ۔ لیکن اس کی کتابیں ٹکسالی ادبی یونانی میں لکھی ہوئی ہیں۔ دُورکیوں جاؤ، اناجیل اربعہ کے باہر عہدِ جدید کے مجموعہ میں مقدس پولوس رسول کے خطوط روزمرہ کی اچھی قسم کی یونانی میں لکھے ہیں اورمقدس لوقا نے خود اپنی انجیل کادیباچہ اوراعمال کی کتاب کا دوسرا حصہ اعلیٰ ٹکسالی یونانی زبان میں لکھا ہے۔ یہودی مورخ یوسیفس کی تصنیفات

[1] Delitzech, Isaac Salkinson C.D.Ginsburgh.

میں بھی "کوئنی" کی قسم کی کوئی خاص زبان نہیں پائی جاتی ۔ پس ارامی زبان کے مطالعہ کی روشنی میں اب یہ نظریہ رد کیا جاتا ہے کہ اناجیل ایک خاص زبان میں لکھی گئی تھیں جو"کوئنی" کہلاتی تھی[2]۔

اصل حقیقت وہی ہے جس کو ہم اِس باب میں مفصل بتلاچکے ہیں کہ اناجیل کے ماخذوں کے مترجمین نے ارامی زبان کا ایسا لفظی ترجمہ کیا ہے کہ جرمن نقاد ولہاسن کے الفاظ میں" یہ یونانی زبان آسانی سے سامی اصل زبان میں دوبارہ ترجمہ کی جاسکتی ہے"۔ اناجیل کی یونانی زبان بھدی اوربے ڈول ہے کیونکہ اگرچہ ان کے الفاظ یونانی ہیں لیکن ان محاورات اورنحوی ترکیبیں سب ارامی زبان کی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دونوں زبانوں میں اس قدرفرق ہے کہ یوسیفس جیسا شخص جویونانیت کا شیدائی تھا اقرارکرتا ہے کہ باوجود ہزارکوشش وہ یونانی زبان اورتلفظ پر حاوی نہ ہوسکا!

(۷)

موجودہ زمانہ کے مسیحی علماء نے اہلِ یہود میں مسیحیت کی تبلیغ کی خاطر انجیلِ جلیل کا یونانی متن سے عبرانی میں ترجمہ کیا ہے[3]۔ ایک ترجمہ ۱۸۱۷ء میں کیا گیا۔ اس کے بعد ڈی لٹشن نے

[2] G.Dalman, The Words of Jesus pp.71-73

[3] Burkitt, Earliest Sources of the Life of Jesus .

۱۸۷۷ء میں عہدِ جدید کا عبرانی میں ترجمہ کیا تاکہ قومِ اسرائیل کوان کی اپنی صحفِ سماوی کی زبان میں منجئی عالمین کی نجات کی خوشخبری مل جائے اوراہلِ یہود سیدنا مسیح کے جانفزا کلمات کو اصل زبان میں پڑھ کر بطرزِ احسن سمجھ سکیں۔ اس کے بعد آئزک سالکمنن نے ملکِ آسٹریا کے یہود کے لئے عبرانی میں انجیل جلیل کا ترجمہ کیا جس کو ڈاکٹر گنس برگ نے اس کی وفات کے بعد شائع کیا[1]۔ یہ موجودہ ترجمے یونانی متن سے عبرانی میں کئے گئے ہیں اوراناجیل اربعہ کے اصل الفاظ کو معلوم کرنے میں نہایت ممدومعاون ثابت ہوئے ہیں کیونکہ جیسا ہم بتلاچکے ہیں اناجیل کی یونانی زبان لفظی ترجمہ کی وجہ سے ایک شفاف پردہ ہے جس کے پیچھے ارامی زبان کے الفاظ، محاورات وغیرہ نہایت واضح طورپر نظر آتے ہیں۔ انشاء اللہ آگے چل کر ہم اس موضوع پر زیادہ روشنی ڈالیں گے۔

ہم گذشتہ چارحصوں میں اناجیل اربعہ کے ماخذوں کی تاریخ، قدامت اوران کے مضامین پر بحث کرکے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ حضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات، مکالمات بابرکات اورآپ کے مبارک سوانح حیات نہایت صحت کے ساتھ اناجیلِ اربعہ میں محفوظ ہیں ایساکہ دنیا کی کوئی قدیم کتاب اُن کی صحت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ صحت اورپایہ اعتبار کے لحاظ سے اناجیلِ اربعہ ویسی ہی لاجواب ہیں جیسی وہ روحانی اوراخلاقی تعلیم کے لحاظ سے بے نظیر ہیں۔

حصہ پنجم کے پہلے ابواب میں ہم نے اناجیل کے ماخذوں کی زبان پر بحث کی ہے۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ ارامی زبان میں ارضِ مقدس کے رہنے والوں کو تعلیم دیا کرتے تھے اور فضلائے یہود کے ساتھ " علماء کی زبان " میں بحث کیا کرتے تھے۔ آپ کاکلام فصاحت اوربلاغت سے پُر ہے جس میں شاعرانہ تخیل ہر جگہ موجود ہے۔ عبرانی زبان کی نظمیں، رباعیات، قطعات، ترنم، صنعتیں، وزن، قافئے وغیرہ آپ کے کلامِ بلاغت نظام کی خصوصیات ہیں۔ موجودہ یونانی اناجیل میں آپ کے کلام کا اس کمالیت کے ساتھ یونانی میں ترجمہ کیا گیا ہے کہ ان میں یہ سب کی سب خصوصیات من وعن محفوظ ہیں۔اناجیل اربعہ کی یونانی زبان ایک ایسا شفاف پردہ ہے جس میں سے حضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات نہایت صفائی اوروضاحت کے ساتھ نظر آتے ہیں[2]، اورزبانِ

حال سے پکارکر کہتےہیں کہ یونانی زبان کے کلمات درحقیقت وہی کلمات ہیں جو منجئی عالمین نے ارامی زبان میں اپنے مبارک منہ سے فرمائے تھے۔ چنانچہ پروفیسر برکٹ کہتاہے " حقیقت تویہ ہے کہ اگریہ معلوم کرنا ہو کہ یونانی اناجیل میں کوئی خاص کلمہ سیدنا مسیح کے منہ کا ہے تواس کی اصلیت معلوم ہوجاتی ہے کیونکہ وہ یونانی سے اصل ارامی زبان میں ترجمہ ہوسکتاہے[1]۔ پس جب ہم صحتِ اناجیل کے مسئلہ پر زبان کے لحاظ سے غورکرتے ہیں توہم بعینہ اسی نتیجہ پرپہنچتے ہیں جس پر ہم اناجیل اربعہ کے مضامین، قدامت ، اورخصوصیات پر بحث کرکے پہنچ تھے کہ روئے زمین کی کوئی کتاب صحت اورپایہ اعتبارکےلحاظ سے اناجیل کے ٹکرکی نہیں ہے۔

[1]Foakes –Jackson and Kirsopp. Lake, The Beginnings of Christianity part 1 The Act of the Apostels. Vol 2 prolegomena 11 Criticism pp.106ff

باب پنجم

اناجیلِ اربعہ کی اصل زبان

ہم نے جلد اوّل کے حصہ اوّل کے باب چہارم میں یہ ثابت کیا ہے کہ چشم دید گواہوں کے بیانات صرف زبانی بیانات ہی نہ تھے جو نصف صدی سے زائد عرصہ تک سینہ بسینہ ایک پُشت سے دُوسری پشت تک پہنچائے گئے تھے ۔ گذشتہ صفحات سے قارئین پریہ ظاہر ہوتا چلاآیا ہوگا کہ یہ بیانات جو ارامی زبان میں تھے اناجیل اربعہ کے ماخذ تھے اورکہ یہ ماخذ تحریری تھے کیونکہ حافظہ کےلئے یہ ناممکن ہے کہ انجیلی بیان کے واقعات کو مسلسل طورپر ایسا حفظ کرے کہ نہ توواقعات کی ترتیب میں فرق آئے اورنہ بیانات کے لفظوں اور فقروں میں اختلاف واقع ہواورکہ ان بیانات کے الفاظ اورفقرے ایسی صحت کے ساتھ سینہ بسینہ دوتین پشتوں تک حفظ رہے ہوں کہ حضرت کلمتہ اللہ کےکلامِ بلاغت نظام کی تمام خصوصیات اورصنعتیں وغیرہ محفوظ رہیں۔ مثال کے طورپر مقدس مرقس کی انجیل کا بیان ایک روزنامچہ کا سا ہے[2]۔ اور۱۰: ۳۲ کے بعد بغیرکسی

[2] J.T. Marshall, Expositor 1891-1893

شک وشبہ کے ایک چشم دید گواہ کا بیان ہے جو تاریخی لحاظ سے سلسلہ وار مرتب کیا ہوا ہے۔ بلکہ ہم ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ مقدس پطرس کے اقرار ۸: ۲۶ کے بعد یروشلیم کو جان کا واقعہ مصنف کے ہمیشہ زیرنگاہ رہتا ہے۔ اس کے بعد تمام واقعات ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہیں جن کی آخری منزل صلیب ہے۔ انسانی حافظہ کے لئے اس ترتیب کا اور ترتیب کے بیانات کا اوربیانات کے الفاظ کا پشتوں تک سینہ بسینہ صحت کے ساتھ محفوظ رہنا اعجاز سے کم نہیں۔ پس اناجیل کے ماخذ ارامی زبان میں اناجیل کی تصنیف سے مدتوں پہلے احاطہ تحریر میں آچکے تھے اوراناجیل کے مصنفوں کے ہاتھوں میں تھے۔

(۲)

چونکہ حضرت کلمتہ اللہ اپنے یہودی سامعین کو ارامی زبان میں تعلیم دیتے تھے اورانجیل نویسوں کے سامنے ماخذ ارامی زبان میں تھے اوردورِاوّلین میں یہودی مسیحی کلیسیاؤں کے لئے اپنی اناجیل کو تصنیف کررہے تھے پس یہ امر قدرتی ہے کہ وہ اپنی اناجیل کو ارامی زبان میں لکھتے۔

گذشتہ چالیس سالوں میں علماء کی تحقیق نے اس نتیجہ کو نہایت تقویت دی ہے کہ اناجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھیں۔ یہ نظریہ ابتدا میں جے ٹی مارشل نے ایکس پوزیٹر کی ۱۸۹۱ء تا ۱۸۹۳ء کے نمبروں میں پیش کیا تھا۔اُس زمانہ میں مسیحی فضلاء نے ارامی زبان کا ایسا وسیع مطالعہ نہیں کیا تھا۔ علماء کواُن دنوں میں اس حقیقت کا علم بہت کم تھا کہ آنخداوند کی بعثت سے قبل صدیوں پہلے ارامی اہل یہود کی ادبی زبان تھی اورعوام الناس کے لئے کتابیں ارامی زبان میں ہی لکھی جاتی تھیں چنانچہ اہلِ یہود کی بعض کتابوں کی نسبت چالیس سال پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ پہلے پہل عبرانی یا یونانی میں لکھی گئی تھیں لیکن اب یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ پہلے پہل ارامی میں تصنیف کی گئی تھیں۔

ڈاکٹر برکٹ جیسے پایہ کا عالم اناجیل کی نسبت کہتا ہے[1]۔ " یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں تک اناجیل کے نفسِ مضمون اورذہنی فضا کا تعلق ہے وہ یونانیت کے اثر سے بالکل پاک ہیں اوربادی النظر میں وہ ارامی اصل کا ترجمہ معلوم دیتی ہیں۔ ان کے خصوصی موضوع اوربنیادی تصورات جس کے گرد اناجیل کے تصورات

---

[1] (b) Burkitt Earliest Sources .pp.29-30

گھومتے ہیں سب کے سب کا تعلق خداوند کے زمانہ سے ہے۔ مثلاً سیدنا مسیح کی بادشاہت ، مسیح موعود کا تصور، عدالت کا دن، آسمان کا خزانہ، ابراہام کی گود وغیرہ سب کے سب یہودی تصورات سے متعلق ہیں اور رومی یونانی دنیا کے تصورات کا ان تصورات سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ ہم کو اناجیل میں" بقائے روح" کا مسئلہ نظر نہیں آتا لیکن روزِ قیامت کا ذکر ملتا ہے۔ ہم کو" نیکی" کا یونانی فلسفیانہ معیار نہیں ملتا لیکن خدا کی راست بازی کا ذکر ہے۔ ہم کو" ترکیہ نفس" کا نشان نہیں ملتا لیکن گناہوں کی معافی کا تصور ہر جگہ موجود ہے۔ تمام اناجیلِ اربعہ میں کفر، شرک اور الحاد کے خلاف ایک لفظ بھی پایا نہیں جاتا "۔ یہ اُمور ثابت کرتے ہیں کہ اناجیل اربعہ میں یونانیت کا شائبہ بھی نہیں پای جاتا۔ تمام اناجیل میں ہر جگہ صرف یہودی فضا ہی ہے اوراناجیل نے اسی ارامی فضا میں ہی پرورش پائی ہے۔

پروفیسر سی ۔ سی ٹوری کا یہ نظریہ[1] یہ ہے کہ اناجیلِ اربعہ ،سب کی سب پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھیں جن کا بعد میں یونانی زبان میں لفظی ترجمہ کیا گیا۔ ڈاکٹرٹوری کوئی معمولی پایہ کا علم نہیں ہے بلکہ ارامی اوریونانی زبان کے ماہرین میں صفِ اوّل کاعالم ہے۔ وہ ایک نہایت زبردست زبان دان اورماہر علم اللسان ہے[2]۔ جس کے علم کا لوہا تمام علماء مانتے ہیں۔ چنانچہ فوکس جیکسن اورکرسپ لیک کہتے ہیں[3]۔ حق تو یہ ہے کہ ٹوری کی کتاب میں جو دلیل اناجیل کی زبان سے متعلق ہے وہ مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ اورجہاں تک اناجیل کے پہلے پہل ارامی زبان میں لکھے جانے کا تعلق ہے اس کے نظریہ کےمخالفین تاحال کوئی قطعی جواب نہیں دے سکے"۔ ہم اس نظریہ کا مفصل ذکر اپنی کتاب" اناجیلِ اربعہ کی زبان اور چند آیات کا نیا ترجمہ" میں کرچکے ہیں لہذا اس کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ڈاکٹر ولہاسن جیسے علماء(جوارامی اوریونانی زبان دونوں میں ماہر ہیں) کی تصانیف ہر شخص پر اناجیل کے اُن نکات کو ظاہر کردیتی ہے جو اُن لوگوں سے چھپی رہتی ہیں جو دونوں زبانوں سے واقف نہیں ہوتے۔

چونکہ آنحداوند نے اپنے سامعین کو ارامی زبان میں مخاطب کیا تھا پس اگر وہ شخص آپ کے فرمودہ کلمات کااصل مطلب جاننے کا خواہشمند ہے تو یہ لازم ہے کہ وہ یونانی ترجمہ کے الفاظ کے

---

[1] Torrey Four Gospels and Our Translated Gospels.

[2] (b) W.F.Albright, The Archaeology of Palestine, P.198

[3] Op.Cit.p. 129

پردے کے پیچھے جائے اوراُن اصل ارامی الفاظ کو معلوم کرے جو آپ نے فرمائے تھے اورآپ کے خیالات کی طرزِادا کو جانے اورآپ کے زمانہ کے خاص حالات اورکیفیات کا جائزہ لے۔ ان باتوں کا علم صرف یونانی ترجمہ سے نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ آخر ترجمہ ہے اور اصل نہیں ہے۔

یہاں ہم اناجیل سے چند عام فہم مثالیں پیش کرتے ہیں جو ڈاکٹرڈوری کے نظریہ پر روشنی ڈالتی ہیں[1]۔

اناجیلِ اربعہ میں ایسے بعض ایسے الفاظ اور فقروں کے حصے ہیں جو خالص ارامی زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض اناجیلِ متفقہ میں خاص طورپر پائے جاتے ہیں ۔ مثلاً متی ۵: ۲۴ میں اردو ترجمہ کے الفاظ کی ترکیب " جاکر ---آکر--- ارامی زبان کی نحوی ترکیب کی مانند ہے۔ لیکن یونانی زبان کے قواعد کے مطابق یہ ترکیب غلط ہے جس میں لفظ " آنا " اور" جانا" کو یکجا نہیں کیا جاسکتا۔ "آکر-- پاتی ہے"(متی۱۲: ۴۴)" آکر لے لیتا" (لوقا ۱۹: ۲۳)" آکر ---پہنچا" (لوقا۱۵: ۲۵)" جابسا" (متی ۲: ۲۳)" آکر سجدہ کیا"(متی۱۵: ۲۵)" آئی ---گری" (مرقس ۷: ۲۵)۔ یہ ترکیب ارامی محاورہ کے مطابق ہے" بھیڑ کو چھوڑکر گھر میں گیا"(متی۱۳: ۳٦) ارامی (اوراردو) محاورہ کے مطابق ہے۔ لیکن یونانی زبان کے محاورہ کے مطابق" چھوڑنا" زائد" ہوجاتا ہے مثلاً" چھوڑکرچلے گئے" (متی۲۲: ۲۲۔ مرقس ۱۲: ۱۲۔ ۸: ۱۳۔ متی ١٦: ۴۔ ۲۱: ۱۷۔ مرقس ۴: ۳٦) "بیٹھ کر -- جمع کرلیں"(متی ۱۳: ۴۸)۔ بیٹھ کر-- تعلیم دینے لگا"(لوقا۱۴: ۳) " بیٹھ کر--- حساب نہ کرے"(لوقا ۱۴: ۲۸)۔ " بیٹھ کر-- مشورہ نہ کرے"(لوقا ۱۴: ۳۱)" بیٹھ کر لکھ دے"(لوقا١٦: ٦)۔ یہ ترکیب ارامی (اوراردو محاورہ کے مطابق درست ہے لیکن یونانی میں " بیٹھنے"کا ذکر زاوئد میں سے ہوجاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس متی ٦: ۵۔ مرقس ۱۱: ۲۵۔ لوقا ۱۸: ۱۱ وغیرہ میں دعا کرتے وقت "کھڑے ہونے" کا ذکر ارامی محاورہ اوریہودی دستور کے مطابق ہے" اٹھ کر" (مرقس ۱۰: ۱۔ ۱۰: ۵۰۔ لوقا ۱۵: ۲۰۔ ۱: ۳۹۔ ۴: ۳۹ وغیرہ)۔ ارامی (اوراردو) زبان کے محاورے کے مطابق ہے لیکن یونانی زبان کے محاورہ کے مطابق یہ غیرضروری الفاظ ہیں۔

عبرانی زبان کے محاورہ کے مطابق" فلاں نے کہا" کی بجائے" فلاں نے جواب میں کہا" بولا جاتا ہے(متی ۲۱: ۲۹تا ۳۰۔ ۲۵: ۱۲، ۲٦، ۳۷، ۴۰، ۴۴، ۴۵۔لوقا ۱۱: ۷۔ ۱۳: ۲۵۔ ۱۵: ۲۹۔ مرقس ۷: ۲۸ وغیرہ)۔

[1] G.Dalman, The Words of Jesus pp.2-42

بعض اوقات یہ ایسے مقامات میں آیا ہے جہاں کوئی سوال مذکور نہیں اوریہ ارامی زبان کا محاورہ ہے (یوحنا ۵: ۱۷۔ لوقا ۱: ۶۰۔ ۱۳: ۱۴۔ مرقس ۱۰: ۵۱-۱۱: ۱۴۔ متی ۱۱: ۲۵۔ ۱۷: ۴ وغیرہ)۔ چونکہ اردو زبان میں ایسے موقعہ پر" جواب دیا" نہیں کہتے لہذا عموماً اردو میں یہاں" کہا" ترجمہ کیا گیا ہے۔ عہدِ عتیق کی کُتب میں اس عبرانی محاورہ کا جب سیپٹواجنٹ میں ترجمہ کیاگیا تو وہاں لفظی ترجمہ" جواب دیا" کیا گیا ہے جس طرح یونانی اناجیل میں کیا گیا ہے کیونکہ (جیسا ہم بتلاچکے ہیں) سیپٹواجنٹ کا ترجمہ ایک نمونہ تھا جس کی اناجیل کے مترجموں نے تقلید کی ہے۔

ارامی زبان کا محاورہ" بولا اورکہا" یونانی اناجیل میں آیا ہے(متی ۲۳: ۱۔ ۲۸: ۱۸۔ مرقس ۱۲: ۲۶۔ لوقا ۱۴: ۳ وغیرہ) جویونانی (اوراردو) زبان کے محاورہ کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردوترجمہ میں "بولا اور کہا" یا " بول کر کہا" نہیں لکھا گیا بلکہ صرف لفظ" کہا" یااس کاکوئی مترادف لفظ آیا ہے مثلاً یوحنا ۸: ۱۲ میں " مخاطب ہوکر کہا" لکھا گیا ہے تاکہ اردوزبان کا بامحاورہ ترجمہ ہو۔

ارامی زبان کا محاورہ " شروع کیا" کا اناجیل اربعہ کی یونانی میں لفظی ترجمہ کیا گیا ہے حالانکہ یونانی زبان کے محاورہ کے مطابق وہ بے معنی ہے(یوحنا ۱۳: ۵۔یہ محاورہ متی میں ۱۲ دفعہ ، مرقس میں ۲۶ دفعہ اورلوقا میں ۲۶ مرتبہ آیا ہے ۔ اردوترجمہ میں یہ صرف اُس مقام میں ترجمہ کیا گیا ہے جہاں وہ اردو زبان کے محاورہ کے مطابق ہے۔ دیگر مقامات (لوقا ۱۴: ۹۔ متی ۱۸: ۲۴۔ وغیرہ)۔ میں مترادف الفاظ استعمال کئے گئے ہیں یا یہ محاورہ حذف کیا گیا ہے'(لوقا ۱۴: ۹)۔

اناجیلِ اربعہ کے ناظرین نے یہ ملاحظہ کیا ہوگا کہ الفاظ" فوراً ، " فی الفور" وغیرہ بعض اوقات ایسے مقامات میں وارد ہوئے ہیں جہاں وہ موزوں معلوم نہیں ہوتے چنانچہ انجیل مرقس منی ۴۵ دفعہ ، متی ۱۸ مرتبہ ۔ لوقا میں ۸ دفعہ اوریوحنا میں ۷ مقامات میں آئے ہیں۔ یونانی ترجمہ اناجیل میں اس ارامی لفظ کا لفظی ترجمہ کیا گیا ہے لیکن اردوترجمہ میں مختلف الفاظ سے کام لیا گیا ہے۔

ارامی الفاظ" اورایسا ہوا" عبرانی محاورہ بھی ہے اورعبرانی صحفِ سماوی میں اکثرآتا ہے۔ ان کتب کی عبرانی کی طرح بعض اوقات اس کے بعد حرفِ جاراورمصدراورضمیرشخصی بھی موجود ہے۔ یہ محاورہ متی میں ۶بار۔ مرقس میں ۴دفعہ اورلوقا میں ۴۲ دفعہ آیا ہے لیکن انجیل چہارم میں یہ الفاظ پائے نہیں جاتے۔ یہ

محاورہ یونانی زبان کا نہیں ہے اوریہا ں ارامی کا یونانی میں لفظی ترجمہ کیا گیا ہے۔

ارامی الفاظ" جب ہورہا تھا" کا یونانی اناجیل میں لفظی ترجمہ کیا گیا ہے (متی ۱۳: ۴۔ مرقس ۴: ۴) جویونانی نحو کے خلاف ہے۔ اردو زبان میں فقرہ کی یہ ساخت بھدی معلوم دیتی ہے اوریہی وجہ ہے کہ اردو مترجمین نے اس کا ترجمہ" ہوتے وقت" کردیا ہے۔ لیکن ارامی میں فقرہ کی ساخت نحو کی روسے صحیح ہے۔ یہی ساخت لوقا ۸: ۴۰۔ ۹: ۳۶ کی یونانی میں جہاں ارامی کا یونانی میں لفظی ترجمہ کردیا گیا ہے ۔

لوقا ۱۲: ۱۹ میں دولتمند اپنی " جان" کو مخاطب کرتا ہے۔ یہ ارامی محاورہ ہے جو ۲۱: ۱۹ میں بھی آیا ہے اوراس کالفظی ترجمہ یونانی میں کیا گیا ہے۔

لوقا ۱۲: ۴ میں فعل" ڈرو" کے بعد حرفِ جارآیا ہے اورمفعول" جو قتل کرتے ہیں" حالتِ اضافی میں ہے اور یہ ارامی زبان کی خصوصیت ہے جس کو یونانی لفظی ترجمہ میں بحال رکھا گیا ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ مذکورہ بالا چند مثالوں نے اناجیل کے یونانی ترجمہ کی حقیقت اوراہمیت کو ناظرین پر واضح کردیا ہوگا۔

انجیل کے مترجمین نے نہایت صحت کے ساتھ ارامی الفاظ کا لفظی یونانی ترجمہ کرکے اصل متن کو قائم رکھا اوراس بات کی پرواہ نہ کی کہ آیا ان کا یونانی ترجمہ یونانی زبان کے قواعدِ صرف ونحو اورمحاورہ کے مطابق ہے یا کہ نہیں۔ جب ہم اس کا اردوترجمہ کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں تو یونانی ترجمہ کی صحت ہم پراچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کیونکہ اردو کے مترجمین نے یونانی مترجمین کی طرح لفظی ترجمہ نہیں کیا اوراردو زبان کی ترکیبوں اورمحاوروں کو ہمیشہ مدنظر رکھا ہے۔

جو علماء ڈاکٹرٹوری کے نظریہ کی مخالفت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ مثالیں صرف یہ ثابت کرتی ہیں کہ اناجیل کے ماخذ ارامی زبان میں تھے جن کا یونانی میں لفظی ترجمہ کیا گیا ہے لیکن وہ یہ ثابت نہیں کرتیں کہ اناجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھیں۔

ڈاکٹرٹوری کا سب سے مضبوط اورزبردست ثبوت یہ ہے کہ بعض مقامات میں ارامی کاغلط ترجمہ یونانی زبان میں کیا گیا ہے کیونکہ ارامی عبارات میں اعراب نہیں تھے اورالفاظ پر زیر، زبر، یا پیش وغیرہ لکھی نہیں جاتی تھی۔ علاوہ ازیں ارامی عبارات لکھتے وقت مختلف الفاظ میں کوئی جگہ چھوڑی نہیں جاتی تھی اورالفاظ کے

حروف جداگانہ لکھے جاتے تھے جس کی وجہ سے اناجیل کے مترجم نے بعض اوقات ایک لفظ کے پہلے یاآخری حرف کو اس کے ساتھ کے حرف سے ملادیا۔ مثال کے طورپر اگر ہم پچھلی سطر کو یوں لکھیں" ج س ک ی وج ہ س ے ان اج ل ک م ت رج م ن ے ب ع ض ا وق ات ای ک ل ف ظ ک ے پ ہ ل ی اا خ ری ح رف ک و اس ک ے س ات ہ ک ے رف س ے م ل او ی ا" تو قارئین میں سے کتنے اس فقرے کے صحیح طورپر پڑھ کر اس کا کسی غیر زبان میں لفظی ترجمہ کرسکیں گے؟ ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ اناجیل کے مترجموں نے بعض اوقات عبارت کو غلط پڑھ کر اس کا یونانی میں لفظی ترجمہ کردیا۔ بعض اوقات ایک حرف غلطی سے دوسرا حرف پڑھاگیا۔ بعض اوقات اعراب کی غلطی سے ترجمہ غلط ہوگیا۔ ڈاکٹر موصوف بتلاتے ہیں کہ یہ اغلاط چھ قسم کی ہیں۔(۱۔) ترجمہ کرنے میں زبان کی غلطیاں۔ (۲۔) متن کے اعراب کی عدم موجودگی کی وجہ سے اورکتابت کی وجہ سے غلطیاں۔ (۳۔) لفظی ترجمہ کا حد سے زیادہ لحاظ رکھنے کی وجہ سے غلطیاں۔(۴۔)ارامی اسمائے ضمیر کو نہ سمجھنے کی وجہ سے غلطیاں(۵۔) ارامی استفہامیہ فقروں کو شناخت نہ کرنے کی وجہ سے غلطیاں اور(۶۔) ارامی فقروں کا حرفِ عطف کے بغیر شروع ہونے کی وجہ سے مختلف فقروں کو صحیح طورپر الگ الگ نہ کرنے کی وجہ سے غلطیاں سرزدہوئی ہیں۔ ڈاکٹر ٹوری کے علاوہ دیگر علماء نے بھی چند یونانی آیات میں مترجم کی غلطیاں بتلائی ہیں مثلاً پروفیسر مین سن کہتا ہے کہ مرقس ۱۱: ۱۰ اورمتی ۹: ۲۱ اوریوحنا ۱۲: ۱۳ میں جو لفظ " ہوشعنا" استعمال ہوا ہے وہ ایک " زندہ باد" کی قسم کا نعرہ یا جیکارہے لیکن متی کی یونانی سے ظاہر ہے کہ اس کے یونانی مترجم نے اس مقام کی عبرانی یاارامی زبان کو نہیں سمجھا[1] ڈاکٹرٹوری نے اس قسم کی متعدد غلطیاں ثابت کرکے ان کی قرات کو صحیح کرکے ان کا دوبارہ ترجمہ کیا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب" اناجیل اربعہ کی اصل زبان اورچند آیات کا نیا ترجمہ" میں ڈاکٹر صاحب کی تقریباً .۵ مثالیں پیش کی ہیں پس ہم ناظرین کی توجہ اس رسالہ کی جانب مبذول کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس کتاب سے ثابت ہوجاتاہے کہ ڈاکٹر ٹوری کا نظریہ ان مقامات کی مشکلوں اورپیچیدگیوں کو نہایت آسانی سے سلجھا دیتاہے۔ ڈاکٹر ٹوری صاحب موصوف کی کُتُب ثابت کردیتی ہیں کہ اس قسم کے مقامات چاروں کی چاروں انجیلوں میں پائے جاتے ہیں جس سے وہ یہ نتیجہ

---

[1] (b) Mission & Message of Jesus p.139

اخذ کرتے ہیں کہ یہ چاروں انجیلیں پہلے پہل ارامی میں لکھی گئی تھیں جن کا بعد میں یونانی زبان میں لفظی ترجمہ ہوا ہے۔

لیکن اس قسم کی آیات مقابلتہً نہایت کم ہیں چنانچہ ہم نے اپنے مذکورہ بالا رسالہ میں تقریباً پچاس آیات کا ذکر کیا ہے۔ جب ہم اس امر کا لحاظ رکھتے ہیں کہ اناجیل اربعہ میں ۳۷۷۸ آیات ہیں توان ہزاروں آیات میں سے پچاس آیات کے ترجمہ کے کسی ایک لفظ کا غلط ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہوسکتا۔ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ ان آیات میں سے ایک آیت بھی ایسی نہیں جس کے الفاظ کے غلط ترجمہ کا اثر مسیحی عقائد پر پڑ سکے اورہم کو ہر گز ہرگز یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ یہ غلطیاں اصل ارامی اناجیل میں نہیں ہیں بلکہ ان کے یونانی ترجمہ میں ہیں جو مترجمینِ اناجیل نے بعض الفاظ کو ترجمہ کرتے وقت کیں۔

(۳)

سطوربالا میں ہم نے اناجیل کی اندرونی شہادت سے ہی کام لیا ہے اوراناجیل کی یونانی زبان کی خصوصیات سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھیں۔ اب ہم خارجی شہادت کی جانب رجوع کرتے ہیں جس کی طرف علماء نے نسبتاً بہت کم توجہ دی ہے۔ اس خارجی شہادت سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ کم از کم دویازیادہ اناجیل ارامی زبان میں یروشلیم کی بربادی سے بہت پہلے ارضِ مقدس میں مروج تھیں۔

جارج ایف ۔مور کہتا ہے " یہ حقیقت ایسی عیاں ہے کہ ہم بلاثبوت دئے اس بات کو تسلیم کرسکتے ہیں کہ قدیم اناجیل کی زبان ارامی تھی اورکہ(مسیحی کلیسیا) ان نئی کتابوں کو الہامی" نبوت" (مکاشفات ۱۹: ۱۰) تسلیم کرتی تھی۔ جو یہودی مسیحی مصنفین نے عبرانی صحفِ سماوی کی توسیع کے طورپر لکھی تھیں"۔ یوحنا ۱۸: ۹ سے ظاہر ہے کہ رسولِ خداوند کے کلمات کو عہدِ عتیق کی کتُب کی طرح الہامی مانتے تھے۔

اس مرحوم مصنف کے ایک مضمون کا ہم ذیل میں اقتباس دیتے ہیں[1]۔ یہ قابل مصنف لکھتا ہے " ابتدائی منازل میں جو بحث نوشتوں سے متعلق ہے (بالخصوص اکلی زیس طیس اورغزل الغزلات اورآسترا وسیرک کی کتابوں کی بابت اس میں " اناجیل" کو خاص طورپر خارج کیا گیا ہے جس کے صریح معنی یہ ہیں کہ اس سے پہلے یہ "

[1] G.F.Moore,"The Repudiation of Christian Scriptures in Essays in Modern Theology and Related Subjects. Quoted in the Beginning of Christianity Vol.1 pp. 318-320

اناجیل"، " نوشتوں" میں داخل تھیں۔ یہ بات صاف طورپر تو سینفتائدائیم ۲: ۱۳ اورتوسینفتا سبت ۱۳: ۵ میں مذکور ہے جہاں اس سوال کے جواب میں صاف لکھا ہے کہ اناجیل اسی کتُب سے خارج ہیں۔ اگرچہ ان میں خدا کا نام لکھا ہے۔۔۔۔ قدیم تریں ذکر یوحنا بن زکی کے وقت کا ہے جو غالباً طیطس کی جنگ سے پہلے کا ہے"۔

" مذکورہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ سے پہلے یسوع ناصری کے پیرو وفادار یہودی شمار کئے جاتے تھے اگرچہ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ ایک نئے اور غلط طریق کی پیروی کررہے ہیں۔ ان کی " اناجیل" کو عزت وتکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ دیگر یہود کی طرح عبادت خانوں کی عبادت میں حصہ لے سکتے تھے۔ چنانچہ ۶۰ء کے قریب رُوم کے یہودی رئیسوں نے پولوس رسول کو کہا تھا " نہ ہمارے پاس یہودیہ سے تیرے بارے میں خط آئے ہیں اورنہ بھائیوں میں سے کسی نے آکر تیری کوئی خبردی ہے اورنہ برائی بیان کی ہے۔ مگر ہم مناسب جانتے ہیں کہ تجھ سے سنیں کہ تیرے خیالات کیا ہیں کیونکہ اس فرقہ کی بابت ہم کو معلوم ہوا ہے کہ ہر جگہ اس کے خلاف کہتے ہیں"(اعمال ۲۸: ۲۱تا ۲۲)۔ لیکن بعد میں نئے حالات پیدا ہوگئے اور سخت قدم اٹھائے گئے اوریہ رواداری تنگِ دلی سے تبدیل ہوگئی۔

" گملی ایل دوم یوحنا کا جانشین تھا۔ اس نے اپنے وقت کی مروجہ دعا میں یہ ایزادی کروائی کہ" خدا بدعتیوں کو تباہ اوربرباد کرے" یہ ۸۰ء کے لگ بھگ ہوا۔

" دوسری صدی کے دوسرے تیسرے عشرے میں دونوں کے تعلقات زیادہ کشیدہ ہوگئے۔ اہلِ یہود کے اکابرین اسماعیل ، عقیبہ، تارفون، یوسی گلیل وغیرہ بدعتیوں اوراُن کی کتُبِ مقدسہ کے خلاف ایسی درشتی سے زبان درازی کرتے ہیں جس سے ظاہر ہے ہوجاتاہے کہ دونوں کے تعلقات بد سے بدتر ہوکر نہایت خراب ہوچکے ہیں"۔

اس اقتباسات کے بعد اس شہرہ آفاق کتاب کے ایڈیٹر لکھتے ہیں" یہ شہادت نہایت اہم ہے۔ اس میں جن" اناجیل" کا ذکر ہے وہ ہماری موجودہ یونانی اناجیل نہیں ہوسکتیں۔ پس یہ نہایت قدیم اور بلاواسطہ زبردست شہادت اس حقیقت کو ثابت کرتی ہیں کہ اناجیل ارامی زبان میں موجود تھیں"۔ ٹوری کہتا ہے کہ طالمود میں ایک مقام موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی صدی کے

نصف کے کچھ عرصہ بعد یروشلیم میں ارامی انجیلیں موجودتھیں۔ پروفیسر جی۔ایف۔مور نے اس حقیقت کو بے نقاد کردیا ہے ۔ چنانچہ یہودی ربی یونتن بن زکی کے فتوے کے الفاظ ہیں کہ ناصری" انجیلیں" اور" ابن سیرا کی امثال" الہامی کتبُ نہیں ہیں۔ جس سے ثابت ہے کہ اس قدیم زمانہ میں کم ازکم مرقس اورمتی کی " اناجیل" ارامی زبان میں موجود تھیں[1]۔

پس یہودی تحریرات سےارامی اناجیل کے وجودکاثبوت ملتاہے۔ ان سے پتہ چلتاہے کہ اہلِ یہود کے اکابرین نے پہلی صدی کے آخری تیسرے حصے میں (۶۶ء کے بعد) اوردوسری صدی کے شروع میں اناجیل کے تسلیم کرنے یا ان کو الہامی کتُب قرارنہ دینے کا سوال اٹھایا تھا۔ یہ اناجیل یہودی حلقوں اورمسیحی کلیسیاؤں میں (جن کے شرکاءکی اکثریت اس وقت یہودی مسیحیوں پر مشتمل تھی)ارامی زبان میں مروج تھیں۔

اب ہم ان اناجیل کا فرداً فرداً مطالعہ کرکے ان کی اصل زبان کا پتہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔

[1] F.V.Filson Origin of the Gospels pp.75-76

فصل اوّل

مقدس مرقس کی انجیل کی اصل زبان

جن اصحاب نے جلد اوّل کے حصہ دوم کے باب اوّل اورحصہ سوم کے باب سوم کا شروع سے آخرتک بغورمطالعہ کیا ہے اُن پر یہ حقیقت ظاہر ہوگئی ہوگی کہ انجیل مرقس کا مصنف دورِ اوّلین کا ایک یہودی تھا جس نے یہ انجیل یہودی مسیحیوں کی خاطر ایسے ماخذوں سے تالیف کی جن کا تعلق ارضِ مقدس سے ہی تھا۔ ہم اس حصہ میں ثابت کرچکے ہیں کہ یہ ماخذ ارامی زبان میں تھے۔

قیاس ہی چاہتاہے کہ قدیم ترین انجیل ارامی زبان میں لکھی گئی ہوکیونکہ یہ قدرتی امر ہے کہ یہ قدیم ترین انجیل اُسی زبان میں لکھی جائے جس میں سیدنا مسیح تعلیم دیتے تھے اورجس کو یہود سمجھتے تھے اور وہ اسی مقصد کی خاطر لکھی گئی تھی کہ یہودی مسیحی سیدنا مسیح کی تعلیمات اورحالات سے واقف ہوں اوران کو دوسرے لوگوں تک پہنچائیں جو یہودی تھے تاکہ وہ بھی مسیح موعود پر ایمان لے آئے ہیں[2]۔

[2] Dalman The Words of Jesus p.16

ناظرین خود خیال کرسکتے ہیں کہ جب تعلیم دینے والے کی زبان ارامی ہو، تعلیم کا وسیلہ ارامی زبان ہو، جن کو تعلیم دی جائے وہ ارامی بولتے ہوں، ان کے بیانات ارامی میں ہوں، ان ارامی ماخذوں کو تالیف کرنے والا ارامی بولتاہو، جن کی خاطر وہ اپنی انجیل تالیف کرتا ہو وہ ارامی بولتے ہوں تو یہ ایک غیرفطرتی بات ہوگی کہ وہ اپنی انجیل کو یونانی زبان میں لکھے جو نہ تعلیم دینے والے کی زبان تھی، نہ تعلیم کا وسیلہ تھی، نہ سامعین کی مادری زبان تھی، نہ ماخذوں کی زبان تھی نہ انجیل کے مولف کی زبان تھی اورنہ اُن کی زبان تھی جن کی خاطر یہ انجیل لکھی گئی ۔ پس عقلِ سلیم کا یہی تقاضہ ہے کہ یہ قدیم ترین انجلی ارامی میں لکھی گئی ہو۔

اندرونی شہادت بھی اسی بات کی گواہی دیتی ہے کہ یہ انجیل پہلے پہل ارام زبان میں لکھی گئی تھی۔ ہم گذشتہ ابواب میں اناجیل کی یونانی زبان پر بحث کرکے اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں (جس پر تمام علماء اورنقاد متفق ہیں[1]) کہ اس انجیل کے ماخذ ارامی زبان کے تھے۔ ہم نے اناجیل کی یونانی زبان کی خصوصیات پر ایک اجمالی نظر ڈال کر یہ ثابت کیا تھا کہ ان کے یونانی فقروں کی نحوی ترکیب اورمحاورے ارامی ہیں۔ چنانچہ جب ہم انجیل مرقس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہوجاتاہے کہ اس حقیقت کا اطلاق اس انجیل کے تمام حصوں پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے آرچ ڈیکن ایلن جیسا عالم کہتاہے کہ موجودہ یونانی انجیل اصل ارامی انجیلِ مرقس کا ترجمہ ہے[2] کہ" مرقس کی انجیل کی خصوصیت لاعطفی ہے اوراس میں یہ خصوصیت نہ صرف سیدنا مسیح کے اقوال میں پائی جاتی ہے بلکہ ان مقامات میں بھی پائی جاتی ہے جوبیانات اورواقعات پر مشتمل ہیں"۔

(۲۔) جن اصحاب نے میری کتاب" اناجیلِ اربعہ کی زبان اور چند آیات کا نیا ترجمہ " کا مطالعہ کیاہے اُن پر یہ ظاہر ہوگیا ہوگاکہ انجیل مرقس کے متعدد مقامات کے یونانی ترجمہ میں مختلف وجوہ کے باعث جو غلطیاں موجود ہیں وہ یہ ثابت کرتی ہیں کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی میں لکھی گئی تھی[3]۔

(۳۔) اس حصہ کے باب دوم میں ہم نے انجیل مرقس کے مختلف مقامات سے مثالیں دے کر یہ ثابت کیاہے کہ ان میں ارامی

---

[1] F.V.Filson Origin of the Gospels .p.71

[2] Allen,St Mark (Oxford Church Biblical Commentary),Preface and Introduction.

[3] Black Aramaic Approach Ch.IX p. 206-207

زبان کی مختلف صنعتیں پائی جاتی ہیں ، متوازیت کی چند اورمثالیں ملاحظہ ہوں جو اس انجیل میں ہیں:

(۱۔) ہم جانتے ہیں کہ تو سچا ہے
اورکسی کی پرواہ نہیں کرتا
کیونکہ تو آدمیوں کے چہرے کو نہیں دیکھتا
بلکہ سچائی سے خدا کی راہ کی تعلیم دیتا ہے
پس قیصر کو جزیہ دینا روا ہے یا نہیں؟
کیا ہم دیں یا نہ دیں؟ (مرقس ۱۲:۱۴)

(۲۔) فقیہوں سے خبردار رہو
جو لمبے جامے پہن کر پھرنا پسند کرتے ہیں
اوربازاروں میں سلام
اورعبادت خانوں میں اعلیٰ کرسیاں
اورضیافتوں میں صدرنشینی
جو بیواؤں کے گھروں کا شکار کرتے ہیں
اورطویل بلاطائل دعائیں مانگتے ہیں
ان کی سزا زیادہ سخت ہوگی (مرقس۱۲: ۳۸تا ۴۰)۔

(۴۔)ارامی زبان میں ایک ہی بات کو پھر دہرایا جاتا ہے۔ مثلاً

"خلقت کے شروع سے جس کو خدا نے خلق کیا"(مرقس۱۳: ۱۹)۔

"تو ان کاموں کو کس اختیار سے کرتا ہے یا کس نے تجھے یہ اختیار دیا کہ ان کاموں کو کرے" (مرقس ۱۱: ۲۸)۔

"براتی جب تک دولہا اُن کے ساتھ ہے۔۔۔جس وقت تک دولہا ان کے ساتھ ہے (مرقس ۲: ۱۹)۔

وہ اٹھ کر نکلا۔۔۔ اورباہر گیا"(مرقس ۱: ۳۵)۔ کے اصل ارامی کے یونانی ترجمہ کے الفاظ کے معنی ہیں" وہ باہر گیا اور چلا گیا" جو بھدا ترجمہ ہے لیکن لفظی ہے!

(۵۔) امر کی بجائے جملہ شرطیہ کا استعمال بھی ارامی زبان میں آتا ہے۔ مثلاً۔

"اگر کوئی میرے پیچھے آنا چاہے ۔۔۔پیچھے ہولے"(مرقس ۸: ۳۴)۔

(۶۔) انجیل کی یونانی میں مختلف ضمائر کا استعمال بھی ارامی اصل کو ثابت کرتا ہے۔

(۷۔) اعداد کو دہرانا۔ ۶: ۷، ۳۹، ۴۰ وغیرہ بھی ارامی زبان کے محاورہ کے مطابق ہے۔

(۸۔) جملوں میں فعل کا استعمال بھی ارامی نحوی ترکیب کے مطابق ہے۔ مثلاً اس انجیل میں باربار فعل حال اورغیر مکمل افعال آئے ہیں۔ چنانچہ غیر مکمل افعال ۲۲۸ دفعہ اورفعل حال ۱۵۱ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔ ہم اس ارامی نحوی ترکیب کا اندازہ لگاسکتے ہیں جب ہم اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہیں کہ ۱سلاطین کی کتاب میں بھی فعل حال ۱۵۱ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ وہ کتاب مرقس کی انجیل سے دگنی سے زیادہ ہے[1]۔ یہ نحوی ترکیب یونانی زبان کے نحو کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ اس انجیل میں صیغہ حاضر کے ذریعہ گذشتہ واقعات کو بیان کیا گیا ہے ۔ سرجان ہاکنس نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اس قسم کا صیغہ حال سیپٹواجنٹ میں شاذونادر آیا ہے لیکن انجیلِ مرقس میں اوسطاً یہ صیغہ ہر صفحہ میں نو یا دس مرتبہ استعمال ہوا ہے[2]۔یہ نکتہ نہایت اہم ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرقس کی انجیل کی یونانی زبان کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مصنف سیپٹواجنٹ کی یونانی پڑھنے کا عادی تھا۔ سرجان ہاکنس نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اناجیلِ متفقہ میں سے انجیل مرقس کی یونانی پر سیپٹواجنٹ کی زبان کا سب سے کم اثر ہے۔ انجیل متی کی یونانی پر اس سے زیادہ ہے اورانجیل لوقا کی یونانی پر سب سے زیادہ اثر ہے۔ پس یہ نکتہ صاف ثابت کرتا ہے کہ انجیل مرقس پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی اوراس کا لفظی ترجمہ یونانی زبان میں کیا گیا اوراس کی یونانی زبان سیپٹواجنٹ کی مرہون نہیں ہے۔ اورکہ اسکا مصنف کوئی یونانی مائل یہودی نہیں تھا بلکہ ارضِ مقدس کا رہنے والا خالص یہودی نژاد شخص تھا، جس کی مادری زبان ارامی تھی۔

(۹۔) انجیل مرقس کے بعض مقامات صاف ثابت کرتے ہیں کہ اس انجیل کا یہودی مصنف ،عبرانی ، صحفِ سماوی کو اصل زبان میں استعمال کرتا ہے۔ مثلاً انجیل کی پہلی آیات (۱: ۲تا ۳)۔ اس مقام میں ملاکی نبی کی کتاب (۳: ۱) اوریسعیاہ نبی کی کتاب (۴۰: ۳) کی آیات کو یکجا کیا گیا ہے۔ لیکن یونانی متن سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان آیات کو کیوں یک جا کیا گیا ہے ۔ یہودی ربیوں کا دستور تھا کہ وہ دوسببوں کی وجہ سے صحف کی مختلف آیات کو اکٹھا کیا کرتے تھے۔ یا تو آیات کے خیالات میں یکسانیت ہوتی تھی اوریا آیات کے الفاظ میں مشابہت پائی جاتی تھی۔ یونانی متن یہ ظاہر نہیں کرتا کہ اس مقام میں دونوں نبیوں کی کتابوں کے عبرانی متن میں ایک ہی لفظ

---

[1]Barton, J.Th.S.Oct. 1935 pp.357 ff.
[2] J.T.Hudson “The Aramaic Basis of St.Mark’s Exp Times May 1942

(فتح درک) ہے اوراس سیاق وسباق میں عبرانی صحفِ سماوی میں سوائے ان دونبیوں کی کتابوں کے اورکسی جگہ وارد نہیں ہوا۔ پس مرقس نے یہاں ان دو مقامات کو یک جاکر دیاہے جو نہ صرف خیالات میں ہی یکساں ہیں بلکہ جن میں ایک ہی لفظ پایا جاتا ہے (فتح درک بمعنی راستہ صاف کرو)جو شافہ ہے[1]۔

یہی فاضل یہودی مصنف مرقس ۱۰: ۱۷ کی نسبت لکھتا ہے جس کسی نے مزامیر کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ لفظ (نیک) خدا کے لئے استعمال ہوتاہے (۱۰٦: ۱- ۱۰۷: ۱- ۱۱۸: ۱۱- ۱۳٦: ۱ وغیرہ)۔ یہودیوں کی دعائے عام کی کتاب میں اور ۲تواریخ ۵: ۱۳- ۱-تواریخ۱٦: ۳۴ وغیرہ میں بھی یہ لفظ خدا کے لئے استعمال کیا گیاہے۔ یہود کے ایک برکت کے کلمہ میں جو عموماً استعمال ہوتا تھا لکھا ہے" اے خداوند تو مبارک ہے۔ تیرا نام نیک ہے اورصرف توہی ۔ اس لائق ہے کہ تیرا شکر ادا کیا جائے"۔ اس کلمہ کا استعمال خاص طور یہ اُس وقت کیا جاتا تھا جب زندگی کے لئے خدا کا شکر کیا جاتا تھا[2]۔ اس استعمال کی روشنی میں ہم سیدنا مسیح کا جواب اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

یہ فاضل مصنف مرقس ۱۴: ٦۰تا ٦۳ کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ طرزعمل یہودی حکم کے مطابق ہے کیونکہ مثناہ میں آیا ہے کہ کفر کے مقدمہ میں منصف کھڑے ہوکر اپنے کپڑے پھاڑتے تھے[3]۔

یہ یہودی مستند عالم لکھتا ہے " دورِحاضرہ میں جب یہودی عالماء عہدِ جدید کو سمجھنے کے لئے ربیوں کے اقوال کے مطالعہ پر زوردے رہے ہیں ، تعجب خیز امر یہ ہے کہ مسیحی علماء الٹا کہہ رہے ہیں کہ اس کو سمجھنے کے لئے ان اقوال کی ضرورت ہی نہیں !۔ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان علماء کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہوئی ہے کہ ان کتُب کو یونانی مائل یہود کے خیالات کی روشنی میں ربیوں کے اقوال کی نسبت بہتر طورپر سمجھ سکتے ہیں اورکہ یہ یسوع ان یونانی خیالات سے بہت متاثر تھا۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ کیا ربیوں کے خیالات عہدِ جدید کی تاویل کرنے میں معاون ہوسکتے ہیں یاکہ نہیں۔ اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہے اوروہ اثبات میں ہے۔ مفسر کا پہلا فرض ہے کہ وہ متن کی تاویل کرے اوراگر

[1] C.F.Burney The Aramaic Origin of the Fourth Gospel. P.16 Seealso Allen article in Exp.XIII.1902 pp. 328 ff.

[2] I.Abraham,Rabbinic Aids to Exegesis in Cambridge Biblical Essays.p.179
[3] Ibid.p.191

یہ اقوال تاویل کرنے میں مفید ثابت ہوتے ہیں تو اُن کو نظر انداز کرنا پرلے درجے کی غفلت شعاری ہے۔ مفسر سے ہم صرف یہ طلب کرتے ہیں کہ وہ ہم کو یسوع کے الفاظ سمجھائے۔ اس کی تعلیم کا اصل مفہوم سمجھنا اس کے ماخذوں کو جاننے سے زیادہ ضروری ہے[1]۔

مذکورہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ یہودی علماء تک کے خیال میں اناجیل صرف ارامی اور عبرانی زبانوں کے سیاق وسباق میں ہی سمجھ میں آسکتی ہیں کیونکہ یہی ان کا ماحول اور فضا ہے۔

(۱۰۔) مرقس کی انجیل کے ارامی الاسل ہونے کا یہ بھی ثبوت ہے کہ اس میں سیدنا مسیح کے منہ کے الفاظ ارامی زبان اور عبرانی زبان میں محفوظ ہیں، اگرچہ وہ یونانی حروفِ تہجی میں لکھے گئے ہیں(۵: ۴۱۔ ۷: ۳۴۔ ۱۵: ۳۴ وغیرہ)۔ پس اس انجیل سے ہم سیدنا مسیح کے ارامی الفاظ کے تلفظ تک کو معلوم کرسکتے ہیں[2]۔

ان اور دیگر وجوہ کے باعث علماء کا ایک بڑا گروہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ انجیل مرقس پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی ۔ ان علماء میں ولہاسن شامل ہے جو عہدِ عتیق پرایک مستند عالم

1 Ibid. p.188
2 Ibid.p.182

تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی آخری عمر میں اناجیل کی زبان کا مطالعہ کرکے اس نتیجہ پر پہنچا تھا ۔ آرچڈیکن ایلن جیسا فاضل بھی کہتا ہے کہ " انجیلِ مرقس پہلے پہل ارامی میں لکھی گئی تھی[3]۔ لٹمن جیسا محتاط نقاد بھی مجبور ہوکر کہتا ہے کہ یہ اغلب ہے کہ مرقس کی انجیل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی[4]۔ پادری کیڈاؤ جیسا عالم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ انجیل مرقس پہلے پہل ارامی زبان میں ۴۰ء میں لکھی گئی تھی[5]۔

3 Dalman Words of Jesus p.53
4 W.C.Allen,Exp,Times July 1910 pp.439 ff.
5 T.W.Manson “The Problem of Aramaic Sources”. Exp Times Oct.1935.pp.711-

فصل دوم

انجیلِ متی کی اصل زبان

ہم جلد اوّل کے حصہ دوم کے باب دوم اور حصہ سوم کے باب چہام میں انجیل متی کے پس منظر، ماخذوں کی قدامت اور خصوصیات پر مفصل بحث کر آئے ہیں۔ ہم نے اس حصہ کے مختلف ابواب میں اس انجیل کی زبان پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ان صفحات کے مطالعہ نے روشن دماغ ناظرین پر ظاہر کردیا ہوگا کہ انجیلِ متی کی فضا ارضِ مقدس کنعان کی ہے۔ اس کا مصنف ایک یہودی مسیحی فاضل ہے جس نے اپنے ہم وطنوں کی خاطر یہ انجیل اُن کی اپنی زبان میں لکھی تھی۔ اس کے ماخذ ارامی زبان کے ہیں اوراس کے تصورات نے ارامی میں جنم لیا ہے۔ ہم نے ثابت کردیا ہے کہ اس کے بڑے ماخذ یعنی رسالہ کلمات اوررسالہ اثبات اورانجیل مرقس ارامی زبان میں لکھے گئے تھے جو اس انجیل کے مصنف کے سامنے موجود تھے اورجن کو وہ لفظ بلفظ نقل کرتا ہے۔ انشاء اللہ ہم اس باب میں ثابت کردینگے کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی۔

اوّل ۔ اندرونی شہادت

انجیل کی اندرونی شہادت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی۔ ہم بتلاچکے ہیں کہ اس کے ارامی ماخذ لفظ بلفظ ارامی زبان میں نقل کئے گئے ہیں ۔ چنانچہ اسی حصہ کے باب دوم میں ہم نے اس انجیل سے متعدد مثالیں دے کر ثابت کردیا ہے کہ آنخداوند کے کلامِ بلاغت نظام میں جو ارامی زبان کی صنعتیں پائی جاتی ہیں، وہ سب کی سب انجیل متی میں موجود ہیں۔ ہم نے باب سوم میں بھی اس انجیل سے مختلف مثالیں دے کر یہ ثابت کیا ہےکہ ارامی الفاظ ، محاورے اورنحوی ترکیبیں اس انجیل کے ہر حصہ میں پائی جاتی ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی اورہماری موجودہ یونانی انجیل اس ارامی انجیل کا لفظی ترجمہ ہے۔ چنانچہ انجیل جلیل کے مجموعہ میں صرف اسی انجیل میں "آسمانوں کی بادشاہی" کا محاورہ ۳۲ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ لفظ "آسمانوں" عبرانی اورارامی زبان میں ہمیشہ جمع کے صیغہ میں آیا ہے۔ یونانی متن میں بھی یہ لفظ جمع کے صیغہ میں لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل ارامی زبان سے ترجمہ کی گئی ہے۔ اردو ترجمہ بامحاورہ ہے جس میں

صیغہ واحد" آسمان کی بادشاہی" لکھا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ، باپ جو آسمانوں میں ہے" ارامی محاورہ ہے جو اس انجیل میں ۱۳دفعہ آیا ہے اوریونانی متن میں بھی جمع کے صیغہ میں ترجمہ کیا گیا ہے" آسمانی باپ " بھی انجیلی مجموعہ میں صرف متی کی انجیل میں سات بار آیا ہے[1]۔لفظ" دیکھو" اس انجیل میں ۵۸ دفعہ آیا ہے۔ اس ارامی محاوہ کا کثرت سے وارد ہونا اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی میں لکھی گئی تھی۔ اسی طرح لفظ" تب" یا "پھر" جسکا لفظی ترجمہ یونانی متن میں کیا گیا ہے نوے (۹۰) دفعہ اس انجیل میں آیا ہے اوراس کا ارامی الاصل ہونا ثابت کرتا ہے۔ متی ۵: ۱۸ میں ہے " ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلیگا"۔ یہاں یونانی حرف" آیوٹا" لکھا ہے جو یونانی حروف تہجی میں سب سے چھوٹا ہے حرف ہے۔ یہ یونانی حرف" (یود)" ی" کا یونانی ترجمہ ہے جو صاف ثابت کرتا ہے کہ یہاں اصل ارامی حرف کا نام تھا۔

بعض مقامات تو صریحاً ثابت کرتے ہیں کہ انجیل پہلے پہل ارامی میں لکھی گئی تھی۔ مثلاً ۲۷: ۳۳ کے یونانی متن میں ہے ۔ اس جگہ جو گلگتا کہلاتی ہے یعنی کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے" یونانی متن میں لفظ" کہلاتی ہے " کا دوبارہ ہونا صاف ثابت کرتا ہے کہ یہ ارامی اصل کا لفظی ترجمہ ہے ۔ اردو ترجمہ میں یہ لفظ دہرایا نہیں گیا[2]۔ متی ۱۲: ۴۰ کے یونانی متن میں ہے " جیسے یوناہ تین رات اورتین دن مچھلی کے پیٹ میں رہا"۔ یہ الفاظ ارامی اصل کا غلط یونانی ترجمہ ہیں ۔ اصل ارامی میں لفظ" عوناہ" تھا جس کے معنی " رات دن ہیں"[3] اردو ترجمہ میں اصل ارامی محاورہ کے مطابق" رات دن " ہے۔ اس قسم کی دیگر آیات کی مثالیں میری کتاب" اناجیلِ اربعہ کی زبان اورچند آیات کا نیا ترجمہ" میں پائی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات مترجم انجیل نے اصل ارامی متن کاغلط ترجمہ کیا ہے اوراس سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ انجیل کی اصل زبان پہلے پہل ارامی تھا۔ یہ ایک قدرتی بات بھی ہے کہ جو کتاب ایک یہودی مصنف نے یہودی مسیحیوں کے لئے اوراپنے ہم وطنوں کو منجئ عالمین کے قدموں میں لانے کےلئے لکھے ، وہ ارامی زبان میں ہو جو اُن کی مادری زبان تھی۔ ایک یہودی مسیحی کے لئے سیدنا مسیح کی خوشخبری کو اہل یہود کے لئے یونانی میں لکھنا (جو غیر اقوام کی زبان تھی) ایک غیر فطرتی بات تھی۔

---

[1] B.C. Butler The Originality of St. Matthew Ch.X.

[2] Epiphany Calcutta , May 1st 1954

[3] J.H.Ropes Synoptic Gospels Quoted by Butler p. 164.

عہدِجدید کی کسی کتاب میں مسیحیوں کی نئی شریعت کووہ اہمیت نہیں دی گئی جو انجیل متی میں دی گئی ہے۔ انجیلی مجموعہ کی کسی کتاب میں بھی اس قدرجملے محاورے وغیرہ نہیں پائے جاتے جن کی یہودی ربیوں کی تصنیفات میں مماثلت موجود ہے۔ اس انجیل کا مصنف ایک یہودی مسیحی ربی تھا گووہ اپنے لئے یہ خطاب کبھی تجویز نہ کرتا(۲۳: ۸)۔ یہ انجیل تالمود سے مس رکھتی ہے وراس سے ملتی جلتی ہے۔ اس میں خاص طورپر ان سوالا ت کا ذکر ہے جن کا تعلق کنعان کی مسیحی کلیسیاؤں سے ہے کیونکہ یہی مسائل اُن کے درپیش تھے۔ متی ۱۰: ۵تا ۸ سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل اس وقت تالیف کی گئی تھی جب خداوند کی نجات کا پیغام ابھی تک اہل یہود میں ہی محدود تھا۔(۹: ۳٦)۔ پس یہ قدرتی بات تھی کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی۔

امریکن عالم روپس اس نتیجہ پر پہنچتا ہے[1]کہ انجیلِ اوّل کا مصنف ایک یہودی مسیحی تھا۔ اس کی تمام انجیل یہودی رنگ میں رنگی ہے۔ وہ اُن کویہودی خیالات ، تصورات اورعقائد کا ذکرکرتا ہے جن سے آنخداوند کا روزانہ سابقہ پڑتا تھا۔اس کا مصنف عبرانی کتُب مقدسہ کی اُن پیشین گوئیوں سے عبرانی زبان میں بخوبی واقف ہے جن کا تعلق مسیح موعود کے ساتھ ہے۔ ان میں سے بعض مقامات سے ظاہر ہے کہ وہ اُن پیشن گوئیوں کے عبرانی متن سے واقف ہے۔ وہ مسیح موعود کے لئے لفظ " ابنِ داؤد" استعمال کرنے کا خاص طورپر مشتاق ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ارامی اورعبرانی محاورے " آسمان کی بادشاہی" ،" آسمانی باپ" ،" مقدس شہر" یعنی یروشلیم ،" اسرائیل کا خدا" ۔ اسرائیل کے شہروں" وغیرہ الفاظ یہودیت کی اصطلاحیں ہیں۔ یہ مصنف یہودی ربیوں کی تعلیم سے واقف تھا۔ کوئی شخص اس امر میں شک نہیں کرسکتا کہ انجیل اوّل کی جڑیں یروشلیم کی ابتدائی کلیسیا کے تصورات، خیالات، عقائد وروایات کی زمین میں نہایت مضبوطی سے گڑی ہوئی ہیں[2]۔" کیا اس قسم کا مصنف غیر اقوام کی زبان یونانی میں اپنی انجیل پہلے پہل لکھ سکتا تھا؟ انجیل متی کے پہلے دوباب کی زبان ہمیں مجبورکرتی ہے کہ ہم ان کی اصل زبان کو عبرانی تسلیم کریں۔ مثلاً ۲: ۳ میں لکھاہے " وہ ناصری کہلائے گا" ۔ یہ آیت ہماری سمجھ میں تب ہی آسکتی ہے جب ہم اس حقیقت کو زیرِ نگاہ رکھیں کہ جو عبرانی لفظ مسیح

---

[1] Justin Martyr Syria Memoirs of the Apostels.

[2] Eusebius H.E.V.10,3

موعود کے تصور کے ساتھ وابستہ تھا وہ " نصر" تھا۔ الفاظ " نصر" اور" ناصری " میں تجینس صوتی ہے لیکن یہ حقیقت یونانی آیت سے ظاہر نہیں ہوتی ۔ علیٰ ہذا القیاس ۱: ۲۱ کے الفاظ " تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو اُن کے گناہوں سے نجات دے گا"۔ میں الفاظ " یسوع" اور" نجات " میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے ، جس سے ظاہر ہے کہ یہ حصہ عبرانی میں لکھا گیا تھا۔ مقدس متی کی انجیل میں ایک مقام ہے جو صرف اسی انجیل سے مخصوص ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ آنخداوند نے ہوسیع نبی (۱: ۷)۔اقتباس کیا کہ" میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں "۔ یہ کلمہ عین عبرانی متن کے مطابق ہے۔ لیکن وہ یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ سے مختلف ہے کیونکہ اس ترجمہ میں یہ لکھا ہے " میں قربانی پر رحم کو ترجیح دے کر رحم کو زیادہ پسند کرتا ہوں"۔ اس مثال سے ظاہر ہے کہ اس آیت کا اصل عبرانی متن تھا۔ غرض جس پہلو سے بھی اس موضوع پر غور کیا جائے ہر پہلو سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پہلے پہل یہ انجیل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی۔

ہم نے دیدہ دانستہ ایسی مثالیں دینے سے پرہیز کیا ہے جن کا تعلق یونانی اور ارامی زبانوں کی اصطلاحوں اور صرف ونحو کے قواعد سے ہے۔ کیونکہ یہ زبانیں ہمارے لئے بالکل اجنبی ہیں۔ لیکن کوئی شخص ان باتوں کو مستند تفاسیر میں پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ انجیل پہلے پہلے ارامی میں تصنیف کی گئی تھی اور موجودہ یونانی متن اس کے ارامی متن کا لفظی ترجمہ ہے۔

رسولوں کے اعمال کی کتاب میں لکھا ہے " جن لوگوں نے پطرس کا کلام قبول کیا انہوں نے بپتسمہ لیا اور اسی روز تین ہزار آدمیوں کے قریب اُن میں مل گئے اور یہ رسولوں سے تعلیم میں مشغول رہے" (۲: ۴۱)۔ ہم اس آیہ شریفہ سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ رسول حیات اور کلماتِ طیبات کی تعلیم دینے میں مشغول رہے تاکہ ان کے ذریعہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رہے۔ اس تعلیم کے دوران میں کلیسیا کی زندگی کے ابتدائی سالوں میں مقدس متی کے ماخذوں اور بیانوں نے ارامی انجیل کی شکل اختیار کرلی۔ یہ امر قرینِ قیاس بھی ہے کیونکہ ناظرین کو یاد ہوگا کہ مقدس متی نے سیدنا مسیح کی حینِ حیات میں آپ کے کلمات کو ایک ارامی رسالہ میں جمع کیا تھا جو ارضِ مقدس کی کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں تھا۔ ابتدا ہی سے مقدس متی کو اس انجیل کا مصنف قرار دیا گیا ہے اور کوئی دوسرا شخص اس انجیل کا مصنف قرار نہیں دیا گیا۔ علاوہ

ازیں مقدسمتی کی زندگی کے حالات کے متعلق اناجیل اربعہ میں سوائے ایک مقام کے ،ایک لفظ بھی کہیں پایا نہیں جاتا۔ اگریہ انجیل مقدس متی نے نہ لکھی ہوتی تو کوئی وجہ معلوم نہیں دیتی کہ آپ جیسے گمنام رسول کا نام اس انجیل کی تصنیف کے ساتھ قدیم زمانہ سے ہی متعلق کیا جاتا۔

مذکورہ بالا وجوہ کے باعث ہم انجیل کی اندرونی شہادت سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جس طرح مقدس متی نے سیدنا مسیح کی حینِ حیات میں آپ کی تعلیم جانفزا کوارامی زبان میں رسالہ "کلمات خداوندی" میں جمع کیا تھا اُسی طرح آپ نے منجئی جہان کی وفات کے بعداپنی انجیل کو ارامی زبان میں لکھا تھا جس کا بعد کے زمانہ میں یونانی زبان میں لفظی ترجمہ کیا گیا جو اب ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔

دوم۔ خارجی شہادت

مقدس متی کی انجیل کے ارامی الاصل ہونے کی بیرونی شہادت بڑی زبردست ہے۔(۱۔) جسٹن شہید کی تصنیفات کا مطالعہ ظاہرکردیتا ہے کہ ملک شام میں متی کی سی ایک انجیل مروج تھی جس کو وہ " رسولوں کے توزک[1]" کہتا ہے جس میں سے وہ سب سے زیادہ ایسے اقتباسات پیش کرتا ہے جو مقدس متی کی انجیل کے متن سے مشابہ ہیں۔دونوں میں جو خفیف اختلافات ہیں وہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہماری موجودہ یونانی انجیل اوراس کی ارامی انجیل میں اختلافِ قرات تھے۔ جس انجیل سے جسٹن اقتباس کرتا ہے اس انجیل میں بھی آنخداوند کی پیدائش اورموت کے سوانح موجود تھے۔ جب ہم اس امر کو مدِ نظر رکھتے ہیں کہ جسٹن شہید سکم (نابلس) کا رہنے والا تھا، اوراسی شہر میں مسیحی ہوا تھا تو ہم پر اس شہادت کا وزن ظاہر ہوجاتا ہے ۔ وہ ارامی سے بخوبی واقف تھا کیونکہ یہ زبان غالباً اس کی مادری زبان تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس ارامی انجیل کے اقتباسات کا ترجمہ پیش کرتا ہے ۔گوہ وہ موجودہ چاروں اناجیل سے واقف تھا۔

(۲۔) جب سکندریہ کے مدرسہ دینیات کا پرنسپل مقدس پین ٹینئس ہندوستان میں منادی کرنے آیا تواس نے دیکھا کہ مقدس برتلمائی رسول نے ہندوستان کے مسیحیوں کے آباواجداد کو مقدس متی کی انجیل دے رکھی تھی، جو ارامی زبان میں تھی[2]۔ جب

[1] Syrian Beroea, Pamphilus.
[2] Burkitt, Gospel History and Transmission p. 275 note.

وہ واپس سکندریہ گیا تو وہ اپنے ساتھ اس نادرکتاب کا نسخہ لیتا گیا۔ ہم اس واقعہ کا مفصل ذکر اپنی کتاب تاریخِ کلیسیائے ہند کی جلد دوم " صلیب کے ہراول" کے بابِ اوّل میں کرچکے ہیں اورناظرین کی توجہ اس کتاب کی جانب مبذول کرتے ہیں۔

(۳۔) ابتدائی کلیسیا کا مورخ یوسی بئس ہم کو بتلاتا ہے کہ مقدس متی کی انجیل کا اصل ارامی نسخہ وجود میں تھا اوراس کے لئے وہ سکندریہ کے کلیمنٹ، آئرینوس اوراوریجن جیسے زبردست فضلائے کلیسیا ئے کی شہادت پیش کرتا ہے اوربتلاتا ہے کہ مقدس اوریجن اوربشپ آئرینوس کا بھی یہی خیال تھا[1]۔ وہ لکھتا ہے کہ مقدس متی نے عبرانیوں کے لئے انہی کی زبان میں ایک انجیل لکھی ۔ ایک اورمقام میں وہ لکھتا ہے " چونکہ متی نے عبرانیوں میں انجیل کی منادی کی تھی اس نے ان کے لئے ایک انجیل بھی لکھی تاکہ یہ کتاب اس کی غیر حاضری میں اُن کے کام آئے "۔ پھر لکھتا ہے" متی نے عبرانیوں میں انجیل کی منادی کی اورجب وہ غیر اقوام میں منادی کرنے گیا تو اس نے یہودی نومریدوں کو ایک انجیل اُن کی اپنی زبان میں لکھ کردے دی"۔ روایت ہم کو بتلاتی ہے کہ رسولوں نے ۴۶ء میں یروشلیم کو چھوڑا تاکہ وہ غیراقوام ممالک میں تبلیغ کا کام کریں۔

(۴۔) مقدس جیروم نے " عبرانیوں کی انجیل" کا ایک نسخہ دیکھا جو ارامی زبان میں تھا لیکن وہ عبرانی حرف میں لکھا ہوا تھا۔ اس کو سریانی بیریا[2] کے مسیحی استعمال کرتے تھے۔ مابعد کے زمانہ میں اس عالم کو اسی انجیل کا ایک نسخہ قیصریہ میں پادری پمفیلئس کے کتُب خانہ میں دستیاب ہوا ۔ اس نے پادری مذکور سے اس کو نقل کرنے کی اجازت حاصل کرلی اوراس کا ترجمہ یونانی اورلاطینی زبانوں میں کردیا کیونکہ وہ اس کو ایک نہایت بیش قیمت نسخہ تصورکرتا تھا۔ اس نسخہ کے مطالعہ نے اس پر یہ حقیقت ظاہر کردی کہ وہ انجیل متی کا اصل ارامی نسخہ ہے ۔ یہ عالم قریباً تیس سال تک اسی نظریہ کا قائل رہا۔ اس نظریہ کے خلاف نے اس کبھی کوئی دوسری رائے ظاہرنہیں کی ۔ یہ نسخہ انجیل متی کا ہی تھا ورنہ جیروم جیسا عالم شخص اس کو کبھی یونانی انجیل اول کا ارامی اصل قرارنہ دیتا۔ ارامی اناجیل میں سے جو اب ضائع ہوگئی ہیں یہ انجیل سب سے زیادہ اہم ہے۔

---

[1] (b) Lightfoot Westcott “Salmon.

[2] Zahn. See Dalman’s Word of Jesus p.59 (note) and pp.61-62

حوارثِ زمانہ کے ہاتھوں مقدس جیروم کے ترجمے ضائع ہوگئے ہیں لیکن مقدس اوریجن کی مانند وہ اس انجیل کے اقتباسات اپنی مختلف تصنیفیات میں کرتا ہے۔ یہ اقتباسات ثابت کرتے ہیں کہ اس ارامی انجیل سیدنا مسیح کی پیدائش اورموت کے بیانات موجود تھے کیونکہ وہ پہلے دوابواب میں سے دوہ مقامات کا اقتباس کرتا ہے۔ دیگر اقتباس ثابت کرتے ہیں کہ صلیبی واقعہ کا بیان قریباً وہی ہے جو موجودہ یونانی انجیل متی کا ہے۔ مقدس جیروم قرات کے چند اختلافات کا بھی ذکر کرتا ہے ۔ مثلاً کہ " مقدس کا پردہ" پھٹنے (متی ۲۷: ۵۱)۔ کی بجائے اس ارامی انجیل میں تھا کہ مقدس کی اوپر کی چوکھٹ پھٹ گئی ۔ اگر قرات کے کوئی اہم اختلافات ہوتے تو یہ عالم اپنی متعدد تصنیفات میں کسی نہ کسی مقام میں انکا ضرور ذکر کرتا اس کے برعکس ایک اقتباس میں اورمتی ۱۸: ۲۱تا ۲۲ میں مشابہت ومماثلت موجود ہے۔ ایک اوراقتباس میں متی ۱۶: ۱۷ کے لفظ" بریوناہ" کی بجائے" یوحنا کا بیٹا" لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس ارامی نسخہ میں ۱۶: ۱۳تا ۲۰ کا واقعہ موجود تھا۔ یوسی بئس ہم کو بتلاتا ہے کہ اس نسخہ میں توڑوں کی تمثیل لکھی تھی (۲۵: ۱۴تا ۳۰)۔ اوریجن کہتا ہے کہ اس میں متی ۱۹: ۱۶تا ۲۲ کا واقعہ بھی تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس انجیل کا پلان انجیل متی کے مطابق تھا اوراس میں انجیل مرقس کے وہ حصے بھی تھے جو ہماری موجودہ انجیل متی میں ہیں[1]۔

یہ ظاہر ہے کہ اس ارامی نسخہ میں اورموجودہ یونانی انجیل اوّل میں جو مشابہت ہے وہ کوئی اتفاقیہ امر نہیں ہے اوریہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں انجیلوں میں گہراتعلق تھا۔اس تعلق کے صرف دو سبب ہوسکتے ہیں (۱۔) یا تو مقدس جیروم جیسے پایہ کے عالم کی رائے صحیح تھی اوریہ اصل ارامی انجیل تھی جس کا ترجمہ ہماری موجودہ یونانی انجیل متی ہے اوریا(۲۔) ڈاکٹر لائٹ فٹ ۔ بشپ وسٹکٹ اورڈاکٹر سامن[2] کا نظریہ صحیح ہے کہ ہماری موجودہ یونانی انجیل متی پہلے پہل یونانی میں لکھی گئی تھی اورجیروم کا نسخہ ثانوی ہے اورجویونانی کا ترجمہ تھا اوریا یونانی انجیل کی بناء پر ارامی میں تصنیف کیا گیا تھا۔ جب ہم ان دونوں نظریوں کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں توہم پر یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ انجیل موجودہ انجیل یونانی کا ارامی ترجمہ نہ تھی بلکہ وہ پہلے پہل ارامی میں ہی لکھی

[1] Lagrange S. Marc.(1st ed).Voste, See Butler's Originality of St. Matthew pp.155(note) and 159

[2]

گئی تھی اوریہی اس کی اصل زبان تھی۔ مثلاً (۲: ۲۳) میں لکھا ہے " یوسف ناصرت نام ایک شہر میں جا بسا تاکہ جو نبیوں کی معرف کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا"۔ اگر اس انجیل کی اصل زبان یونانی ہوتی تو یہ آیت بے معنی ہوجاتی ہے۔ لیکن عبرانی میں اس آیت کا مطلب صاف ہوجاتا ہے ۔ کیونکہ عبرانی الفاظ" نصر" اور" ناصری" میں صنعت ایہام اورتجنیس ہے اورضلع جگت سے کام لیا گیا ہے اوریہ یونانی زبان میں ناممکنات میں سے ہے۔ ہم نے اس قسم کی متعدد مثالیں اپنی کتاب " اناجیل اربعه کی اصل زبان اورچند آیات کا نیا ترجمہ" میں جمع کی ہیں ۔ سوکھے ہاتھ شفا بخشنے کے معجزہ کا ذکر (۱۲: ۹تا ۱۶)۔ یونانی سے ارامی میں نہ صرف زیادہ واضح ہے بلکہ اس مقام کے الفاظ میں جان پڑجاتی ہے۔ پس ڈاکٹر لائٹ فٹ اور سٹکٹ وغیرہ کا نظریہ غلط ہے۔ اورمقدس جیروم کا نظریہ صحیح ہے کہ جو نسخہ اس نے دیکھا تھا وہ اصل ارامی انجیلِ متی کی نقل تھا۔

ہم نے اس فصل میں اندرونی اوربیرونی شہادت سے ثابت کردیا ہے کہ انجیل متی پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی۔ علماء کا ایک فاضل طبقہ بھی اس امر کا قائل ہے کہ اس انجیل کی اصل زبان ارامی ہے۔ چنانچہ ہم ڈاکٹر ٹوری کا نظریہ بتلاچکے ہیں ۔ ڈاکٹر ذاہن کا بھی یہی نظریہ ہے کہ اس انجیل کی اصل زبان ارامی تھی[۱] ۔ اوراس کے ثبوت میں یونانی عبارت اسلوب بیان کو پیش کرتا ہے جس میں ارامی الفاظ کا یونانی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ مشہورنقاد ولہاسن بھی اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے اورکہتا ہے کہ یہ انجیل ابتدا میں ارامی زبان میں لکھی گئی تھی اورکہ یہ نتیجہ ایسا پختہ ہے کہ اسکے لئے مزید ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مفسر لیگ رانج اپنی تفسیر میں یہ نظریہ پیش کرتا ہے[۲] کہ انجیل متی کی اصل زبان ارامی تھی۔ وُستے بھی اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی۔

فصل سوم

انجیلِ لوقا کی اصل زبان

جب ہم اعمال کی کتاب کا اورمقدس پولوس کے خطوط کا مطالعہ کرتے ہیں توہم پر یہ ظاہر ہوجاتاہے کہ رسول مقبول کے سفروں میں ہریہودی عبادت خانہ کے گرد ایسے غیریہود تھے جویا تو یہودیت کے پیرو تھے یا اس مذہب کے حامی تھے ، جو خوشی سے سیدنا مسیح کاکلام سنتے تھے ۔ غیریہود مسیحی نومریدوں کی ایک بڑی تعداد گروہ سے ابتدائی ایام میں کلیسیا میں داخل ہوئی ۔ جب اس قسم کے نومرید کلیسیا میں داخل ہوگئے تو غیریہود میں تبلیغ کا دروازہ کھل گیا[1] ۔

مقدس لوقا اسی غیریہود گروہ میں سے منجئی عالمین کے حلقہ بگوش ہوئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھاکہ مقدس مرقس اورمقدس متی اورمقدس یوحنا جیسے اسرائیلی نژاد یہودیوں نے" اس بات پرکمر باندھی کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں اُن کو ترتیب وار بیان کریں " تاکہ یہودی مسیحیوں کو اُن کی مادری زبان ارامی میں "اُن باتوں کی پختگی معلوم ہوجائے " جن کی اُنہوں نے تعلیم پائی تھی ، تو مقدس لوقا نے بھی یہ " مناسب جاناکہ سب باتوں کا سلسلہ ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے" غیریہود نومریدوں کے لئے اُن کی مادری زبان یونانی میں ،اُن باتوں کو" ترتیب سے لکھے" جیساکہ انہوں نے جو شروع سے خوددیکھنے والے اورکلام کے خادم تھے ہم تک پہنچایا"۔ تاکہ جن باتوں کی غیریہود مسیحیوں نے تعلیم پائی تھی اُن کی پختگی معلوم ہوجائے"(لوقا ۱: ۱تا ۴)۔ جن اصحاب نے جلد اوّل کے حصہ اوّل کے باب سوم اورحصہ سوم کے باب دوم کا غورسے مطالعہ کیا ہے اُن پر یہ ظاہرہوگیا ہوگاکہ مقدس لوقا نے کس جانفشانی اورعرق ریزی سے دوڑدھوپ کرکے اپنے ماخذوں کو جمع کیا تھا۔ ہم اس حصہ کے باب سوم میں ثابت کرآئے ہیں کہ یہ ماخذ ارامی زبان میں تھے اورقدیم ترین زمانہ کے تھے جن کا پایہ اعتباراول درجہ کا تھا۔

چونکہ یہ انجیل اُن غیریہود کے لئے لکھی گئی تو جو پولوس رسول کے تبلیغی دوروں کے زمانہ میں منجئی کے قدموں میں آئے تھے اوریہ مسیحی یونانی بولنے والے تھے[2]۔ پس قدرتی طورپر مقدس لوقا نے یہ انجیل پہلے پہل یونانی زبان میں لکھی۔ یہ غیریہودی ارامی

---

[1] T.R.Glover The World of N.T (1931) pp.105-06

[2] Barton, “Prof Torrey of theory of the Aramaic Origin of the Gospels J.Th.S. Oct 1935

سے ناواقف تھے پس مقدس لوقا نے اپنی انجیل ارامی نہ لکھی[1]۔ اس وقت تک بعض ارامی ماخذوں کا ترجمہ یونانی میں ہوچکا تھا۔ چنانچہ ہم باب چہارم میں بتلاآئے ہیں کہ رسالہ کلماتِ خداوندی کا ترجمہ غیر یہود مسیحیوں کی مادری زبان یونانی میں ہوچکا تھا۔ مقدس مرقس کی انجیل کا (جو رسالہ کلمات کا تکملہ تھی) ۵۵ء سے بہت پہلے یونانی میں ترجمہ ہوچکا تھا۔ یہ دونوں ترجمے مقدس لوقا کے سامنے تھے۔ رسالہ اثباتِ مسیح موعود کے یونانی ترجمہ کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ وہ صرف عبرانی صحفِ مقدسہ کی آیات پر ہی مشتمل تھا اوریونانی جاننے والوں کے ہاتھوں میں ان کُتُب کا یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ موجود تھا۔ پس مقدس لوقا نے اپنے خالص ارامی ماخذوں کا یونانی زبان میں ترجمہ کیا جن کو اس نے (جیسا ہم باب سوم میں بتلاچکے ہیں) قیصریہ اوردیگر مقامات سے جمع کیا تھا۔ ہم ثابت کرآئے ہیں کہ مقدس لوقا ارامی زبان سے بخوبی واقف تھا اوراس کی انجیل کا دیباچہ ثابت کرتا ہے کہ وہ ٹکسالی یونانی لکھا تھا۔ پس وہ اس بات کا اہل تھاکہ اپنے ماخذوں کا بطرزِ احسن یونانی زبان میں ترجمہ کرسکے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسکے بعض ماخذوں کا رسالہ کلمات کی طرح پہلے پہل یونانی ترجمہ ہوگیا ہو[2]۔ بہر حال یہ امر ہمیں کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ لوقا کی انجیل کا تمام مسالہ کنعان کا ہے اورقدیم ترین زمانہ کا ہے۔ ان میں ہمیں اس بات کا نشان بھی نہیں ملتا کہ مسیحیت کا مرکز ثقل ارضِ مقدس سے ہٹ گیا ہے۔ اس کی یونانی انجیل میں بعض سامی الفاظ اوریہودی رسوم کی توضیح پائی جاتی ہے اوریہ اس لئے کیا گیا ہے کہ تاکہ غیر یہودی مسیحی ان کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

ہم باب چہارم میں بتلاچکے ہیں کہ مقدس لوقا نے اپنے ماخذوں کا اس قسم کی یونانی میں ترجمہ کیا جو سیپٹواجنٹ کی تھی۔ عبرانی صحف مقدسہ کے یونانی مترجمین کا یہ عقیدہ تھاکہ جن الفاظ کا وہ ترجمہ یونانی میں کررہے ہیں کہ وہ الہامی ہیں پس انہوں نے عبرانی متن کا لفظی ترجمہ کا تاکہ متن کی صحت برقرار رہے۔ مقدس لوقا کا بھی یہی عقیدہ تھاکہ جن ماخذوں کے الفاظ کا وہ ترجمہ کررہاہے ان کے الفاظ سیدنا مسیح کے اپنے منہ سے نکلے ہیں اورالہامی ہیں (یوحنا ۱۸: ۹ وغیرہ)۔ پس اس نے بھی سیپٹواجنٹ کا نمونہ اختیارکیا۔ چنانچہ انجیل کے دیباچہ کی آیات

[1] Ibid p. 365

[2] (b) Sparks. Semetisms of St. Luke's Gospel.J.Th.S. July-Oct.1943 pp. 129 ff.

شستہ ، ادبی اورٹکسالی یونانی میں ہیں لیکن یکایک پانچویں آیت سے طرزتحریر بدل جاتا ہے۔ یونانی محاورات اوریونانی صرف نحو کے قواعد کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ باقی تمام انجیل کی زبان کے الفاظ یونانی ہیں لیکن اس کے محاورے ، جملوں کی نحوی ترکیبیں وغیرہ سب ارامی ہیں۔

انجیل لوقا میں طفولیت کا بیان (باب اوّل ودوم) پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویاہم عہدِ عتیق کی کتُب تواریخ یا سموئیل کی پہلی کتاب پڑھ رہے ہیں۔ اس بیان میں ارامی زبان کا نشان بھی نہیں ملتا کیونکہ اسکے محاورات عہدِ عتیق کی کتُب کی عبرانی کے محاورے ہیں۔ اسبات کا پروفیسر ٹوری تک کو اقرار ہے لیکن ان ابواب کے الفاظ اورجملے سیپٹواجنٹ میں پائے جاتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ ان کا ترجمہ سیپٹواجنٹ کی یونانی میں کیا گیا ہے۔

پس انجیلِ لوقا پہلے پہل یونانی زبان میں تالیف کی گئی ۔ چنانچہ ڈاکٹر بلیک لکھتا ہے " یہ نظریہ کہ لوقا نے اصل ارامی ماخذوں کا ترجمہ یونانی میں کیا، بہترین طورپراس کی یونانی زبان کے مسئلہ کو حل کرتا ہے[1]۔ جس طرح مقدس متی اور مقدس مرقس کے لئے یہ ایک قدرتی بات تھی کہ وہ اپنی انجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھیں جو ان کی مادری زبان تھی ۔ اسی طرح مقدس لوقا کےلئے یہ قدرتی بات تھی کہ وہ اپنی انجیل کو پہلے پہل یونانی زبان میں لکھے، جو غیر یہود مسیحیوں کی مادری زبان تھی۔ اگر وہ اس کو ارامی میں لکھتا جس کو غیر یہود پڑھ لکھ نہ سکتے تھے تو اس کی محنت عبث ہوتی اوراس کا اصل مقصد فوت ہوجاتا کہ غیر یہودی کلیسیاؤں کے ایمان کو پختگی حاصل ہو۔

(۲)

مقدس لوقا نے اپنے ماخذوں کا سیپٹواجنٹ کی یونانی زبان کی طرز پر لفظی ترجمہ کرکے ان ماخذوں کے اصل ارامی الفاظ اورمحاورات اورنحوی ترکیبوں اورارامی صنعتوں کو محفوظ رکھا۔ پس اس کی انجیل میں بھی آنخداوند کے کلماتِ طیبات اورسوانح حیات بجنسہ محفوظ ہیں۔ جب ہم اناجیل کے طریقہ تالیف پر غورکرتے ہیں توہم پریہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ اناجیل کے مولف نہ صرف اپنے ماخذ کے الفاظ کو لفظ بلفظ نقل کرتے ہیں بلکہ وہ ان کے اکثر حصہ کو نقل کرلیتے ہیں۔چنانچہ ہم بتلاچکے ہیں کہ مقدس لوقا نے انجیل مرقس کی ۶۶۱ آیات میں سے ۳۵۵ آیات یعنی اپنی

[1] T.W.Manson, the teaching of Jesus (1935) Ch.111.

انجیل کا قریب تین چوتھائی حصہ نقل کیا ہے۔ اس نے انجیل مرقس کے ڈھانچہ کو بھی برقرار رکھا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہم بتلاچکے ہیں کہ اس نے نہ صرف رسالہ کلمات کو لفظ بلفظ نقل کیا ہے بلکہ اس رسالہ میں آنحداوند کے اقوالِ مبارک کی اصل ترتیب کو بھی بحال رکھا ہے۔ اس طریقہ کا رسے مقدس لوقا نے اپنی تمام انجیل میں (جوان ماخذوں پر مشتمل تھی) سیدنا مسیح کے مبارک کلام کے الفاظ " ان کو ترتیب ،اُن کے " شانِ نزول" کو اورمنجی جہان کی زندگی ، صلیبی موت، ظفریاب قیامت اورصعودِ آسمانی وغیرہ واقعات کو نہایت صحت کے ساتھ ترتیب وارمحفوظ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایڈورڈ مائر جیسے پایہ کا مورخ کہتاہے کہ لوقا نہایت مستند اورمحتاط مصنف ہے جس کا پایہ اعتبار لوی اور پولی بیئس کا ساہے۔

فصل چہارم

انجیلِ یوحنا کی اصل زبان

ہم حصہ چہارم میں ثابت کرآئے ہیں کہ انجیلِ چہارم کا مصنف مقدس یوحنا یروشلیم کا یا اس مقدس شہر کے مضافات کا رہنے والا ہے ،کسی کاہن کے خاندان کا چشم وچراغ تھا ۔ جو یہودی ربیوں کے تصورات ، طرزاستدلال اورقیاس آرائیوں سے بخوبی واقف تھا اورعہد عتیق کی کُتُب کی عبرانی کا عالم تھا۔ وہ اہلِ یہود کے تہواروں ، رسوم وشرع کو اچھی طرح جانتا تھا اورقوم اسرائیل کی اُن امیدوں سے جو مسیحِ موعود کی ذاتِ بابرکات سےوابستہ تھیں؟ بخوبی واقف تھا۔ یہ مصنف انجیلِ اوّل کے مصنف کی طرح کٹر یہودی تنگ خیالات کا مالک نہیں تھا ۔ اس کی انجیل میں کشادہ دلی اور وسیع الخیالی پائی جاتی ہے۔مقدس پولوس کی مانند وہ گو'عبرانیوں کا عبرانی " تھا (فلپیوں ۳: ۳تا ۶) تاہم یونانی فلسفہ ، خیالات اورتصورات کے ماحول سے متاثر تھا۔ وہ دورِاوّلین کی کلیسیا کے استادوں اورمعلموں کے گروہ کا ایک ممتاز فرد تھا جوربیوں کی تعلیم اورطرزِ استد لال سے بھی متاثر تھا۔ لیکن وہ " یونانی مائل یہود" کے گروہ (اعمال۶: ۱) میں سے نہ تھا۔ چنانچہ اس کا " لوگوس"

کانظریہ یہودی کُتُبِ مقدسہ اورتارگم سے لیا گیاہے، جس کی یہودی فلاسفر فائلو سے کچھ نسبت نہیں (دیکھو میری کتاب نورالہدیٰ حصہ دوم)۔ اسی طرح انجیل چہارم کا لفظ" نوموس" عبرانی مترادف کے معنی میں ہی مستعمل ہوا ہے۔ جو ثابت کرتا ہے کہ اس انجیل کا دائرہ یہودیت تک ہی محدود ہے اوریونانی علمِ ادب اوراس کی اصطلاحات سے اس کا کچھ تعلق نہیں[1]۔ اس انجیل نے ارضِ مقدس کنعان میں جنم لیا اورپہلی صدی کے نصف کی پیداوار ہے جو فراخ دل اوروسیع الخیال یہودیوں کے لئے لکھی گئی تھی۔ لہذا یہ انجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی جو اُن لوگوں کی مادری زبان تھی۔ اگریہ انجیل پہلے پہل یونانی زبان میں لکھی جاتی تو اس کے لکھے جانے کا اصل مقصد فوت ہوجاتا کیونکہ یہ" اس لئے لکھی گئی تھی تاکہ بنی اسرائیل ایمان لائیں کہ یسوع ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے اورایمان لاکر اس کے نام سے زندگی پائیں" (۲۰: ۳۱)۔

(۲)

اس انجیل کی یونانی زبان پکارپکار کریہ شہادت دیتی ہے کہ یہ ارامی زبان کا لفظی ترجمہ ہے چنانچہ باب دوم میں ہم اس انجیل سے متعدد مثالیں دے آئے ہیں، جن سے ظاہر ہے کہ عبرانی اورارامی زبان کی صنعتیں اس میں موجود ہیں ، ۔ عبرانی ادبیات کی ایک اور خصوصیت جو اس انجیل میں موجود ہے اعداد تین اور سات کا استعمال ہے جو مقدس سمجھتے تھے ۔ مثلاً اس میں تین عیدوں کا ذکر آیا ہے۔ سیدنا مسیح کا گلیل میں تین دفعہ جانے کا ذکر ہے۔ صلیب پر سے تین کلمات پائے جاتے ہیں۔ انجیل میں سات معجزے موجود ہیں۔ اس انجیل میں سیدنا مسیح نے سات قسم کے گواہوں کا ذکر کیا ہے(۵: ۳۴۔ ۸: ۱۴۔ ۱۰: ۳۵۔ ۵: ۳۹تا ۴۶۔ ۱: ۷۔ ۱۵: ۲۷۔ ۱۵: ۲۶) سیدنا مسیح کی ذات کی نسبت سات دعوے اس انجیل میں درج ہیں یعنی زندگی کی روٹی میں ہوں " ، " دنیا کا نورمیں ہوں"، بھیڑوں کا دروازہ میں ہوں "۔ اچھا چرواہا میں ہوں"،" قیامت اورزندگی میں ہوں"۔ راہ ، حق اورزندگی میں ہوں"۔ انگورکی حقیقی بیل میں ہوں"۔

علاوہ ازیں اس انجیل کے مختلف مقامات میں عبرانی الفاظ موجو دہیں۔ مثلاً" ربی "،" مسیح"،کیفا"، شلوم" ،گبتا" گلگتا" ،توما" نتن ایل" وغیرہ جن کا غیر یہود کی خاطر ترجمہ بھی کیا گیا ہے"(۱: ۴۲ وغیرہ)۔

---

[1] Black,Aramaic Approach p.81

یہ حقیقت اس امر پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ جب مقدس یوحنا موسموں، مہینوں اورساعتوں یعنی گھنٹوں کی نسبت لکھتا ہے تو وہ اس حساب سے لکھتا ہے جو ارضِ مقدس میں یہودیوں کے شمار کے مطابق مروج تھے۔ مثلاً ۴: ۶ میں " چھٹے گھنٹے" سے مراد دوپہر کا وقت ہے اورآیت ۳۵ میں ہے " فصل کے آنے میں ابھی چار مہینے باقی ہیں" جس کا مطلب یہ ہے کہ منجئی عالمین سامری عورت سے ماہِ فروری میں بات کررہے تھے کیونکہ کنعان میں جوکی فصل مئی کے آخر سے شروع ہوتی ہے اورجُون کے تیسرے ہفتے تک رہتی ہے۔ بیس جُون تک جو اورگیہوں کی فصل کٹ جاتی ہے۔ یروشلیم میں فروری ساڑھے پانچ بجے شام اندھیرا چھا جاتا ہے اورکوئی عورت ایسے وقت پانی بھرنے کےلئے باہر نہیں جاتی چہ جائیکہ ساراشہر ۶ بجے اندھیرے میں سامری عورت کے کہنے پر نکل پڑے!

ایک اورامر قابل غوریہ ہے کہ اس انجیل میں جو اقتباسات عہدِ عتیق کی کُتُب سے لئے گئے ہیں وہ اصل عبرانی متن سے لئے گئے ہیں۔ وہ یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ سے ماخوذ نہیں ہیں[1]۔ مثلاً۱۲: ۱۳۔ ۱۳: ۸۔ ۱۹: ۳۷۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس انجیل کا مصنف اصل عبرانی سے اقتباس کرتا ہے اوراس نے انجیل یونانی زبان میں نہیں لکھی بلکہ ارامی زبان میں لکھی تھی۔اگریہ انجیل پہلے پہل یونانی زبان میں لکھی جاتی تو اس کا مصنف مقدس لوقا کی طرح سیپٹواجنٹ کا ترجمہ استعمال کرتا۔ پروفیسر برنی نے ان تمام اقتباسات کو ایک جگہ جمع کرکے ان کا مطالعہ کیا ہے اوروہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ انجیل کا مصنف ارضِ مقدس کا یہودی ہے جس نے عہدِ عتیق کی کُتُب کے عبرانی متن کا اقتباس کیا تھا۔ وہ یونانی مائل یہودی نہیں تھا اوراس کے اقتباسات سیپٹواجنٹ سے نہیں ہیں[2]۔ انجیل کی تمام فضا ارضِ مقدس کی ہے اور" مصنف اپنی مادری زبان کی فضا اورماحول کو اپنے ساتھ ساتھ لئے پھرتا ہے اوریہ فضا اس کو جہاں چاہتی ہے ،لئے پھرتی ہے"[3]۔

(۳)

ہم انجیل مرقس وانجیل متی کی بحث میں ارامی زبان کی نحوی خصوصیات کا ذکر کرکے ثابت کرآئے ہیں کہ اس زبان کے الفاظ" محاورے اورترکیبیں وغیرہ اُن میں موجود ہیں۔ ارامی اور عبرانی زبان کے ماہروں نے اوربالخصوص مرحوم پروفیسر برنی اور

---

[1] C.H.Dodd. the Interpretation of the Fourth Gospel. P.176

[2] Very.Revd.J.A.Mc Clymont.St.John (Cent Bible)

[3] Ewald, quoted by Burney, p.21 note.

ڈاکٹر ٹوری نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ارامی زبان کی خصوصیات انجیلِ چہارم میں پائی جاتی ہیں۔ اوراس کے عبرانی اصل کا پتہ دیتی ہیں۔

ہم سطور بالا میں بتلاآئے ہیں کہ جب مقدس لوقا اپنے دیباچہ کواپنی زبان میں لکھتا ہے تو وہ اعلیٰ درجہ کی ٹکسالی یونانی زبان میں لکھتا ہے (۱: ۱تا ۴)۔ لیکن باقی انجیل میں وہ سیپٹواجنٹ کی یونانی کی نقل کرتا ہے۔ اسی طرح جب مقدس یوحنا اپنا پہلا خط لکھتا ہے کہ تووہ ارامی الفاظ اورمحاورات یا ارامی زبان کی نحوی ترکیبوں کو استعمال نہیں کرتا لیکن جب وہ انجیل لکھتا ہے جس کے کلمات اورمکالمات کو وہ الہامی سمجھتا ہے ۱۸: ۹ تو وہ ارامی الفاظ کا لفظی ترجمہ کرتا ہے۔اس کے الفاظ تو یونانی زبان کے ہیں۔ لیکن نحوی ترکیب وغیرہ ارامی زبان کی ہے[1]۔ چنانچہ ایولڈ کہتا ہے" مصنف کی یونانی نہایت صاف اور پرزور الفاظ میں اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ اس میں عبرانی کے نشانات موجود ہیں۔ وہ خود ارضِ مقدس میں پیدا ہوا۔ اہلِ یہود میں اس نے پرورش پائی۔ اسی سماج میں وہ جوان ہوا۔ اس کی مادری زبان یونانی نہ تھی بلکہ اس کی انجیل کی زبان نے بعد میں یونانی لباس پہنالیکن یہ لباس اس کی

[1] Manson," Problem of Aramaic Sources " Exp Times Oct 1935

مادری زبان اوراس کے تصورات وخیالات پر پردہ نہیں ڈالتا[2] مشہور نقاد پروفیسر شیلٹر نے یہ ثابت کردیا ہے کہ انجیل چہارم کی طرزِ تحریر، الفاظ کی بندش اوران کا استعمال صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اس انجیل کا مبداء اورمخرج ارضِ مقدس کا ہے۔ اس عالم نے اس انجیل کی ایک ایک آیت کو لے کر ثابت کیا ہے کہ ان کے الفاظ ومحاورات وہی ہیں جو یہودی ربیوں کی تصنیفات میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اس نے پہلے باب کی ۵۱آیات میں سے ۳۴آیات کے مماثل الفاظ کی نظیریں ڈھونڈ نکالی ہیں۔ یوں اس عالم نے اس انجیل کی آیات کی ایک کثیر تعداد کے لئے مدراش کے مقامات اورربیوں کی عبرانی کُتُب کے مقامات ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ یہ عالم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ انجیل کا مصنف ارضِ مقدس کا رہنے والا تھا جس کی مادری زبان ارامی تھی، جو خود ارامی زبان میں تعلیم دیا کرتا تھا۔ اس نے محض تبلیغ کی خاطر یونانی زبان کے علم کی تحصیل کی تھی[3]۔

[2] H.Ewald.Quoted by Burney p.2. note.
[3] Prof.A.Schlater See Burney Op.Cit.p.3 note.

جیسا ہم بتلاچکے ہیں انجیل چہارم کے فقروں کی ساخت اورعبارت کی نحوی ترکیب صاف پتہ دیتی ہے کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اورموجودہ انجیل اس ارامی اصل کا یونانی ترجمہ ہے۔ مثلاً ارامی زبان میں عبارت کے مختلف فقرے الگ الگ ہوتے ہیں جو لفظ " اور" وغیرہ حرفِ عطف سے باہم پیوستہ نہیں کئے جاتے اوریہ خصوصیت انجیلِ چہارم میں پائی جاتی ہے۔ ارامی زبان کی ایک اورخصوصیت جواس انجیل میں موجود ہے یہ ہے کہ اس زبان میں مرکب فقرے نہیں ہوتے اوران کی ترکیب سادہ ہوتی ہے۔ ایک اورخصوصیت یہ ہےکہ سادہ فقروں میں جب فاعل پر زوردینا مقصود ہوتا ہے تو اس میں ضمائر شخصی کا اضافہ کیا جاتا ہے اوریہ خصوصیت انجیل میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً " خدا کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جوباپ کی گود میں ہے، اسی نے ظاہر کیا (۱: ۱۸)۔ اس قسم کے ۲۷ مقامات انجیل یوحنا میں ، ۱۱مقامات انجیل متی میں ، ۴۷ مرقس میں ۶ لوقا میں پائے جاتے ہیں۔

یونانی انجیلِ یوحنا کے بعض مقامات میں حرفِ عطف " کہ " غلطی سے ضمائر کی جگہ استعمال ہوا ہے، جو صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ ترجمہ کی غلطی ہے ۔ جب ارامی زبان کے ماہر ان مقامات کودوبارہ یونانی سے ارامی میں ترجمہ کرتےہیں تو یہ غلطی ظاہر ہوجاتی ہے۔ ایک اورمثال لیں۔ لفظ " کہ " ارامی لفظ "د" کا ترجمہ ہے جس کا مطلب " کہ" ،" تاکہ" ، جو" ، چونکہ" وغیرہ ہوجاتا ہے جس طرح فارسی زبان میں لفظ" کہ" کے یہ معنی ہوتے ہیں۔ مثلاً یوحنا ۵: ۷ میں ہے" میرے پاس کوئی آدمی نہیں کہ وہ مجھے حوض میں اتاردے" یہاں لفظ" د" کا اصل مطلب " جو" ہے اورترجمہ یوں ہونا چاہیے تھا" میرے پاس کوئی آدمی نہیں جو مجھے حوض میں اُتاردے" ایک اور غلطی کااصل سبب یہ ہے کہ ارامی میں اعراب نہیں تھے اورمختلف حروف ایک دوسرے کے مشابہ بھی تھے۔ ان مختلف سببوں کی چند مثالیں ہم اپنی کتاب" اناجیلِ اربعہ کی زبان اورچند آیات کا نیا ترجمہ" میں دے آئے ہیں۔

صیغہ متکلم اورصیغہ حاضر کے اسم ضمیر انجیلِ چہارم میں بکثرت آئے ہیں۔ چنانچہ انجیلِ یوحنا میں ۳۰۷ مقامات میں، انجیل متی میں ۹۲ مرتبہ ، مرقس میں ۴۱ دفعہ اورلوقا میں ۸۰ مقامات میں

موجود ہیں۔ ان میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں اردو کی طرح اسمِ ضمیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً "توپانی پی لے" میں لفظ "تو" زائد ہے اوراردو میں یہ اسم ضمیر اُس وقت استعمال ہوتا ہے جب اس پر زوردینا منظورہو۔ یہ حقیقت صاف ظاہر کرتی ہے کہ موجودہ یونانی انجیل اصل ارامی کا ترجمہ ہے کیونکہ یونانی زبان میں فعل ہی سے صیغے معلوم ہوجاتے ہیں اور ضمائر "میں"، "تو"، "ہم"، "تم" وغیرہ کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

ارامی زبان کا ایک اورخاصہ ہے کہ زمانہ گذشتہ کے واقعات کو بیان کرتے وقت زمانہ حال کا فعل استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا ذکر ہم انجیلِ مرقس کی بحث میں کر آئے ہیں۔ یہ فعل حال انجیل یوحنا میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ فعل ۱۶۴ مرتبہ یوحنا میں، ۷۸ مرتبہ متی میں اور ۱۵۱ مرتبہ انجیل مرقس میں پایا جاتا ہے لیکن انجیلِ لوقا میں صرف ۶ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ انجیل اوّل ودوم وچہارم ارامی اصل کے لفظی یونانی ترجمے ہیں۔جس طرح یونانی کے نحو کے مطابق یہ استعمال غلط ہے اسی طرح اردو کے قاعدہ کے خلاف ہے لہذا اناجیل کے اردو کے بامحاورہ ترجمہ میں ماضی کا فعل استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً یوحنا اس کی بابت گواہی دیتا ہے کہ" بجائے اردو انجیل میں" یوحنا نے اس کی بابت گواہی دی"(۱: ۱۵) "یسوع کی ماں اس کو کہتی ہے کہ" بجائے ترجمہ ہے" یسوع کی ماں نے اس کو کہا"(۲: ۳) وغیرہ۔ پس یونانی انجیل میں خلافِ قاعدہ فعل کا استعمال صاف ثابت کرتا ہے کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی میں لکھی گئی تھی۔

ارامی نحو کے مطابق ماضی کی بجائے ماضی استمراری کا فعل استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً "اس نے کہا" کی بجائے" وہ کہتا تھا" اوریہ استعمال اکثر مرقس اوریوحنا کی انجیلوں میں پایا جاتا ہے، جو ان کا ارامی الاصل ہونا ثابت کرتا ہے۔

ارامی زبان میں فعل مستقبل کی بجائے فعل حال کو استعمال کیا جاتا ہے اوریہ بالخصوص انجیلِ یوحنا میں بکثرت آیا ہے مثلاً جو میرے بعدآتا ہے " (۱: ۵، ۲۷، ۳۰۔ ۴: ۲۱، ۲۳ وغیرہ)۔ یہ اردوزبان کے محاورے کے مطابق بھی ہے لہذا اردو مترجمین نے بھی یہ فعل حال استعمال کیا ہے۔ لیکن یہ یونانی زبان کا محاورہ نہیں ہے ۔ لیکن انجیلِ یوحنا میں ۲۸ مقامات میں آیا ہے۔ دیگر اناجیل میں بھی یہ خصوصیت موجود ہے گواس کثرت سے نہیں پائی جاتی ۔ مثلاً متی ۱۷: ۱۱، ۲۴: ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۲۷: ۴۹۔ لوقا ۱۷: ۲۰، ۳: ۲۹، ۳: ۱۶، ۷: ۲۰۔ ۱۲:

۳۹، ۴۰۔ مرقس ۱: ۷۔ ۹: ۱۲۔ وغیرہ۔ ان میں سے بعض مقامات میں اردو مترجمین نے فعل مستقبل کا استعمال کیا ہے۔

ہم نے صرف چند عام فہم مثالیں دی ہیں تاکہ اردو خوان ناظرین جو یونانی اورارامی زبانوں سے ناواقف ہیں ، اُن وجوہات سے واقف ہوجائیں جن کی بناء پر علماء اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ انجیل ارامی زبان میں پہلے پہل لکھی گئی تھی ، اوراس کا بعد میں یونانی زبان میں لفظی ترجمہ کیا گیا تھا۔

ہم نے اس حصہ کے باب دوم میں اس انجیل سے چند مثالیں دے کر بتلایا تھاکہ اس میں ارامی اورعبرانی نظم کی صنعتیں موجود ہیں اورکہ اس کی آیات کا متن یونانی سے ارامی میں ترجمہ کیا جاسکتا ہے۔پروفیسر برنی اوردیگر علماء نے اس انجیل کے مختلف مقامات کا ترجمہ کرکے اس کا ارامی الاصل ہونا ثابت کیا ہے۔ مثلاً پروفیسر برنی نے انجیل کے دیباچہ (آیات ۱: ۱۴) کا ترجمہ کیا ہے بعض مقامات میں ارامی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو ذومعنی ہیں اورجن کا یونانی انجیل میں موجود ہونا انجیل کے ارامی الاصل ہونے کا ثبوت ہے۔ مثلاً آیت " اس مقدس کو ڈھادو تو میں اسے تین دن میں کھڑا کردوں گا"(۲: ۱۹) کے الفاظ ذومعنی ہیں۔ سامعین ان الفاظ سے یہ سمجھے کہ آنخداوند ہیکل کو تین دن میں کھڑا کردینگے (متی ۲۷: ۴۰۔ مرقس ۱۵: ۲۹)۔ لیکن منجئی جہان کا مطلب یہ تھا کہ آپ موت کے بعد تیسرے دن جی اٹھینگے۔ اس کلمہ مبارک میں آپ نے ارامی لفظ" ہیکل" استعمال فرمایا تھا ذومعنی[1] ہے۔ چنانچہ عربی میں بھی یہ لفظ ذومعنی ہے اوراسکا مطلب ہے "کوئی عالیشان شے۔ بڑا مادی وجود ، بڑی عمارت، بدن، بڑی عمارت ۔ ہیکل" چنانچہ اردوزبان میں بھی لفظ " دیو ہیکل" استعمال ہوتا ہے۔ اس آیہ شریفہ میں آنخداوند نے فرمایا تھا " اس ہیکل (بمعنی عمارت) کو ڈھادو" ایک اورمثال ملاحظہ ہو " اس کی معموری میں سے ہم سب نے پایا یعنی فضل پر فضل "(۱: ۱٦)۔ اس آیت میں حرفِ جار" اینٹی" یونانی متن میں آیا ہے ۔ جس کے عام طورپر" بجائے" کے معنی لئے جاتے ہیں۔یہاں یونانی میں ارامی لفظ کا لفظی ترجمہ کیا گیا ہے اور لفظ" فضل" کے لئے جو ارامی لفظ ہے اس کے معنی " بے توفیقی" کے بھی ہیں پس یہاں مصنف نے دیدہ دانستہ ایک ذومعنی لفظ استعمال کیا ہے، جس سے یہ آیہ شریفہ کا مطلب یہ ہوا " اُس کی معموری میں سے ہم سب نے بے توفیقی کی بجائے توفیق اورالزام کی بجائے رحم

[1] Expository Times 1910 pp.191-192

کو پایا " کیونکہ یہی خیال اگلی آیت میں بھی پایا جاتا ہے " شریعت تو موسیٰ کی معرفت دی گئی ، جس کی وجہ سے الزام پایا لیکن توفیق اور سچائی یسوع مسیح کی معرفت پہنچی "۔ یہی خیال پولوس رسول کا بھی ہے۔ ہم بتلاآئے ہیں کہ دونوں مصنف اوّلین دور میں کلیسیا کے استادوں کے زمرہ کے ممتاز افراد تھے۔ پس آیہ زیر بحث میں یونانی متن کا لفظ جس کا ترجمہ " فضل " کیا گیا ہے اوریونانی حرفِ جار کا وجود اس وجہ سے ہے کہ مترجم کو یہ علم نہ تھا کہ اصل ارامی لفظ ذومعنی ہے[1]۔ آیت ۱۵ میں متوازیت کی صنعت بھی موجود ہے اوراس کے علاوہ ارامی الفاظ " مقدم " اور" پہلے " کے ایک سے زیادہ معنی ہیں جن کو اردو ترجمہ ظاہر کردیتا ہے۔ یونانی انجیل میں اس قسم کے ذومعنی الفاظ کا وجود ثابت کرتا ہے کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی۔

ان اوردیگر وجوہ کی بناء پر علماء کا ایک بڑا گروہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ انجیل یوحنا پہلے پہل ارامی میں لکھی گئی تھی[2]۔اس گروہ میں متعدد سرکردہ عالم ہیں ۔ چنانچہ پروفیسر برنی اورپروفیسر ٹوری عہدِعتیق کی عبرانی کے عالم ہیں اورارامی، عبرانی، سریانی، اوردیگر سامی زبانوں کے بھی ماہر ہیں[3]۔ پس ان کے نتائج نہایت وزن دار ہیں جن کو رد کرنے کے لئے نہایت وزن دار دلائل کی ضرورت ہے۔

(۵)

بعض اصاحب جو اس پر مُصر ہیں کہ اناجیلِ اربعہ پہلے پہل یونانی میں لکھی گئیں ایک اورنظریہ پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت کلمتہ اللہ یونانی سے واقف تھے پس آپ نے اپنے سامعین کو جو گلیلی تھے (لہذا یونانی سے بھی واقف تھے) یونانی زبان میں تعلیم دی تھی۔ اوراناجیل پہلے پہل یونانی زبان میں لکھی گئیں جن کا بعد میں ارامی زبان میں ترجمہ کیا گیا اوراس ارامی ترجمہ کا دوبارہ پھر یونانی زبان میں ترجمہ کیا گیا!!۔ یہ نظریہ ایسا مضحکہ خیز ہے کہ عقلِ سلیم اس کو قبول نہیں کرسکتی، اورنہ کوئی دلیل اس مفروضہ کو قائم کرتی ہے۔ اس بات کو کون مان سکتا ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ نے فقیہوں اورفریسیوں سے بحث کرتے وقت یونانی زبان کا استعمال کیا تھا؟ جیسا ہم بتلاچکے ہیں کہ آپ کے دلائل یہودی ربیوں کے سے ہیں جن کا انحصار کتُب عہدِ عتیق پر ہے۔ اگرآنخداوند یونانی میں تعلیم

---

[1] M.Black, “Does an Aramaic Tradtion underline John1: 16 J.Th.S.Jan-April 1941

[2] See Dr.J.C.Ball Exp. Times Nov.1909

[3] See.Dr.J.C.Ball, Exp Times Nov.1909 C.F.Burney, Aramaic Origin of the Fourth Gospel 1922 Torrey, Four Gospels and Our Translated Gospels Burch.The Structure and Message of the Fourth Gospel 1928.Manson, The Incarnate Glory 1928.

دیتے توکیا آپ کے دشمنِ جان فریسی آپ کو یونانیت کے شیدائی کا خطاب نہ دیتے؟

حق تویہ ہے کہ اس رسول کا تعلق علم اللسان کے ساتھ ہے۔ اگر حضرت کلمتہ اللہ کے مبارک الفاظ کو جمع کیا جائے توان کا مقابلہ سیپٹواجنٹ کے مترادف الفاظ سے اوردیگر تراجم کے الفاظ سے اورترجمہ پشیتہ کے الفاظ سے کیا جائے تو یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ آنخداوند ارامی بولتے تھے اورآپ نے ارامی میں ہی تعلیم دی تھی اوراس حقیقت کاذکر ہم اس حصہ کے باب اوّل میں کرآئے ہیں جہاں ہم اس نظریہ کا کھوکھلا پن ثابت کرآئے ہیں کہ آنخداوند نے سامعین کویونانی زبان میں تعلیم دی تھی۔

اگرہم اس نظریہ کو تسلیم کرلیں کہ اناجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھیں تو اس حقیقت سے چند ایک نہایت اہم نتائج برآمد ہوتے ہیں:[1]

(۱۔) اس کا اثر اناجیل کے پایہ اعتبار پر پڑتا ہے۔ اگریہ حقیقت ہے کہ اناجیل ارامی زبان میں لکھی گئی تھیں توظاہر ہے کہ یہ اناجیل اُن لوگوں کی حین حیات میں ہی احاطہ تحریر میں آگئی تھیں جو "شروع سے خود دیکھنے والے اورکلام کے خادم تھے"(لوقا۱: ۲)۔ پس اس حقیقت سے ثابت ہوتا ہے کہ اناجیل نہایت قدیم ہیں اوران کاپایہ اعتبار بے نظیر ہے۔

(۲۔) اس نظریہ کی روشنی میں ہم کو اناجیل کی جائے تصنیف کا علم بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ اگریہ حقیقت ہے کہ یہ اناجیل ارامی زبان میں پہلے پہل لکھی گئی تھیں توظاہر ہے کہ یا تو وہ ارضِ مقدس کنعان میں لکھی گئی تھیں یا وہ ملکِ شام میں لکھی گئی تھیں جہاں ارامی اوریونانی دونوں زبانیں بولی جاتی تھیں چونکہ اس ابتدائی زمانہ میں ملکِ شام میں کلیسیائیں نہیں تھیں لہذا نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ ارامی اناجیل پہلے پہل ارضِ مقدس میں ہی لکھی گئی تھیں۔

(۳۔) اس نظریہ سے یہ بھی اظہر من الشمس ہوجاتا ہے کہ اناجیل کی تصنیف کی تاریخیں جو ہم نے تجویز کی ہیں صحیح ہیں کہ چاروں کی چاروں انجیلیں ۶۰ء سے بہت پہلے یعنی صلیبی واقعہ کے پچیس سال کے اندراندرلکھی گئی تھیں۔

[1] F.V.Filson Origin of the Gospels pp.61-63

فصل پنجم

ارامی اناجیل کی گمشدگی کے اسباب

ہم نے گذشتہ فصلوں میں فیصلہ کنُ اندرونی اور بیرونی شہادت سے یہ ثابت کردیا ہے کہ مقدس لوقا کی انجیل کے سوا تمام اناجیل اربعہ پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھیں۔اندرونی شہادت ایسی صاف اورواضح ہے کہ اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ بیرونی شہادت کے حق میں یہ قدیم صدیوں کے مختلف علماء کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں ۔ جن سے ظاہر ہے کہ یہ مصنف اس ایک بات پر زوردیتے ہیں کہ یہ اناجیل ارامی زبان میں تھیں۔ یہ حقیقت ان عالم مصنفوں کے لئے بھی موجب حیرت تھی کیونکہ ان کے زمانہ میں ارامی نسخے ناپید ہوچکے تھے اورصرف یونانی اناجیل ہی ہرجگہ مروج تھیں۔

اس کے خلاف بعض محتاط نقاد یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اناجیل اربعہ ہم تک یونانی زبان میں ہی پہنچی ہیں اور سب قدیم اورجدید ترجمے یونانی متن سے ہی ترجمہ کئے گئے ہیں۔ ہم کو اب تک کوئی ایسا نسخہ دستیاب نہیں ہوا جس میں کسی ارامی الاصل انجیل کا جزبھی ہو اورکلیسیائی روایات میں ارامی الاصل اناجیل کا کہیں ذکر نہیں آتا[1] ۔

لیکن یہ دلیل منطقیانہ استد لال کے خلاف ہے ۔ کسی شے کی گمشدگی یا ناپیدگی سے اس کا عدم وجود ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی چیز ہم کو دستیاب نہیں ہوئی تو اس سے یہ لازم نہیں آتاکہ وہ کبھی وجود میں ہی نہیں آئی تھی۔ مثلاً علماء اس امر کو قبول کرتے ہیں کہ مکابیوں کی پہلی کتاب عبرانی اصل کایونانی ترجمہ ہے۔ اب یہ کتاب عبرانی میں موجود نہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ یہ کتاب پہلے پہل عبرانی میں نہیں لکھی گئی تھی[2] ۔ ایک اورمثال یہودی مورخ جوزیفس کی کتاب" تاریخ جنگِ یہود" ہے۔ یہ بات سب کو مسلم ہے کہ اس نےیہ کتاب ایسے لوگوں کے لئے ارامی زبان میں لکھی تھی جو ارامی پڑھتے لکھتے تھے ۔ یہ لوگ نہ صرف کنعان کے یہود تھے بلکہ پارتھیا، بابل ، عرب کے دوردرازمقامات کے قبائل ، فرات کے پارکے یہودی اورادیابین کے باشندے تھے۔ تھیکرے ہم کو بتلاتا ہے کہ اس نےیہ کتاب رومی حکام کے ایماپرلکھی تھی تاکہ پراپاغنڈ کے کام آئے یعنی اس کتاب کا مقصد یہ تھاکہ مغربی ایشیا میں بغاوت اور

---

[1] F.V.Filson Origin of the Gospels p.69
[2] A.Roberts.Expositor, Vol. VI p.86

فساد فردہوجائے۔ پر اب ارامی زبان میں یہ کتاب موجود نہیں ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کتاب اُس زبان میں کبھی لکھی ہی نہ گئی تھی[1]۔

حق تویہ ہے کہ کسی زمانہ یا کسی صدی یا کسی زبان کی کتابوں کا محفوظ رہنا محض ایک اتفاقیہ امر ہوتا ہے ۔ ہم آگے چل کر ان اسباب پر بحث کریں گے جن کی وجہ سے ارامی اناجیل کا رواج بند ہوگیا۔

ارامی اناجیل کے وجود کے خلاف ایک اوردلیل یہ دی جاتی ہے کہ اناجیل کے تمام مشکوک یونانی الفاظ کا ایسی ارامی زبان میں تاحال ترجمہ نہیں کیا گیا جو تمام علماء کے نزدیک مسلم ہو۔ لیکن یہ بھی کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔ مثال کےطورپر ہم مکابیوں کی پہلی کتاب کو لیں ، جو عبرانی اصل کا یونانی ترجمہ ہے۔ جب علماء اس کتاب کے یونانی الفاظ کا دوبارہ عبرانی میں ترجمہ کرتے ہیں تو ظاہر ہوجاتا ہے کہ اصل عبرانی الفاظ کا ہر جگہ ایسا یقینی طورپر ترجمہ نہیں ہوسکتا جس کے سامنے سب علماء سرتسلیم خم کردیں، حالانکہ عہدِ عتیق کے عبرانی متن کا سیپٹواجنٹ میں ترجمہ موجود ہے اوردونوں یونانی متن علماء کے سامنے موجود ہیں، تاہم اُن کو یہ تعین کرنا پڑتا ہے کہ سیپٹواجنٹ کے مترجمین کے سامنے عبرانی اصل متن کے کیا الفاظ تھے[2]۔

یہ ایک تواریخی حقیقت ہے کہ پہلی صدی کی کنعانی تحریرات اب ناپید ہیں اورہمارے پاس اُس خاص زمانہ کی ارامی زبان کی کتب موجود نہیں جس زمانہ میں اناجیل ارامی میں تصنیف کی گئیں۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتاکہ یہ اناجیل پہلے پہل ارامی میں لکھی ہی نہ گئی تھیں۔ ارامی زبان سیدنا مسیح کے زمانہ سے مدتوں پہلے نشوونما پاکر ترقی کرچکی تھی اوراس کی خصوصیات ہر زمانہ میں اورہر جگہ جہاں یہ زبان بولی جاتی تھی، قائم اوربرقرار ہیں۔ چنانچہ دیگر زبانوں کی طرح ارامی زبان کے بھی مخصوص محاورات اورنحوی ترکیبیں وغیرہ فوراً پہنچانی جاسکتی ہیں خواہ وہ ترجمہ کی صورت میں ہی موجود ہوں۔ علاوہ ازیں اس معاملہ میں انکلوس اوریونتن کے تارگم جو اُنہوں نے انبیاء کی صحف مقدسہ پر لکھے ہیں بڑے کام کے ہیں کیونکہ اُن سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ پہلی صدی مسیحی میں ارضِ مقدس میں کس قسم کی ارامی زبان مروج تھی[3]۔ اس کے علاوہ ہمیں

---

[1] W.R.Taylor, Aramaic Gospel Sources .Exp. Times Nov.1937

[2] Burney, Aramaic Origin of the Fourth Gospel p.24

[3] W.F.Albright, The Archaelogy of Palestine p.198.

ایک کتبہ دستیاب ہوا ہے جو ۴۴ قبل مسیح کا ہے۔ اورسیدنا مسیح کی پیدائش سے پہلے ہیرودیس اعظم کے عہد کے یہودی کتبے ملے ہیں جن سے منجئی عالمین کے زمانہ کی ارامی زبان معلوم کرنے میں مدد مل سکتی ہے[1]۔

ان اعتراضات کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ علماء صدیوں سے یہی مانتے چلے آئے ہیں کہ اناجیل کی اصل زبان یونانی ہے لیکن اگرہم اس نظریہ کو مان لیں تو اناجیل کی مشکلات بدستور قائم رہتی ہیں کیونکہ جیسا ہم اپنی کتاب" اناجیلِ اربعہ کی اصل زبان اور چند آیات کا نیا ترجمہ" میں ثابت کرچکے ہیں (۱) اگربعض مقامات پہلے پہل یونانی میں لکھے گئے تھے توان کی سمجھ ہی نہیں آتی لیکن جب ان کا ارامی زبان میں دوبارہ ترجمہ کیا جاتا ہے توان کے معانی روشن ہوجاتے ہیں (۲) بعض الفاظ کو یونانی مترجم نے غلط اعراب دے کریا غلط پڑھ کرترجمہ کردیا ہے جس سے یونانی متن کا مطلب خبط ہوجاتا ہے (۳) یونانی متن کے بے ڈھنگے اور غرائب محاورات اورنحوی ترکیبیں جویونانی زبان کے خلاف ہیں (۴) حروف جاراور افعال کی مختلف صورتوں کا استعمال جو بعض اوقات حیران کنُ ہوجاتا ہے ۔ لیکن جب ان کا دوبارہ ارامی زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے تودقت دورہوجاتی ہے ۔ پس یہ نظریہ کہ اناجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئیں تھیں صحیح ہے۔

(۲)

مسیحی علمِ ادب جو ارامی زبان میں لکھا گیا تھا، سب کا سب ضائع ہوگیا ہے۔ اس میں اناجیل کی نقلیں بھی شامل ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ عداوت تھی جو یہودیوں اورمسیحی کلیسیا میں بڑھتی گئی تھی ۔ ۶۰ء میں یہ خلیج ایسی وسیع نہیں ہوئی تھی (اعمال۲۸: ۲۰تا ۲۲)۔ اس زمانہ میں جیسا ہم اس باب کے شروع میں بتلاچکے ہیں یسوع ناصری کے شاگرد ابھی وفاداریہودی شمارکئے جاتے تھے (اعمال۲۲باب) گو وہ بدعتی سمجھے جاتے تھے۔ ان کی " اناجیل " کو عزت وتکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن یروشلیم کی تباہی نے یہ نقشہ پلٹ دیا۔ تب علمائے یہود نے اناجیل کے خلاف فتوے صادرکردئیے اورمسیحی کتابوں کو تباہ کردیا۔ کیونکہ ان کو نہ صرف یہ اختیار حاصل تھاکہ بلکہ ان میں ایسا کرنے کی قدرت بھی تھی[2]۔ طیطس کے ماتحت رومیوں نے رہا سہا ارامی لٹریچر برباد کردیا جس

[1] Torrey, Our Translated Gospels .p.XIII.

[2] Burkitt, Earliest Sources of the Life of Jesus pp.240-242

طرح اُن سے پہلے مکابیوں کے زمانہ میں یونانیوں نے تباہ کردیا تھا۔ (۱مکابی۱: ۵۶تا ۵۸) اہل یہود سے کہیں زیادہ یہودی مسیحی کلیسیا برباد، تباہ اورپراگندہ ہوگئی کیونکہ کنعان کی بُت پرست آبادی اُن کو یہودی تصورکرتی تھی اور اہل یہود اُن کو بدعتی ، صلح جُو اورشکست پسند خیال کرتے تھے۔ چنانچہ ۶۶ء سے ذرا پہلے اہل یہود کے فسادات میں سیدنا مسیح کے بھائی حضرت یعقوب جو یروشلیم کی کلیسیا کا سر تھے شہید کردئیے گئے ۔ پس یہ اغلب یہ ہے کہ یروشلیم سے مسیحیوں کی ایک بڑی تعداد گلیل کے بڑے شہروں سے (جہاں قوم پرست تنُد مزاج یہودی بستے تھے) یہودی مسیحی ۶۶ء سے پہلے بھاگ کر پراگندہ ہوگئے تھے۔

یہودی مسیحیوں کی پراگندگی نے اس رشتہ اورتعلق کو توڑ ڈالا جو غیر یہودی مسیحیوں میں اوران روایات میں تھا جن کا تعلق سیدنا مسیح کے رسولی حلقہ اورچشم دید گواہوں سے تھا۔ جنہوں نے سیدنا مسیح کے معجزات کو دیکھا تھا اورآپ کے کلماتِ طیبات کو سنا تھا۔

ارامی زبان کے ناپید ہونے کے اسباب میں نہ صرف یہودی مسیحیوں کی پراگندگی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم وجہ یہ تھی کہ کلیسیا میں غیر یہود کی اکثریت ہوگئی تھی اوریہ اکثریت روز بروز بڑھتی گئی تھی۔ آنخداوند اورآپ کے شاگرد ارامی بولنے والے سامی نسل کے یہودی تھے ۔ لیکن دوپشتوں کے اندراندرمسیحی کلیسیاؤں کی ایک بڑی اکثریت یونانی بولنے والی اورسلطنتِ روم کے شہروں میں رہنے والی ہوگئی جس نے یونانی خیالات میں پرورش پائی تھی[1] قدرتاً ارامی اناجیل کا نقل ہونا رفتہ رفتہ بند ہوگیا کیونکہ ان اناجیل کا یونانی زبان میں اس وقت ترجمہ ہوچکا تھا جن کی نقلیں کثرت سے ہوتی گئیں۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا جب ارامی اناجیل ناپید ہوگئیں اورصرف یونانی اناجیل کا ہی رواج ہوگیا اوران یونانی اناجیل کے ترجمے مختلف ممالک کی زبانوں میں ہوگئے ۔

(۳)

مسیحی مورخ کو ان واقعات میں خدا کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ پہلی صدی مسیحی کے اواخر میں دنیا کے حالات دگرگوں ہوگئے تھے[2]۔ رومی سلطنت نے اہلِ یہود کو ایسا کچل دیا تھا کہ اب ارضِ مقدس میں اس زمانہ کے کسی عبادت خانہ کے کھنڈرات بھی نہیں ملتے۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین کو جتنے عبادت خانے ملے ہیں وہ سب کے سب

---

[1] Albright, The Archaeology of Palestine pp. 240-242
[2] B.W. Bacon Studies in Mathew p.58

دوسری صدی مسیحی اوراس کے بعد کے ہیں۔جو یہودی لوگ رومی افواج کے ظلم وستم کے ہاتھوں بچے اُن کو کنعان کی بُت پرست آبادی نے ختم کردیا۔ یہودی قوم کا مرکز یافا اورلدہ کے ساحل کے قصبوں میں منتقل ہوگیا تھا۔

اب مسیحیت ، یہودیت اوریہودیت کی رسوم ورواج سے کلیتہً آزاد ہوگئی۔ اب مسیحی کلیسیا کے لیڈر یہودی مسیحی نہ رہے بلکہ اس کے بشپ یونانی بولنے والے غیریہود تھے۔ ان کی انجیل ارامی کی بجائے یونانی میں تھی جس کے لفظی ترجمہ کی وجہ سے منجئ کونین کے الفاظ اورواقعات نہایت صحت سے محفوظ تھے۔

گو کلیسیامیں غیریہود کی زبردست اکثریت تھی اورمسیحیت مغرب کے شہروں میں ہر جگہ فروغ پارہی تھی لیکن موجودہ یونانی اناجیل اربعہ میں یونانی فلسفہ ، قانون یا تہذیب کا اثر تک نہیں ملتا اوریہ حقیقت اناجیل اربعہ کی قدامت اوراصلیت کی گواہ ہے۔ دوسری صدی کے اوائل میں اناجیل اس قدرقدیم تصور کی جاتی تھیں کہ مقدس متی جیسی انجیل جو یہودی رنگ میں رنگی ہے۔ بالفاظ پروفیسر بیکن" ارامی زبان میں جنوب کی طرف فرات اور ہندوستان کی جانب اوریونانی زبان میں مغرب کی طرف ۔۔۔۔ انطاکیہ کی جانب پھیل گئی تھی اورروم کی کلیسیا نے اس کو قبول کرلیا تھا[1]۔ یہی حال دیگر اناجیل کا تھا۔ دوسری صدی میں چاروں کی چاروں انجیلیں اس قدرقدیم اورمستند تسلیم کی جاتی تھیں کہ ان کی قدامت کو قوانینِ فطرت کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تھی چنانچہ آبائے کلیسیا میں سے مقدس آئیرینوس کہتاہے کہ" جس طرح کائنات کے صرف چار گوشے (یعنی شمال، جنوب، مشرق اور مغرب) ہوسکتے ہیں اورجس طرح دنیا میں چارہوائیں ہیں اورکتاب مکاشفات کے چار حیوان ہیں اسی طرح انجیلیں بھی شمار میں چاراورصرف چار ہی ہوسکتی ہیں"[2]۔

آئیرینوس کا یہ قول نہایت اہم ہے کیونکہ وہ دوسری صدی میں تھا اوریہ صدی تاریخ کلیسیا میں خاص اہمیت رکھتی ہے ، کیونکہ اس صدی میں کلیسیائی تنظیم اورعقائد درحقیقت پنپے۔ اس بشپ آئیرینوس کا زمانہ خاص طورپر قابلِ یادگار ہے کیونکہ وہ رسولی تعلیمات سے بے پئس اورپولی کارپ جیسے آبائے کلیسیائے سے تعلق رکھتا ہے، جو خود مقدس یوحنا کے شاگرد تھے۔ کلیسیا کا یہ ایمان تھاکہ اس کی بنیاد اناجیل اربعہ کے چارستونوں پر قائم ہے اورجب

---

[1]Iren 111.11.
[2] Burkitt, Gospel History and Its Transmission p.280

کبھی یہ اناجیل علانیہ پڑھی جاتی تھیں تو اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے کلیسیائے کے شرکاء زمانہ قدیم سے ہی تعظیماً سروقد کھڑے ہوجاتے تھ ۱ے ۔ یہ دستوراب تک تمام قدیم کلیسیاؤں میں جاری ہے۔

باب ششم

یونانی اناجیل کا زمانہ(از ۳۰ء تا ۶۰ء)

فصل اوّل

غیریہود کلیسیاؤں کاآغازاورقیام

پہلی صدی مسیحی کے آغازمیں یونانیت اوریونانی کلچر اور فلسفہ نے اہل یہود کی زندگی پر زبردست اوروسیع اثر ڈال رکھا تھا۔ تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ یونانی فلسفہ کے تصورات نے تمام مہذب دنیا کو مدت سے اسیر کر رکھا تھا۔ چنانچہ سسرو اورقیصر مارکس آریلیس رومی تھے لیکن یہ دونوں مصنف یونانی فلسفہ کے مرہون منت تھے۔ یہودی قوم کی تاریخ میں یہودیت اوریونانیت میں زبردست تصادم کے باوجود یونانیت نے بے شمار یہودیوں کے دلوں میں گھر کر رکھا تھا۔ اہلِ یہود کے علماء تک اس اثر سے نہ بچ سکے۔ چنانچہ طالمود میں کم از کم تین ہزار یونانی الفاظ اوراصطلاحات پائی جاتی ہیں بلکہ تورات کےلئے لفظ" ناموس" تک استعمال ہوا ہے[2]۔ مقدس پولوس ہمیں بتلاتے ہیں کہ انہو ں نے

[2] T.R.Glover , The World of New Testament p.99

یونانی کلچر میں ترتیب حاصل نہیں کی تھی۔ اوران کی تصنیفات بھی یہی شہادت دیتی ہیں کہ وہ " عبرانیوں کے عبرانی " تھے (فلپی۳: ۵) انہوں نے ربی گملی ایل کے قدموں میں خاص یروشلیم میں تعلیم حاصل کی تھی (اعمال۲۲: ۳)۔ لیکن آخر وہ ترسس میں پیدا ہوئے تھے اوریونانیوں کے درمیان سکونت کرتے تھے اوران سے روزانہ میل جول رکھتے تھے۔ وہ فلاسفر نہ تھے تاہم وہ بھی اپنے خطوط میں ستویقی فلسفہ کی اصطلاحات " نیچر" اور"کانشنس" استعمال کرتے ہیں۔

پہلی صدی مسیحی سے صدیوں پہلے اہلِ یہود پراگندہ ہوکر مختلف ممالک میں مستقل طورپر بودوباش کرتے تھے۔ ان پراگندہ یہودیوں کی مادری زبان یونانی ہوگئی تھی۔ ان کے لئے ملکِ مصر میں عبرانی صحفِ مقدسہ کا ترجمہ یونانی سیپٹواجنٹ کیا گیا تھا۔ اہل یہود کی تبلیغی مساعی نے ہزاروں غیریہود اشخاص کو یہودیت کا حلقہ بگوش کر رکھا تھا(متی ۲۳: ۱۵، اعمال ۲: ۱۰- ۱۳: ۴۳ وغیرہ)۔ جو یہود سے بھی کہیں زیادہ جوشیلے تھے (اعمال۹: ۲۹)۔ یہ لوگ ہمیشہ حق کی تلاش میں رہتے تھے پس قدرتی طورپر مسیحیت کے مبلغ ان یہودی نومریدوں کے پاس مسیحیت کا جانفزاپیغام لے کر گئے اوراس گروہ میں سے ہزاروں جوق درجوق منجئی عالمین کے قدموں میں آگئے۔ جب یہ غیریہود نومرید مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوگئے تو غیریہود بت پرستوں کے درمیان تبلیغ کادروازہ کھل گیا۔ اب مسیحی کلیسیاؤں کو یہودی عبادت خانوں کی ضرورت نہ رہی کیونکہ بقول مور" جس مذہب میں بتوں کی پرستش نہیں ہوتی اس کوکسی ہیکل یاکسی خاص خانہ خدا کی ضرورت ہی نہیں ہوتی"[1] یہ سب یونانی بولنے والے تھے۔ اعمال۶: ۱ میں جس " یونانی مائل یہودی" جماعت کا ذکرآیاہے اس میں نہ صرف وہ لوگ شامل تھے جوپراگندہ یہودی قبائل سے متعلق تھے (اعمال۲: ۱۰) بلکہ وہ غیر یہود بھی شامل تھے جویہودی مذہب کی راہ سے مسیحیت کی آغوش میں آئے تھے مثلاً" نیکولس، نومرید یہودی انطاکی" تھا(اعمال۶: ۵)۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ساتوں ڈیکن" نومرید" تھے اوریہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ان ڈیکنوں کا کام" یونانی مائل یہود" کی خدمت کرنا تھا۔ اس " یونانی مائل" جماعت میں وہ ہزاروں غیریہود اشخاص بھی شامل تھے جو پولوس رسول اوردیگر مسیحی مبلغین کی طفیل منجی کے قدموں میں آئے تھے(۱۰: ۲- ۱۱: ۲۰- ۱۳: ۴۶ وغیرہ)۔ اس " یونانی مائل" جماعت کی مادری زبان یونانی تھی۔ کلیسیا کے دونوں گروہوں"

[1] Moore. Judaism, Vol.1p.26

(عبرانی اور" یونانی مائل") میں مابہ الامتیاز شے صرف ان کی مادری زبانیں تھیں" ۔ عبرانی " مسیحیوں کی زبان ارامی تھی اورباقی کثیر التعداد اورروزافزوں " یونانی مائل " مسیحیوں کی مادری زبان یونانی تھی[1] ۔

پس ابتدا ہی سے یروشلیم میں بھی کلیسیا میں دوزبانیں یعنی ارامی اوریونانی زبانیں مروج تھیں۔ جب جماعت اکٹھی ہوتی ہوگی تو آنخداوند کے کلمات اورمعجزات کا بیان دونوں زبانوں میں کیا جاتا ہوگا۔

(۲)

اعمال کی کتاب اور مقدس پولوس کے خطوط سے پتہ چلتاہے کہ غیریہود میسحی کلیسیائیں بڑی سرعت سے روزافزوں ترقی کرکے سلطنتِ روم کے دور دراز مقامات میں پھیل رہی تھیں۔ چنانچہ پولوس رسول کہتاہے کہ " یروشلیم سے لے کر چاروں طرف الریکم تک" اس نے انجیل جلیل کی " پوری پوری منادی کی" (رومیوں۱۵: ۱۹)۔ مسیحیت کے مستقبل کےلئے یہ قیصریہ نہایت اہم مرکز تھا جس میں گورنر رہتا تھا اوررومی افواج جمع رہتی تھیں۔ سامریہ میں مسیحی نومرید تھے مشرق کی جانب دمشق تک اورشمال کی جانب فینکے کے ساحل تک مسیحی پھیلے ہوئے تھے۔ کپرس میں مسیحی تھے اورایشیائے کوچک میں کلیسیائیں جابجا منظم تھیں، جو اس تجارتی شاہراہ پر واقع تھیں جو سلیسیا سے ایجئین کے ساحل تک تھا۔ افسس کے بڑے مرکز میں کلیسیا تھی ۔ مقدونیہ اوریونان میں کم ازکم نصف اوردرجن کلیسیاؤں کے ناموں سے اعمال کی کتاب کے پڑھنے والے بخوبی واقف ہیں۔ اٹلی کےملک میں مسیحی کلیسیائیں نہ صرف دارالسلطنت روم میں تھیں بلکہ چھوٹے چھوٹے ساحلی بندرگاہوں مثلاً پٹولی میں بھی موجود تھیں۔ یہ تمام کلیسیائیں مقدس پولوس کی شہادت (۶۴ء) سے پہلے وجود میں آگئیں۔

شام کے وسسیع صوبہ میں جو کنعان کےشمال اورشمالی مشرق کی جانب واقع تھا انطاکیہ کازبردست شہر تھا جو دنیا بھر میں روم اورسکندریہ کے بعد تیسرا شہر شمار کیا جاتا تھا۔ یہ شہر مسیحیت کی تاریخ میں نہایت اہم ہے کیونکہ مسیحیت نے غیریہود بُت پرستوں میں درحقیقت اسی شہر میں ہی جنم لیا ۔ یہاں سے مسیحی کلیسیا ہر چہار طرف نہایت زبردست اثر پیدا کرتی گئی۔ کیونکہ یہ جگہ مسیحیت کا پہلا مرکز تھا۔ اس جگہ کے ساتھ مقدس

---

[1] A.S Wilkin "The Language used by Apostles" Expositor 3rd Series Vol.7 See also Exp.Times Aug.1937. p. 524

پولوس، برنباس اورلوقا جیسے اکابردین کاتعلق تھا اوریہاں کی کلیسیا یہ دعوےٰ کرتی تھی کہ مقدس پطرس اس کا اولین بشپ تھا۔

یونان کے ملک میں کرنتھس کی کلیسیا قائم تھی لیکن ایشیائے کوچک کلیسیا کا زبردست گڑھ تھا جہاں جابجا کلیسیائیں قائم تھیں (مکاشفات باب ۲، ۳) ہاراپولس میں مقدس فلپس رہتا تھا اور وہ وہیں فوت بھی ہوا۔ افسس میں مقدس یوحنا رہتا تھا۔ اس جگہ وہ بزرگ مقیم تھے جن سے مسیحی کلیسیا کے لوگ مقدس اندریاس، پطرس، فلپس، توما اوریعقوب وغیرہ رسولوں کی نسبت استفسارکیا کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ارضِ مقدس میں جب فسادات برپا ہوئیء تو وہاں کے کثیر التعداد مسیحی یہاں آبسے تھے۔ایشیائے کوچک میں نومریدوں اورکلیسیاؤں کا شمار نسبتاً بہت زیادہ تھا کیونکہ نہ صرف شہروں بلکہ مضافات اور دیہات کے رہنے والے ہزاروں کی تعداد میں مسیحی ہوگئے تھے ۔ چنانچہ بعد کے زمانہ میں اس علاقہ میں تمام دنیا سے زیادہ مسیحی بستے تھے۔

مکاشفات کی کتاب سے ظاہر ہے کہ ایشیائے کوچک میں سمرنا،پرگم ، تھاتیرہ، ساردس ، فلڈیلفیا وغیرہ میں کلیسیائیں موجود تھیں۔ پطرس کے پہلے خط سے ثابت ہے کہ پلونٹس ، تبونیہ اورکپدوکیہ کے صوبوں میں کلیسیائیں موجود تھیں۔ پاسبانی خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ کریٹ میں کلیسیا تھی۔ گو عہدِ جدید کی کتُب میں کارتھیج ، گال اورہسپانیہ کی کلیسیاؤں کے نام موجود نہیں، لیکن کلیسیائی تاریخ بتلاتی ہے کہ مسیحی کلیسیائیں ان مقامات میں موجود تھیں[1]۔

یروشلیم کے باہر۔ یونانی تہذیب وثقافت اوریونانیت ہر جگہ غالب تھے۔ ہر مقام میں مسیحی کلیسیاؤں کے شرکاء یونانی بولنے والے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ کنعان کی کلیسیائیں بھی نہایت تیزی کے ساتھ دیگر یونانی بولنے والے کلیسیاؤں کا حصہ ہوگئیں۔ پس ۳۵ء اور ۶۵ء کے درمیان مسیحی کلیسیا میں عظیم فرق پیدا ہوگیا۔[2] یہ فرق کلیسیا کی جماعت کے شرکاء میں ، اس کی جغرافیائی وسعت میں ، اس کی زبان میں اوراس کے مذہبی زوایہ نگاہ میں نمودارتھا۔ غرضیکہ اس کی زندگی کے ہر شعبہ میں اس فرق کا اثرروز بروزنمایاں ہوتا گیا۔

---

[1] J.H.Ropes The Church After Paul in Outlines of Christianity ed. By peake and parsons.pp.265- 277

[2] R.H.Lightfoot."Form-Criticsim and Gospel Story Exp.Times Nov.1941

فصل دوم

اہلِ یہود کے معتقدات اوغیر یہود کلیسیاؤں کے تصورات

اناجیل اربعہ کا ارامی سے یونانی میں ترجمہ ہونے کی وجہ صرف یونانی بولنے والی کلیسیاؤں کا قیام ہی نہ تھا۔ ابتدائی ایام ہی سے ان لوگوں پر جو مقدس پولوس کی مانند صاحب بصیرت تھے، یہ عیاں ہوگیا تھا کہ منجئی عالمین کی انجیل صرف اہل یہود تک ہی محدود نہیں رہ سکتی آنخداوند کی آمد کا یہ مقصد نہ تھا کہ آپ کے پیرو فریسیوں کی طرح موسوی شریعت کے پابند رہیں۔ شروع ہی سے ہر عاقل پر یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ آنخداوند کی آمد سے وہ زمانہ ختم ہوگیا ہے، جب یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ہم صرف شریعت ہی سے راستباز ٹھہر سکتے ہیں کیونکہ آنخداوند نے خدا کے پاس جانے کا ایک نیا راستہ بتلادیا تھا ۔ موسوی شریعت کا دقیانوسی دورختم ہوچکا تھا اوراس فرسودہ نظام کی بجائے ایک نیا دوراورنظام شروع ہوگیا تھا جس کا اعمال کی راست بازی کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا[1]۔ اناجیل اربعہ اوراعمال کی کتاب سے ظاہر ہے کہ آنخداوند کے اورکلیسیا کے دشمنوں نے اس نکتہ کو روزِاوّل ہی سے بھانپ لیا تھا۔

جوُں جوُں مسیحیت کی تبلیغ بُت پرست غیر یہود میں ہوتی گئی جن کے جسم ودماغ کی تربیت اورذہنی پرورش یونانیت کی فضا اوریونانی فلسفہ اورکلیچر میں ہوئی تھی ، کلیسیا ارامی اورسامی عناصر کی پابندیوں سے آزاد ہوتی ہوگئی ۔یہودیت نے ۷۰ء کے بعد کلیسیا سے قطع تعلق کرلیا تھا۔ اوریہودی ربیوں نے یہودی کُتُب مقدسہ میں سے اناجیل کوپہلے ہی خارج کردیا تھا۔ چونکہ مسیحی یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ کا استعمال کرتے تھے، یہود نے سیپٹواجنٹ کو ممنوع کتاب قرار دے دیا جس کی" سونے کے بچھڑے" کے ساتھ تشبیہ دی گئی ! جس طرح مکابیوں کےزمانہ میں وہ اونٹی اوکس سے بیزارتھے وہ اب مسیحی کلیسیا سے بیزار ہوگئے[2]۔ مسیحیوں کے خلاف تکفیری کلمات استعمال ہونے لگ گئے۔ چنانچہ یہودی فتوٰی کے الفاظ ملاحظہ ہوں " ان مرتدوں کے لئے کوئی امید باقی نہ رہے۔ ہمارے زمانہ میں اس مغرور بادشاہت (آسمانی بادشاہت) کا خاتمہ ہوجائے۔ ناصری اوردیگر بدعتی ایک لحظہ میں تباہ وبرباد ہوجائیں "۔ یہود نے ۶۲ء میں دورومی گورنروں کی حکومت کے درمیانی عرصہ میں سیدنا مسیح کے بھائی

[1] T.R.Glover Paul of Tarsus p.55

[2] T.R.Glover World of the N.T p.106.

مقدس یعقوب کو شہید کردیا تھا۔ آپ کی شہادت کے بعد آپ کے رشتہ کا بھائی شمعون، یروشلیم کی کلیسیا کا سر بنا جو مقدسہ مریم کے خاوند یوسف کے بھائی کلیوپاس کا بیٹا تھا۔ یہ سرداری اُن کے خاندان میں رہی جب تک وہ بڑھاپے میں چالیس سال بعد صلیب پر شہید نہ کیا گیا۔ اس کے بعد مسیحی کلیسیاؤں کا تعلق یہودی مسیحی کلیسیاؤں کے ساتھ نہ رہا۔ کیونکہ ان کی زبردست اکثریت یونانی بولنے والے لوگوں اوربشپوں پر مشتمل تھی۔

اس اکثریت کا تعلق یہودی معتقدات، خیالات اور تصورات کے ساتھ نہ تھا کیونکہ اس کی تربیت، یونانیت اوریونانی فلسفہ میں ہوئی تھی ۔ دوسری صدی کے آبائے کلیسیا کی تصنیفات کا مطالعہ اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے ۔ چنانچہ مقدس پولوس رسول نے جو کچھ شریعت اورفضل کے متعلق لکھا ہے،وہ ان آبائے کلیسیا کے خیالات سے بیگانہ ہے۔ ان کی تصنیفات میں ہم کو " ایمان سے راست باز" ٹھہرنے کا تصوربمشکل ملتا ہے۔ اس زمانہ کی کلیسیا کے شرکاء تقریباً سب کے سب غیریہود اقوام سے مشرف بہ مسیحیت ہوئے تھے۔ اورنسلاً بحیرہ روم کے مشرقی حصہ کے تھے۔ انہوں نے انہی شہروں کی یونانی تہذیب اورروایات میں پرورش پائی تھی۔ وہ یونانی رومی دنیا کے مکین تھے جن کاتعلق یہودی نسل کی خصوصی فضا کے ساتھ نہ تھا۔ یہ مسیحی عہدِ عتیق کی کُتُب کو مسلم اورمستند مانتے تھے اوران کے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ کا استعمال بھی کرتے تھے لیکن یہ کتابیں ان کے قومی لٹریچر کا حصہ نہ تھیں۔ وہ ان کے لئے بدیشی تھیں جن سے ان کو کوئی مناسبت نہ تھ۔ ان کی زبان اورمحاورے ان کے لئے غیرمانوس اوربعض اوقات پرُاسرار چیستان تھے۔ ان کے لئے مسیح موعود اورخدا کی بادشاہی کے یہودی تصورات طبعی نہ تھے ۔ مثلاً انجیل چہارم اس لئے لکھی گئی تھی " تاکہ تم ایمان لاؤ کہ یسوع ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے"۔ لیکن غیریہود بُت پرست یونانی رومی دنیا کے لئے " خدا کا بیٹا مسیح" ایک بے معنی بات تھی۔ ان کے لئے آنخداوند کا داؤد کے وعدوں کا وارث ہونا کوئی مطلب نہ رکھتا تھا۔ یہودی ریاست ختم ہوچکی تھی۔ یہودی قوم غلام اورشکستہ ہوچکی تھی۔ اب کلیسیا کے شرکاء سب کے سب ، یونانی فسلفہ، یونانی تصورات سے مانوس تھے اوریونانی طرزِمعاشرت کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ یہودی محاورہ " آسمانوں کی بادشاہی" ارامی " لفظ" ملکوت" کا ترجمہ ہے جس کے معنی ہیں"فرماں روائی " حکومت اقتداراعلیٰ ، لیکن اس قسم کے تصورات

یونانی رومی دنیا کے لئے بیگانہ تھے۔ پس ان کے لئے یہ بات کہ آنخداوند خدا کی طرف سے ممسوح ہوکراورمسیح موعود بن کرآئے تھے کوئی معنی نہ رکھتی تھی۔مقدس پولوس نے جن غیر یہود کو کرنتھس اورافسس کی کلیسیا میں شامل کیا تھا ان کے بیٹوں اورپوتوں کے لئے آنخداوند کی زندگی کے وہ واقعات جو صوبہ گلیل یا یروشلیم میں واقع ہوئے تھے اُن کی اپنی دنیا سے غیرمتعلق تھے[1]۔

یہ حالات تو دوسری صدی کے ہیں۔ اس سے پہلے بھی کلیسیا کی زندگی کی جو تصویر ہم کوپہلی صدی کے آخرمیں کتاب (یعنی خداوند کی تعلیم جو دوزادہ رسولوں نے غیر یہودی کو دی") میں ملتی ہے اسی قسم کی ہے۔ اس کتاب کے لکھنے کا مقصد یہ تھاکہ مسیحی کلیسیا کے شرکاء مسیحی زندگی کے علم کو حاصل کریں۔ اس قدیم کتاب کے تین حصے ہیں ۔ (۱) مسیحی اخلاق، (۲) مسیحی عبادت اورتنظیم، (۳) مسیحی اُمید ۔ اس مختصر کتاب سے ہم کو یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ مولف کے خیال میں کلیسیاؤں کوکس قسم کی تعلیم کی ضرورت تھی ۔ ان کلیسیاؤں کے سامنے وہ مشکلات اورمسائل درپیش نہ تھے ، جو یہودی کلیسیاؤں یا مقدس پولوس کے غیر یہود بپتسمہ یافتگان کے درپیش تھے۔ اس کتاب میں آنخداوند کی زندگی کے واقعات کا ذکر تک نہیں ملتا۔ بلکہ اس کے پڑھنے سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتاکہ منُجی عالمین کبھی مصلوب بھی ہوئے تھے۔ ان اُمور سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی صدی کی غیر یہود مسیحی کلیسیا کے ذہن میں آنخداوند کے مشن کا کونسا پہلو زیادہ غالب تھا۔اُن کے لئے مسیح ابن اللہ جو خدا کا پیغام لےکر دنیا میں آیا، جس نے حیاتِ جاودانی کی بشارت دی ، جو آسمان کے بادلوں، پر مقررہ وقت پر جلال کے ساتھ ظاہر ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ مختلف قسم کے فلسفیانہ بدعتی خیالات کلیسیا میں پیدا ہوگئے جو غناسطی اور ڈوسٹی قسم کے تھے[2]۔ جن سے ظاہر ہے کہ یونانی بولنے والی کلیسیاؤں کے شرکاء صوبہ گلیل کی یہودیت اوراہلِ یہود کے خیالات، تصورات ، تہذیب وثقافت سے اجنبی اورناواقف تھے پس وہ اُن کی جانب توجہ نہیں دیتے تھے۔

مندرجہ بالا حقیقت اناجیلِ اربعہ کی اصل زبان،ان کی قدامت اوران کے زمانہ تصنیف کے پیچیدہ سوالات پر بھی روشنی ڈالتی ہے(۱) اگریہ اناجیل پہلی صدی کے آخری ربع میں لکھی جاتیں جیسا

[1] Burkitt Gospel History and Its Transmission pp.269-70

[2] Ibid pp.270-273

بعض علماء کا خیا ہے، تو وہ ارامی زبان میں ہرگز نہ لکھی جاتیں۔ ان کی اصل زبان یونانی ہوتی اوریہ یونانی زبان ٹکسالی زبان ہوتی۔ کسی مصنف کے خواب وخیال میں بھی نہ آتا کہ وہ ایسی انجیل لکھے جس کے الفاظ تویونانی ہوں لیکن محاورے یہودی، اور فقروں کی نحوی ترکیبیں ارامی زبان کی ہوں۔ چاروں انجیلیں خالص ٹکسالی یونانی زبان میں لکھی جاتی جس طرح مقدس لوقا کی انجیل کا دیباچہ اعلیٰ قسم کی ادبی یونانی میں لکھا ہے۔ پس اناجیل کی موجودہ یونانی زبان صاف ثابت کرتی ہے کہ ان کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب کلیسیا کا غالب عنصر یہودی مسیحیوں پر مشتمل تھا اوریہودیوں کی زبان الہامی اور مقدس زبان شمارکی جاتی تھی ۔ جس کا اسی قسم کی یونانی زبان میں ترجمہ کیا گیا جس قسم کا عبرانی صحفِ مقدسہ کا سیپٹواجنٹ میں ترجمہ کیا گیا تھا۔

(۲۔) اگر اناجیل اربعہ ۷۰ء کے بعد لکھی جاتیں تو اس میں سیدنا مسیح کی زندگی کے وہ واقعات درج نہ ہوتے جو اُن میں اب مندرج ہیں ۔ کیونکہ جیسا ہم بتلاچکے ہیں غیر یہود کلیسیاؤں کو ان امور کے ساتھ دلچسپی نہ تھی۔ اناجیل میں اہل یہود کی اُن امیدوں کا ذکر بھی نہ ہوتا جو مسیحِ موعود کی ذات سے وابستہ تھیں۔ کیونکہ اس قسم کی باتیں تقویم پارینہ کی طرح بیکار اوران کے لئے کوئی معنی نہ رکھتی تھیں۔پس ان امور کا اناجیل میں موجود ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ اناجیل ۷۰ء سے بہت پہلے لکھی گئی تھیں، جب غیر یہود اقوام کے خیالات ، تصورات اورذہنیت نے ابھی کلیسیا میں جڑ بھی نہ پکڑی تھی۔

اگرچہ غیر یہود کلیسیائیں پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی میں ہر چہارطرف بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کرکے پھیلتی جارہی تھیں تاہم اناجیلِ اربعہ اورانجیلی مجموعہ کی باقی کُتُب کا ایک ایک لفظ ان کی قدامت کے باعث نہایت صحت کے ساتھ نقل ہوتا رہا۔ مختلف ممالک کی کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں یہ نقلیں موجود تھیں حالانکہ ان اناجیل کی فضا ، الفاظ ، محاورات ، معتقدات وغیرہ ارضِ مقدس کنعان سے ہی متعلق تھے۔ جو غیر یہود اقوام یونانی زبان سے ناواقف تھیں اُن کی خاطر ان کتابوں کے ترجمے کئے گئے جن کا مفصل ذکر ہم اپنی کتاب" صحتِ کُتُب مقدسہ" میں کرچکے ہیں۔ اس حقیقت سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ پہلی صدی کے اواخر میں اناجیلِ اربعہ کس قدر مستند مانی جاتی تھیں ۔ ان کا پایہ اعتبار مسلم تھا اوراُن کی قدامت کے سامنے ہر کہہ ومہ کا سر تسلیم خم تھا۔ حق تو یہ ہے

که اناجیلِ میں یه ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو سیدنا مسیح کی وفات کے بیس تیس سال کے اندراندرنه لکھا گیا ہو[1]۔ اناجیل اربعه نے اپنی قدامت کی وجه سے اس قدیم زمانه میں غیریہود کلیسیاؤں میں ایسی مضبوطی سے قدم جمالئے تھے که کسی کے خواب وخیال میں بھی یه نه آیا که ان کے مستند ہونے کو ایسا چیلنج کرے که اُن کے قدم اکھڑ جائیں۔ ۱۵۰ء تا ۱۹۰ء کا عرصه اناجیل اربعه کے قطعی طورپر مسلم اور مستند تسلیم کئے جانے کا زمانه ہے۔

[1]C.C. Torrey Four Gospels pp.254 ff.Also see W.C. Allen in Exp Times Vol 20 pp.445 Vol.21. pp. 439 ff and Vol2 pp.349 ff.

فصل سوم

اناجیل کے یونانی تراجم کی تاریخ

ہم نے جلد اوّل کے حصه سوم میں اناجیلِ متفقه کی تاریخ تصنیف اوراس جلد کے حصه چہارم میں انجیل یوحنا کی تاریخِ تصنیف پر مفصل بحث کی ہے۔ ہم نے یه ثابت کردیا ہے که قدیم ترین انجیل ۴۰ء میں لکھی گئی تھی۔ مقدس متی اورمقدس یوحنا کی انجیلیں ۵۰ء کےلگ بھگ لکھی گئیں اورمقدس لوقا کی انجیل ۵۵ء اور ۵۷ء کے درمیان احاطه تحریر میں آگئی تھی۔ پس تمام اناجیل یروشلیم کی تباہی سے مدتوں پہلے لکھی گئی تھیں۔ اگران کی تصنیف کے وقت یروشلیم اوراس کی ہیکل برباد ہوگئی ہوتی تو انجیل نویس آنخداوند کی نبوت کے پورا ہونے کاذکر ضرورکرتے جس طرح مقدس یوحنا دیگرپیشین گوئیوں کے پورا ہونے کا ذکرکرتا ہے(۱۸: ۹۔ مقابله ۱۷: ۱۲۔ ۱۸: ۱۴ مقابله ۱۱: ۵۰۔ ۱۲: ۲۳۔ ۱۸: ۳۳)۔ چنانچه یہودی عالم جی ۔ ایف ۔ مورلکھتا ہے که یروشلیم کی بربادی کی دلیل مسیحیوں کے ہاتھوں میں ایک زبردست حربه تھا۔ کیونکه اہل یہود نے" اس قدوس کا انکارکیا اورزندگی کے مالک کو قتل کیا"(اعمال۳: ۱۴الخ) بربادی کے واقعه سے پہلے مقدس پولوس نے کہا تھا که اُن پر

غضب نازل ہوکر رہے گا۔ (۲تھسلینکی۲: ۱۰) پس جو مبلغ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ یسوع ناصری مسیح موعود ہے،اُن کے ہاتھوں میں یہ زبردست حربہ تھا کہ شہر مقدس کی بربادی بلائے آسمانی تھی جو مسیحِ موعود کی پیشین گوئی کے عین مطابق تھی۔ یہ ممکن ہے کہ ایک انجیل نویس اس حربہ کا استعمال نہ کرتا چاروں کے چاروں انجیل نویسوں کی خاموشی صاف ثابت کرتی ہے کہ اناجیلِ اربعہ ۷۰ء کے واقعہ ہائلہ سے سالہسال پہلے تحریر میں آچکی تھیں۔

اناجیل کو پڑھنے سے یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ مقدس متی اورلوقا کی تصنیفات اورمقدس مرقس کی انجیل کے درمیان کوئی لمبا چوڑا وقفہ حائل نہ تھا۔ مقدس یوحنا کے بیانات کی تازگی اورمکالمات کی شگفتگی صاف ثابت کرتی ہے کہ انجیل چہارم صلیبی واقعہ کے چند سالوں کے اندراندرلکھی گئی تھی۔

یہ امر بھی معنی خیز ہے کہ مقدس پولوس رسول آنخداوند کی زندگی کی تفاصیل کا کہیں ذکر نہیں کرتا۔ ۲کرنتھیوں ۵: ۱۶ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اس امر کی جانب سے بے پرواہ تھا کیونکہ وہ باربار آنخداوند کی صلیبی موت ، قیامت اور صعود کے واقعات کا ذکر کرتا ہے اورآپ کو ایک کامل انسان مانتا ہے۔ اوراگر کوئی پوچھے کہ اس کامل انسان مسیح کی پیروی کا کیا مطلب ہے تو اس کے جواب میں وہ اخلاقی فرائض کا خاکہ پیش کرتا ہے مثلاً کرنتھیوں کے پہلے خط کے ۱۳باب میں وہ محبت کا تصور پیش کرتا ہے ۔ فلپیوں۲: ۵تا آخر گلتیوں ۵: ۲۲تاآخر۔ کلسیوں ۳: ۱۲ تاآخر وغیرہ کو ملاحظہ کرو۔ یا ۱کرنتھیوں میں ہے" تم میری مانند بنو جیسا میں مسیح کی مانند بنتا ہوں"(۱۱: ۱)۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگراناجیل احاطہ تحریر میں نہیں آچکی تھیں تویہ باتیں پولوس رسول نے کہاں سے حاصل کیں؟ محض سینہ بسینہ زبانی روایات کا نظریہ اس حقیقت کی تشریح کے لئے کافی نہیں ہوسکتا۔ یہ خطوط قدیم مسیحی لٹریچر ہیں پس ان میں آنخداوند کی زندگی کا جوعکس پایا جاتا ہے وہ اس امر کا بین ثبوت ہے یہ کہ اناجیل مقدس پولوس کی زندگی ہی میں تحریری شکل میں موجود تھیں[1]۔

اناجیلِ اربعہ کی ہم رنگی اوریکسانیت بھی اُن کی اصلیت اورپایہ اعتبارکا اہم ثبوت ہے۔یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اناجیل اربعہ اور مقدس پولوس کے خطوط میں کسی قسم کی تفاوت پائی نہیں جاتی۔ یہ حقیقت ان اناجیل کی قدامت اورپایہ اعتبارکی زندہ گواہ ہے۔

---

[1] Blunt.St.Mark pp.17-18

ہم ان امورپر اس کتاب کے حصہ سوم اورچہارم میں مفصل بحث کرچکے ہیں۔ لہذا ان کا اعادہ مناسب نہیں سمجھتے۔ مذکورہ بالا باتیں صرف ناظرین کو ان نتائج کی یاددہانی کے لئے لکھی گئی ہیں کہ مقدس مرقس کی انجیل ۴۰ء میں[1]۔ مقدس متی اورمقدس یوحنا کی اناجیل ۵۰ء کے لگ بھگ اورمقدس لوقا کی انجیل ۵۵ء اور۷۵ء کے درمیان احاطہ تحریر میں آچکی تھیں۔

(۲)

اعمال کی کتاب کے باب ۶تا ۸ سے ظاہر ہے کہ ابتدا ہی سے یونانی بولنے والے مسیحی یروشلیم میں موجود تھے۔ آثارِقدیمہ سے امر کی شہادت ملتی ہے کہ یونانی مائل یہود کے عبادت خانے یروشلیم میں بھی تھے اوراُن کی مادری زبان یونانی تھی[2]۔ اعمال ۱۱باب تاآخر سے ثابت ہے کہ یونانی بولنے والے مسیحی، کلیسیا کی تبلیغی مساعی میں ہر جگہ پیش پیش تھے۔ اوران کی کوششوں سے ہزاروں غیر یہود منجئی عالمین کی نجات سے بہرہ اندوز ہوگئے تھے۔ ان ہزاروں یونانی مائل یہود اورغیر یہود نومریدوں کے لئے یہ ضرورت تھی کہ وہ یونانی میں آنخداوند کے کلمات اور سوانح حیات سے واقف ہوں۔ پس ان کے لئے دورِاوّلین میں انجیلی بیانات کے ماخذ نہایت سرعت کے ساتھ ارامی زبان سے یونانی میں ترجمہ کئے جارہے تھے جو یونانی بولنے والے مسیحیوں میں مروج تھے[3]۔

(۱۔) قدرتی طورپر پہلے پہل رسالہ کلمات کا یونانی میں ترجمہ کیا گیا اورکئی سالوں تک یہ رسالہ ارامی زبان میں عبرانی مسیحیوں میں، اوریونانی زبان میں یونانی بولنے والے مسیحیوں میں مروج رہا۔ ہائراپولس کا بشپ پے پئس ہم کو بتلاتا ہے کہ اس رسالہ کے متعدد ترجمے ہوئے۔ ہم ذکر کرآئے ہیں کہ مقدس لوقا نے اس رسالہ کا ایک ترجمہ استعمال کیا تھا اورمقدس متی کی انجیل کے مترجم نے اس کا دوسرا ترجمہ استعمال کیا تھا۔

(۲۔) جب ۴۰ء میں مقدس مرقس کی انجیل ارامی زبان میں لکھی گئی تو اس کا ترجمہ بھی یونانی زبان میں کیا گیا تاکہ یونانی بولنے والے کلیسیائیں منجئی جہان کی زندگی کے واقعات سے کماحقہ واقفیت حاصل کرسکیں۔ چنانچہ جب آنخداوند کی نجات کے پیغام کی مغرب کی جانب اشاعت ہوتی تو انجیلِ مرقس کا یونانی ترجمہ ہوا[4]۔ مترجم نے یونانی بولنے والوں کی خاطر بعض ارامی

---

[1] See also A.S.Barnes.J.Th S.Vol.VI p.187.
[2] F.V.Filson the Origin of Gospels p. 80.
[3] Ibid.pp.80, 115.
[4] W.C.Allen, J.Th. S Jan-April 1946 pp.46-49.

الفاظ کو اصل زبان میں لکھ کراُن کا بھی ترجمہ کردیا(۳: ۱۷۔ ۵: ۴۱۔ ۷: ۱۱۔ ۷: ۳۴۔ ۱۵: ۳۴۔ ۱۵: ۴۲)۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس انجیل کے تصنیف کئے جانے اوراس کے ترجمے کئے جانے کا درمیانی عرصہ نہایت قلیل تھا ورنہ مترجم اصل ارامی الفاظ کو لکھنے کی زحمت نہ اٹھاتا ان ارامی الفاظ کا صحیح ترجمہ بھی اسی بات کی شہادت دیتا ہے۔ چنانچہ ایک موضوعہ کتاب" انجیلِ پطرس" میں غیر زبان کے ایک لفظ کا غلط ترجمہ کیا گیا ہے اوراس کتاب کی بعد کی نقلوں میں سے اس کے ارامی الفاظ زائد سمجھ کر خارج کردئیے گئے ہیں۔ مقدس متی کی انجیل کے ترجمہ کے وقت انجیل ودوم کا ترجمہ یونانی بولنے والی کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں ہر جگہ موجود تھا۔

(۳۔) جب مقدس متی کی انجیل ارامی زبان میں ۵۰ء کے لگ بھگ لکھی گئی تو" یونانی مائل یہودی" مسیحیوں کی خاطر اس کا یونانی میں ترجمہ کیا گیا کیونکہ اُن کا گروہ مشرف بہ مسیحیت ہونے سے پہلے یہودیت کو قبول کرچکا تھا۔ پس انجیل متی کے مترجم نے رسالہ کلمات کے ترجمہ کااصل ارامی زبان سے مقابلہ کرکے اس کی نظر ثانی کی اورانجیلِ مرقس کے یونانی ترجمہ کو بھی استعمال کیا۔ اس نے انجیلِ کے باقی ماندہ حصص کا ترجمہ کرکے تمام انجیل کے ترجمہ کو پورا کردیا۔ مقدس متی کی انجیل کے مترجم نے نہ صرف رسالہ کلمات کی یونانی زبان کی نظر ثانی کی ہے بلکہ مقدس مرقس کی یونانی انجیل کی زبان کی بھی نظر ثانی کی ہے[1] ۔ قیاس یہی چاہتا ہے کہ انجیل متی کا یونانی ترجمہ اُس کی تصنیف ہونے کے چند سال کے اندراندرمکمل ہوگیا تھا۔

(۴۔) جب مقدس لوقا قیصریہ میں تھا اُس نے اپنی انجیل، یونانی بولنے والے غیر یہود مسیحیوں کے لئے ۵۵ء اور ۷۵ء کے درمیانی عرصہ میں یونانی زبان میں لکھی۔ اس نے رسالہ کلمات کے یونانی ترجمہ کو اورانجیلِ مرقس کے یونانی ترجمہ کو استعمال کیا اوراپنے خاص ماخذوں کا جوارامی زبان میں تھے، یونانی میں ترجمہ کیا اوران سب کی جمع اورتالیف کرکے اپنی انجیل کو یونانی زبان میں لکھا۔

(۵۔) مقدس یوحنا نے یروشلیم میں اپنی انجیل کو ارامی زبان میں لکھا۔ انجیل کی اندرونی شہادت سے ظاہر ہے کہ اس کے دلائل وبرہان کے مخاطب ۔ یہودی مذہب کو ماننے والے تھے(۲۰: ۲)۔

---

[1] J.H.Moulton “NT Greek in the light of Modern Discovery in Cambridge Biblical Essays p. 485

پس "یونانی مائل یہود" (جنہوں نے پہلے یہودیت کو قبول کر رکھا تھا) اوریونانی بولنے والے شرکائے کلیسیا کے لئے اس انجیل کا یونانی میں ترجمہ ہوگیا۔اس ترجمہ میں بھی اصل عبرانی کا سالطف ہے جس کی وجہ سے بعض علماء کا خیال ہے کہ اس انجیل کے اصل عبرانی اور ارامی ماخذوں میں اوراس کی یونانی زبان میں بہت سالوں کا فاصلہ حائل نہیں ہے[1]۔ہمارا قیاس یہ ہے کہ اس انجیل کا یونانی ترجمہ ۵۵ء کے قریب کیا گیا تھا۔

پس اناجیل اربعہ یونانی زبان میں ٦٠ء سے پہلے یعنی منجئی جہان کی صلیبی موت کے تیس سالوں کے اندراندروجود میں آکر رومی یونانی دنیا کی کلیسیاؤں میں مروج ہوگئیں۔

(۳)

اناجیلِ اربعہ کے یونانی ترجموں میں خدا کی پروردگاری اورحفاظت کا ہاتھ صاف طورپر نظر آتا ہے۔ اگران اناجیل کا ترجمہ یروشلیم کی تباہی سے پہلے سر انجام پاکر سلطنت روم کے مختلف گوشوں میں مروج نہ ہوجاتا تو اناجیل صرف ارامی زبان میں ہی ہوتیں اوریہودی مسیحیوں کےساتھ ہی ان اناجیل کا بھی خاتمہ ہوجاتااورمسیحیت کی اشاعت صرف ارضِ مقدس تک ہی محدود رہتی اوریہودی مسیحیوں کی پراگندگی کے ساتھ یا تو ارامی اناجیل کی طرح ختم ہوجاتی اوریا سسک سسک کر نیم مردہ حالت میں چند سالوں تک ہی زندہ رہتی۔ لیکن چونکہ ٧٠ء سے پہلے اناجیلِ اربعہ کا یونانی زبان میں ترجمہ ہوچکا تھا جو ایک بین الاقوامی زبان تھی اور یونانی بولنے والی کلیسیائیں دن دُگنی اوررات چُوگنی ترقی کررہی تھیں لہذا مسیحیت کو عروج حاصل ہوتا گیا، اوروہ ہر ملک اورہر قوم میں جڑپکڑ کرہر طرف پھیلتی گئی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں اگرکوئی مصنف یہ چاہتا ہے کہ اس کی تصنیف سے مہذب دنیا کی مختلف اقوام فائدہ حاصل کریں تو وہ اپنی تصنیف کو یا تو یونانی زبان میں لکھتا اوریا اس کا ترجمہ یونانی میں کردیتا تھا۔ چنانچہ ہم گذشتہ باب کی فصل پنجم میں ذکرآئے ہیں کہ یہودی مورخ یوسیفس نے اپنی کتاب "تاریخ جنگِ یہود" پہلے پہل ارامی میں لکھی تھی اورا سکا ترجمہ اس نے یونانی میں خودہی کیا تھا اوراب ارامی اناجیل کی طرح یہ ارامی تصنیف بھی گم ہوگئی ہے لیکن ان کے یونانی ترجمہ کو بقا نصیب ہوئی ہے۔

[1] Allen J.Th.S. April 1946

جب اناجیل اربعه کا یونانی زبان میں ترجمه ہوگیا تو مسیحیت کی روزافزوں ترقی ہوتی گئی۔ حتےٰ که مشرق ومغرب کے ممالک کے حکمرانوں کے پے درپے مسلسل ایذارسانیوں کے باوجود روئے زمین پر کوئی ایسا ملک نه رہا جس میں اناجیل کے ترجمے موجود نه تھے۔ اب یونانی اناجیل کے تراجم کے ذریعه منجی عالمین کا جانفزا پیغام دوہزارسال سے ہر ملک ، قبیله ، اورمذہب کے آدمیوں تک پہنچ رہا ہے۔ان یونانی اناجیل کے متن کی صحت پر ہم نے اپنی کتاب" صحتِ کتُب مقدسه" میں نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کرکے ثابت کردیا ہے که دنیا کی کوئی قدم کتاب اناجیل اربعه کی صحت کا مقابله نہیں کرسکتی ۔ جس طرح باغِ عدن کو چار ندیوں کا پانی سیراب کرتا تھا یه چارانجیلیں بھی دوہزارسال سے اس دنیا کے ہرگوشه کو سیراب کرکے اس کو جنت الفردوس بناتی چلی آئی ہیں۔